ساہتیہ اکادمی انعام یافتہ ہندی ناول کا اُردو ترجمہ
دیوار میں ایک کھڑکی رہتی تھی
ونود کمار شُکل

دیوار میں ایک کھڑکی رہتی تھی

ساہتیہ اکادمی انعام یافتہ ہندی ناول کا اُردو ترجمہ

دیوار میں ایک کھڑکی رہتی تھی

ونود کمار شُکل

اُردو ترجمہ

ڈاکٹر عبدالمنان طرزی

ساہتیہ اکادمی

Deewar Mein Ek Khirki Rahti Thi : Sahitya Akademi Award-winning Hindi novel by Vinod Kumar Shukla, translated in Urdu by Abdul Mannan 'Tarzi'. Sahitya Akademi, New Delhi (2005), Rs. 150.

پہلا ایڈیشن:2005

ساہتیہ اکادمی

ہیڈ آفس:

روبندر بھون، 35 فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی 110 001

سیلس آفس: 'سواتی'، مندر مارگ، نئی دہلی 110 001

علاقائی دفاتر:

جیون تارا بھون، 23اے/44ایکس، ڈائمنڈ ہاربر روڈ، کولکاتا 053 700

172، ممبئی مراٹھی سنگھرالے مارگ، دادر، ممبئی 014 400

سینٹرل کالج کیمپس، ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر ویدھی، بنگلور 001 560

مین بلڈنگ، گونا بلڈنگس (دوسری منزل)، (304) 443، انا سلائی، تینم پیٹ، چینئی 600018

قیمت:150روپے

ISBN 81-260-2066-0

Website : http://www.sahitya-akademi.org

کمپوزنگ: اقرا گرافکس، مرتضیٰ منزل، لال باغ، دربھنگہ

طابع: آر۔کے۔ آفسیٹ پروسیس، دہلی

ناول میں پہلے ایک نظم ہوتی تھی

بے شمار سے نکل کر ایک تارا تھا
ایک تارا بے شمار سے الگ کیسے ہوا تھا؟
بے شمار سے الگ ہو کر
اکیلا ایک
پہلا تھا کچھ دیر۔
ہوا کا جھونکا جو آیا تھا
وہ بھی تھا بے شمار، ہوا کے جھونکوں کا
پہلا جھونکا کچھ دیر۔
بے شمار سے نکل کر ایک لہر بھی
پہلی، بس کچھ پل
بے شمار کا اکیلا
بے شمار، اکیلے بے شمار
بے شمار سے اکیلی، ایک
سنگینی زندگی بھر۔

ہاتھی آگے آگے نکلتا جاتا تھا اور
پیچھے ہاتھی کی خالی جگہ چھوٹتی جاتی تھی۔

آج صبح تھی۔ طلوع آفتاب جانب مشرق تھا۔ سمت وہی رہی آتی تھی۔ بدلی نہیں تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ سورج دھوکہ سے نکلا تھا۔ اُس کے نکلنے کا سب کو یقین تھا۔ کسی دن سورج بادلوں میں چھپا ہوا نکلا ہوتا پر نکلا ہوا ضرور ہوتا تھا۔ اُس کا طلوع و غروب سچ تھا۔ سورج کے طلوع ہونے کی شہادت کی حیثیت سے دن تھا اور اُس کے غروب ہونے کی دلیل کے طور پر رات ہو جاتی تھی۔ ابھی رات کالی تھی۔ رات کی سیاہی میں سب کچھ سیاہ تھا۔ دن اتنا صاف، شفاف اور گورا تھا کہ اُس میں جو جس رنگ کا تھا، ویسا ہی دکھائی پڑتا تھا۔ رگھوور پرشاد کا رنگ کالا تھا۔ بچپن سے صبح اُٹھنے پر انہیں لگتا کہ رات اُن کے جسم میں لگی رہ گئی ہے اور ہاتھ منہ دھونے اور غسل کرنے کے بعد وہ کچھ صاف اور تر و تازہ ہو سکیں گے۔ بیچ بیچ میں مہینوں چاندنی رات نہیں ہوتی تھی۔ برس بھر اُجلی رات نہیں ہوتی تھی۔ اگر دو تین برس ل چاندنی رات ہوتی تو ان کا رنگ اتنا کالا نہیں ہوتا۔ رگھوور پرشاد بائیس تیئس برس کے تھے۔ کالے رنگ کے باوجود بھی کالی بھنوؤں اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کی وجہ سے وہ خوبصورت لگتے تھے۔ آج کے دن آج کی چڑیوں کی چہچہاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ کھڑکی سے جو پیڑ دکھائی دے رہے تھے وہ آج کے پیڑ کے جیسے نظر آتے تھے۔ آم کے پیڑ تھے۔ آم کے پیڑوں کے بیچ ہی پرانا نیم کا پیڑ آج کا پیڑ تھا۔ آم کے پیڑوں کی پتیاں آج ہری تھیں جیسے سب پیڑوں کی تھیں۔ آم میں منجر آ گیا تھا۔ پیڑ منجر سے بھرے تھے۔ منجروں کی خوشبو کے درمیان سانس کھینچنے سے من میں چکر آ جاتا تھا۔ پیڑوں میں اتنے منجر لگے تھے کہ جتنے نکلنے

تھے سب نکل آئے تھے۔ جنہیں آئندہ برس نکلنا تھا دھوکے سے اسی برس نکل آئے تھے۔

کھڑکی سے پڑوس کی چھ سات سال کی لڑکی نے جھانک کر کہا۔

''ایک آم کا منجر توڑ دو'' لڑکی کھڑکی کے نیچے رکھی اینٹوں پر کھڑی تھی۔ رگھوور پرشاد کے کمرے میں جھانکنے کے لئے پڑوس کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے وہاں اینٹیں جمائی تھیں۔ جو بہت چھوٹے بچے تھے تب بھی جھانک نہیں پاتے تھے۔

''کس لئے؟''

''پوجا کے لئے بائی نے مانگا ہے'' لڑکی اپنی ماں کو بائی کہتی تھی۔

لڑکی سو کر ابھی اُٹھی ہوگی۔ اس کے بال اسی طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے رات بھر گہری نیند سونے سے ہوتے تھے۔ دونوں چوٹیوں میں کالے فیتے تھے۔ ایک چوٹی کا فیتہ کھل کر لٹکا ہوا تھا۔

''تمہارے پتا سو رہے ہیں؟''

''باہر گئے ہیں۔ تین دن بعد آئیں گے۔ توڑ دو بائی نہالی ہے''

''اچھا رُکو''

رگھوور پرساد اُس لڑکی کے ساتھ پیچھے آم کے پیڑوں تک گئے۔ رگھوور پرشاد کو لگا لڑکی دیر سے اُن کے اٹھنے کا راستہ دیکھ رہی ہوگی۔

''تم میرے اٹھنے کا راستہ دیکھ رہی تھی؟''

''ہاں اٹھنے کا راستہ جھانک کر دیکھ رہی تھی''

''تم پہلے سے اُٹھ گئی تھی؟''

''ہاں''

رگھوور پرشاد کا وہ ایک چھوٹا کمرہ تھا جس میں جھانک کر چھوٹے چھوٹے بچے کئی راستے دیکھتے تھے جیسے وہ بیٹھے ہوتے تو اُن کے کھڑے ہونے کا راستہ وہ پڑھ رہے ہوتے تو

ان کے سیٹی بجانے کا راستہ، چہل قدمی کرتے ہوئے اُن کے لیٹ جانے کا راستہ، خالی کمرے میں اچانک اُن کے نظر آجانے کا راستہ۔ اُن کے چائے بنانے کے راستے سے لے کر ہر لمحے کا راستہ۔ بچوں کے اِس طرح دیکھنے سے رگھوور پرساد کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ بچوں کے آنے سے اُن کے کمرے کی چہار دیواری کی تنہائی میں ایک کھڑکی اور کھل جاتی تھی۔ کھڑکی سے آنے والی ہوا سے اُن کو اچھا لگتا تھا۔

رگھوور پرساد اونچے تھے۔ اُن کا ہاتھ آسانی سے کھڑے کھڑے منجر تک پہنچ رہا تھا۔ پھر بھی وہ اُس منجر کی طرف ہاتھ بڑھا رہے تھے جہاں اُن کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا وہ اُچھلے اور منجر کی ڈالی ٹوٹ کر اُن کے ہاتھ میں آگئی۔ پر ایک آنکھ بھینچ کر وہ نیچے بیٹھ گئے۔

''کیا ہوا؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''پھول جھر کر آنکھ میں چلا گیا''

''پھونک ماردوں؟''

رگھوور پرساد نے کچھ کہا۔ لڑکی نے فراک کے کنارے کو انگلی میں گرمیٹ کر باندھا اور اپنی گرم سانس سے پھونکا پھر رگھوور پرساد کے بالکل پاس جا کر سانس سے گرم فراک کے باندھے کنارے کو آنکھ پر رکھا ایسا دو تین بار کیا۔

''بس ٹھیک ہو گیا'' رگھوور پرشاد نے کہا اُن کی آنکھ لال ہو گئی تھی اور آنسو آگئے تھے۔

''ہاں'' انھوں نے کہا۔

رگھوور پرساد کے ہاتھ سے منجر کی ڈال لے کر لڑکی بھاگ گئی۔ لوٹتے وقت رگھوور پرساد کو ایک جگہ دو اینٹیں دکھائی دیں۔ اینٹیں مٹی سے سَنی تھیں۔ ہاتھوں میں ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہوئے رگھوور پرساد پیچھے کی کھڑکی کی طرف گئے۔ کھڑکی کے نیچے بچوں نے اینٹیں ٹھیک سے جمائی نہیں تھیں۔ آدھی اینٹ اٹھاتے بنی ہوگی اس لئے آدھی

اینٹیں زیادہ تھیں۔ کنارے کی اینٹ کے چھوڑ پر پاؤں پڑتا تو اینٹ پلٹ جاتی اور بچے گر جاتے۔ اینٹوں کو انہوں نے جمایا اینٹ کے چورس پر کھڑے ہو کر انہوں نے کمرے میں جھانکا کہ وہ کمرے میں نہیں تھے۔ چھوٹے بچوں کے لئے تو بھی نیچے ہوگا۔ وہ ڈھونڈ کر دو اینٹ اور لائے۔

کمرے میں آ کر رگھوور پرساد کو اپنی شادی کا دعوت نامہ پڑھنے کی خواہش ہوئی۔ شادی ہوئے بارہ دن ہو گئے تھے۔ دعوت نامہ کھٹیا کے نیچے پیٹی میں تھا۔ پیٹی نکالنے کے لئے وہ نیچے جھکے۔ انہوں نے سنا "گ میں چھوٹے اُو کی ماترا گڑیا" کھڑکی کی طرف انہوں نے دیکھا۔ ایک بچہ اور ایک بچی دونوں کی اونچائی برابر تھی۔ کھڑکی کے نیچے کی چوکھٹ تک دونوں کی ٹھڈی تھی۔ رگھوور پرشاد نے انہیں دیکھا تو دونوں مسکرائے پھر دونوں ہنسنے لگے۔ اُن کی ہنسی سن کر نیچے بیٹھی ہوئی گڑیا نام کی لڑکی بھی کھڑی ہو گئی۔ رگھوور پرساد نے اُسے دیکھ کر کہا۔

"ب میں چھوٹی اُو کی ماترا بڑھیا"، "نہیں گ میں چھوٹی اُو کی ماترا گڑیا"، "نہیں ب میں چھوٹی او کی ماترا بڑھیا"، "اچھا اب تم لوگ جاؤ"۔ تبھی تینوں بچے کھڑکی سے غائب ہو گئے۔

رگھوور پرساد کو لگ رہا تھا کہ پتا چھوٹو کے ساتھ پتنی کو رخصتی کرا کر گاؤں لائے ہوں گے۔ ایک دو دن میں یہاں آ جائیں۔ شادی کے تین دن بعد پتنی میکے چلی گئی تھی۔ پتا نے پتنی کے جانے کے چھ دن بعد رگھوور پرساد سے وداعگی کرانے کے لئے کہا تھا۔ صدر شعبہ نے چھٹی دینے سے منع کر دیا تھا۔

رگھوور پرساد ایک پرائیویٹ کالج میں لکچرر تھے۔ آٹھ سو روپے ملتے تھے۔ کالج اس ستر ہزار کی آبادی والی بستی سے آٹھ کیلومیٹر دور تھا۔ اس بستی کے ہر طرف کے آخری مکان سے لگے ہوئے کھیت تھے۔ بیچ کی بستی سب سے پرانی تھی۔ سبھی آخری کے مکان بعد

کے بنے ہوئے تھے۔ بستی کے کچھ ادھر اُدھر آخری کے مکان بھی پرانی بستی کے وقت کے بنے ہوئے تھے۔ یہ ایسا شہر نہیں تھا جس کے آخری مکان کے بعد گاؤں کی پہلی جھونپڑی شروع ہوتی۔ قومی شاہراہ نمبر ۶ پر آٹھ کیلومیٹر تک پھیلے کھیتوں کے بعد سب سے نزدیک جورا گاؤں تھا۔ شہر پھیلتے پھیلتے نزدیک کے گاؤں تک پہنچتا تو گاؤں شہر کا محلہ بن جاتا تھا۔ گاؤں کا نام محلے کا نام ہو جاتا تھا۔ جورا گاؤں آٹھ کیلومیٹر دور تھا اس لئے جورا گاؤں نام کا محلہ نہیں بنا تھا۔ وہاں یہ کالج تھا۔ یہ کھپریل کی چھت والا لمبا بیرک نما داؤ کے حلقے میں تھا۔ لائن سے کمرے بنے تھے۔ مٹی کی دو فٹ موٹی دیوار تھی۔ سامنے ایک لمبی دالان تھی۔ دیواروں پر چھی مٹی کی لیپ چڑھائی گئی تھی۔ برآمدے میں بڑے بڑے طاق بنے تھے۔ کالج قومی شاہراہ نمبر چھ پر تھا اس لئے ٹرکیں، ٹمپو، بسیں آیا جایا کرتی تھیں۔ کالج کے سامنے تین چار بیل گاڑیاں کھڑی رہتیں۔ دو ایک بیل گاڑیوں میں بیل جُتے ہوتے۔ زمین سے ٹکی بیل گاڑیوں کے کھلے بیل گھاس چرتے ہوئے ادھر اُدھر گھومتے رہتے۔

رگھوور پرشاد کالج جانے کے لئے آدھ گھنٹہ پہلے قومی شاہراہ پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اُنہیں آج کل تین چار دنوں سے کالج کی طرف جاتا ہوا ایک ہاتھی دکھائی دے جاتا تھا۔ لوٹتے وقت بھی ایک دوبار دیکھا تھا تب ہاتھی کی پیٹھ پر پیڑ کی ڈال لدی ہوتی۔ اسے ہاتھی خود سونڈ سے توڑتا ہوگا۔ ڈاڑھی اور بڑے بالوں والا ایک خوبصورت نوجوان سادھو ہاتھی پر بیٹھا رہتا۔ سادھو کا رنگ گیہواں تھا۔ ہاتھی کے سر، سونڈ اور کان کے کچھ حصے کی جلد سُرخی مائل تھی اور اُس پر کالے چھینٹے خوبصورت معلوم پڑتے تھے۔ ہاتھی جوان ہوگا۔ خوبصورت تھا کالا ہاتھی تھا۔

رگھوور پرساد نے من ہی من اپنے ایک ہاتھ کو آگے بڑھا کر جاتے ہوئے ہاتھی کے رنگ سے اپنے رنگ کا موازنہ کیا۔ ہاتھی کے مقابلے میں ان کا رنگ صاف تھا۔

کبھی کبھی کالے سانولے انسانوں کے نظر آنے کے بعد کسی ایک دن پیڑوں

سے اُنھوں نے موازنہ کیا ہوگا کہ آم کے پیڑ کے جسم کا رنگ نیمی کے پیڑ کے جسم کے رنگ سے بہت کالا تھا۔ نیمی کے پیڑ کا رنگ گیہواں چکنا تھا۔ آم کے پیڑ کے جسم کا رنگ اور نیم کے پیڑ کے جسم کا رنگ ایک جیسا کالا تھا۔ اسی طرح پیڑ پر بیٹھنے والے پرندوں اور پرواز کرتے ہوئے پرندوں سے۔

یہ سچ تھا کہ زمین میں پیڑوں کی پتیوں اور گھاس کے سبب ہرا رنگ سب سے زیادہ تھا۔ آسمان میں نیلا رنگ زیادہ تھا۔ کھلی زمین پر ہونے کے سبب یہ آسانی تھی کہ یک مشت بہت سا آسماں دکھائی دیتا تھا۔ صبح شام آسمان کے بخوبی رنگین ہونے کے بعد بھی سبز اڑتا ہوا رنگ، اڑتے ہوئے طوطے کے جھنڈ کے سبب دکھائی دیتا تھا۔ آٹھ دس کووں سے بڑا جھنڈ آسمان میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ طوطے سٹے ہوئے ایک ساتھ اڑتے دکھائی دیتے تھے۔ کوے چھترے چھترے اڑتے دکھائی دیتے تھے۔ سفید بگلے بھی چھترے چھترے اُڑتے تھے۔ کوئل پیڑ کی ڈالی میں چھپی دکھتی تھی۔ گلہری پیڑ پر اکیلی نہیں دکھائی دی۔ آس پاس دوسری گلہری ہوتی یا چڑیا ضرور ہوتی تب یہ طے نہیں کر پاتے تھے کہ ٹٹ ٹٹ بولتی ہوئی گلہری ہے یا چڑیا۔ کبھی لگتا گلہری ہے کبھی لگتا چڑیا ہے۔ تالاب کے کنارے کے پیڑ پر بیٹھنے والی رنگین لمبی چونچ والی چڑیا ایک چھوٹی گھنٹی کی طرح چہچہاتی ہے یاد دلاتی ہے۔

رگھوور پرشاد کو آٹو کا انتظار کرتے ہوئے جب دیر ہو جاتی اور سامنے سے ہاتھی نکل رہا ہوتا تب اُن کا من ہوتا تھا کہ ہاتھی پر بیٹھ کر کالج جاتے۔ ہاتھی پر بیٹھے سادھو کی نظر رگھوور پرشاد پر پڑتی تھی۔ رگھوور پرشاد کہتے "مجھے لے چلو گے؟" تو ہوسکتا ہے سادھو ہاتھی روک دیتا۔ سادھو نہیں روکتا تو ہاتھی خود رک جاتا۔

رگھوور پرساد جہاں آٹو کے لئے کھڑے ہوتے تھے وہاں چائے کی ایک ٹپریا دکان تھی۔ ایک پان کا ٹھیلا تھا سائیکل پنکچر درست کرانے کی دکان تھی اس دکان کے سامنے ایک گندلا پانی بھرا گھمیلا تھا اور وہاں رم جکڑنے کے اسٹینڈ سے ایک پمپ ٹکا ہوا ہوتا۔ چائے

اور پان کی دُکان کے سامنے زمین پر دھنسی ہوئی لکڑی کی دو بنچیں تھیں۔ بنچیں اتنی قدرتی تھیں کہ لگتا تھا کہ پیڑ پر بیج کی طرح اُگی تھیں اور کاٹ کران کے پایوں کو زمین پر گاڑ دیا گیا۔

رگھوور پرساد آٹو کا راستہ دیکھ رہے تھے۔ دور سے رگھوور پرساد نے ہاتھی کو آتے دیکھا۔ رگھوور پرساد کو لگا یہاں کھڑے ہونے سے جیسے چار تاڑ کے پیڑ دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں کھڑے ہونے سے ہاتھی بھی دکھائی دیتا ہے۔ فرق اتنا تھا کہ تاڑ کے پیڑ وہیں کھڑے ہوتے جبکہ ہاتھی آتا دکھائی دیتا تھا۔ آتا ہوا ہاتھی سامنے رُک گیا۔ سادھو ہاتھی کی پیٹھ پر بندھی رسّی کے سہارے اُترا۔ رگھوور پرساد کو لگا کہ سادھو پان کی دکان سے تمباکو چونا لینے آیا ہو یا چائے کی دکان پر چائے پینے۔ وہ سائیکل کی دکان نہیں جائے گا۔ ایسا نہیں تھا کہ ہاتھی کے پیر کی ہوا نکل گئی ہو۔ ہوا بھروانے کی اُس کی منشا نہیں ہوگی۔ سادھو تمباکو کو ملتا ہوا رگھوور پرشاد کے پاس کھڑا ہو گیا۔ دھیرے سے اُس نے پوچھا ''آٹو نہیں ملی؟''

''نہیں ملی'' رگھوبر پرشاد نے بھی دھیرے سے کہا۔

''ہاتھی پر بیٹھیں گے؟ کالج جانا ہے''

''ہاتھی پر! آٹو تو آتا ہوگا'' ہڑ بڑا کر انہوں نے کہا۔

رگھوور پرشاد کو اُمید نہیں تھی کہ وہ ہاتھی پر بیٹھنے کو کہے گا۔ اُمید ہوتی تو وہ کچھ سوچ لیتے۔ سوچنے کے بعد شاید وہ ہاتھی پر بیٹھنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ اُس کے جانے کے بعد اُنہوں نے سوچا کہ کیا اُنہیں ہاتھی پر بیٹھ جانا چاہئے تھا۔ ہاتھی پر چڑھنے اور اُترنے کا خوف اُنہیں ہوا جب کہ وہ چڑھے اُترے نہیں تھے۔

اُنہیں دیر ہو رہی تھی۔ اس دیری میں بلا وجہ وہ پان کھانا چاہتے تھے۔ شاید پان بنتے اور کھاتے تک آٹو نہ ملنے کی دیری ٹھہر جاتی یا بدل جاتی۔ دیری نہیں جاتی، دیری ہونے کا تھوڑا احساس چلا جاتا ایک کام کے نہ ہونے کا احساس دوسرے کام کے کرنے پر بھلا دیا

جاتا ہے، چاہے دوسرا کام کرنے جیسا نہ بھی ہو۔ پان کھانے کے بدلے بیٹھ جانے کا کام کیا جاسکتا تھا۔ بیٹھ جانا خود سپردگی جیسا ہوتا۔ مقابلہ کرنا جیسا نہیں ہوتا۔ پیدل بڑھ جانا، مقابلے کے مترادف ہوسکتا تھا لیکن یہ بیکار تھا۔ پان کھانے کی عادت نہیں تھی۔ آٹو کے انتظار کرنے کی مدت میں آٹو نہیں آرہا تھا پان کھانے کے وقت آٹو آجائے۔ پان کھانا آٹو پانے کا ایک بہانہ ہوسکتا تھا۔ جوا کھیلنا بھی ہوسکتا تھا۔ ابھی پان کے ٹھیلے والا آدمی رگھوور پرشاد کو اس نظر سے نہیں دیکھ رہا تھا کہ رگھوور پرشاد پان کھائیں گے۔ آج پان کھالیں گے تو کل سے روز، رگھوور پرشاد پان کھاتے ہیں یا نہیں کی نظر سے دیکھے گا۔

ایک آٹو رکا۔ بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ دو طالب علم تھے۔ گاؤں کی عورتیں ٹوکری لے کر بیٹھی تھیں۔ جھانک کر وہ پیچھے ہٹ گئے۔ نہیں بیٹھے۔ ایک طالب علم اُن کو دیکھ کر اُترنے کو ہوا، پر نہیں اُترا۔ اُسے بھی وقت پر کالج پہنچنا تھا۔ دیر بعد اُنہیں آٹو ملا۔ کالج پہنچتے پہنچتے اُنہیں دیر ہوگئی۔ آدھے دن کی چھٹی لینی پڑی۔

رگھوور پرساد اچھا پڑھاتے تھے۔ ریاضی پڑھاتے تھے۔ کلاس میں پڑھاتے تھے۔ کلاس میں پڑھاتے وقت زیادہ تر اُن کی پُشت طلباء کی طرف رہتی۔ پیٹھ گھمائے، بولتے ہوئے، تختے پر لکھتے جاتے۔ علم ریاضی ہونے کی وجہ سے طلباء بہت خاموش رہتے۔ رگھوور پرشاد دونوں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ تختے پر بائیں ہاتھ سے لکھنا شروع کرتے اور وسط تک پہنچتے پہنچتے داہنے ہاتھ سے لکھنا شروع کردیتے تھے۔ یہ عمل فی الفور ہوتا تھا۔ بائیں ہاتھ کے بعد داہنے ہاتھ سے اُن کا لکھنا اس طرح ہوتا کہ ہاتھ کا بدلنا پتہ نہیں چلتا تھا۔ نئے طالب علموں کو تب پتہ چلتا تھا جب وے پُرانے ہوجاتے تھے۔ پُرانے طلبا اتنے عادی ہوجاتے تھے کہ نئے کو بتلانا بھول جاتے تھے۔

صدرِ شعبہ کو بھی بہت بعد میں پتہ چلا تھا کہ رگھوور پرشاد دونوں ہاتھوں سے لکھتے ہیں جب کہ وہ اُن کو بائیں اور داہنے ہاتھ سے لکھتا ہوا کئی بار دیکھ چکے تھے۔ جب وہ رگھوور

پرشاد کو بائیں ہاتھ سے لکھتا ہوا دیکھتے تو اُسے ہی صحیح سمجھتے کہ رگھوور پرشاد ڈیری ہاتھ ہیں۔ جب داہنے ہاتھ سے لکھنا دیکھتے تو اُن کو یہی ہمیشہ کا سچ لگتا۔ پہلے کا سچ وہ بھول جاتے تھے۔ دراصل رگھوور پرساد کے دونوں داہنے ہاتھ تھے۔

دوسرے دن آٹو کے انتظار میں پچھلے دنوں کی طرح ہاتھی آتے ہوئے دیکھا۔ ہاتھی دیکھنے کے بعد رگھوور پرشاد نے تاڑ کے پیڑوں کو دیکھا کہ وہیں ہیں۔ ہاتھی پر بیٹھے جوان سادھو نے رگھوور پرساد کو کل اُن سے بات چیت ہو چکی تھی اُس پہچان کے خیال سے دیکھا۔ سادھو کو رگھوور پرشاد کا نام نہیں معلوم تھا۔ اگر معلوم ہوتا تو دیکھنے کے شناختی عمل میں نا معلوم ہے کا جُز شامل ہوتا۔ رگھوور پرشاد کو لگا کہ آج وہ اُن سے نہیں پوچھے گا۔ ہاتھی پر بیٹھ کر کالج جانا ٹھیک نہیں تھا۔ ہاتھی ایک سواری تھی جس کا چلن بند ہو گیا اس طرح چل رہی تھی۔ ایک سکّہ جس کا چلن بند تھا، پر ہے۔ وہ چاہتے تو کل ہاتھی پر بیٹھ سکتے تھے۔ آٹو کے ایک روپے دینے پڑتے ہیں ہاتھی کے زیادہ دینے پڑیں؟ آٹھ کیلومیٹر ہاتھی پر بیٹھ کر جانا ہوگا۔ پہلے راجے مہاراجے بیٹھتے تھے اس وقت بیٹھیں تو مضحکہ خیز معلوم ہوگا۔ جیسے ہاتھی پر بیٹھا ہوا ماضی کا راجہ سبزی خریدنے بازار آیا۔ سب سے اپنی اپنی سبزی کی ٹوکری پیچھے کھینچ کر ہاتھی کے آنے کا راستہ چوڑا کیا۔ تب بھی ہاتھی کے لئے گھوم کر پلٹنے کی جگہ نہیں تھی۔ اس تیتر بیتر صورت حال میں ماضی کے راجے نے ایک سبزی والی کے پاس جھولا پھینکا کہ آدھا کیلو آلو، ایک روپے کی پالک، ایک پاؤ لہسن اور پچاس پیسے کی ادرک دینا۔ جھولے میں سبزی بھر کر سبزی والی جھولے کو ہاتھی کی سونڈ کو پکڑا دے گی۔ ہاتھی سونڈ پلٹا کر جھولا مہاوت کو دے گا۔ ماضی کا راجہ سبزی کے پیسے پوچھے گا پھر ایک پوٹلی میں پیسے لپیٹ کر مہاوت کو دے گا مہاوت ہاتھی کو دے گا۔ ہاتھی سبزی والی کو دے گا اس لین دین کے بیچ میں بہت بڑا ہاتھی ہوگا اور اس کا عمل ہوگا۔ گھومنے پھرنے کے لئے ہاتھی پر بیٹھنا ٹھیک ہے۔ کام پر جانے کے لئے نہیں۔ گھوڑا تو بھی ٹھیک ہوگا۔

ٹمپو میں ہمیشہ کی طرح گاؤں کی عورتوں اور بوڑھوں کی بھیڑ تھی۔ ایک بوڑھا ڈنڈا لئے ہوئے بیٹھا تھا۔ طلبا نہیں تھے اس لئے رگھوور پرساد نے اندر گھسنے کی کوشش کی۔ ٹمپو والے نے جگہ بنانے کے لئے کہا۔ ٹمپو میں جگہ ہوتی تو ملتی۔ ایسا نہیں تھا کہ باہر میدان سے تھوڑی جگہ لیتے اور ٹمپو میں رکھ دیتے تو جگہ بن جاتی۔ بغیر جگہ کے وہ ٹمپو میں گھس گئے۔ جب ٹمپو چلی تب اُن کو لگا کہ دم نہیں گھٹے گا۔ لڑکیوں، عورتوں کے بیچ بیٹھے ہوئے آگے اُن کو کوئی طالب علم دیکھے گا تو نامناسب نہیں لگے گا کیوں کہ طالب علم سوچے گا کہ رگھوور پرشاد کے بیٹھنے کے بعد عورتیں بیٹھی ہوں گی۔ عورتوں کے بیٹھنے کے بعد رگھوور پرشاد بیٹھے ہوں گے، ایسا طالب علم کیوں سوچے گا۔

ہاتھی کو نکلے ہوئے اچھا وقت ہو چکا تھا تب بھی ہاتھی اتنا آہستہ چل رہا تھا کہ اُن کا ٹمپو ہاتھی سے آگے نکل گیا۔ ڈنڈے والے بوڑھے کے کاندھے پر کمبل رکھا تھا جو رگھوور پرشاد کو چبھ رہا تھا۔ ٹھنڈ کو گئے ہوئے کچھ دن بیت گئے تھے لیکن بیتے دنوں کی عادت کی طرح کمبل کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔

صدر شعبہ سے رگھوور پرشاد نے بات کی۔ ''کالج آنے میں دقت ہوتی ہے سر! ٹمپو بس وقت پر نہیں ملتی۔ دیر ہونے پر آدھے دن کی چھٹی لینی پڑتی ہے۔''

''اسکوٹر نہیں خرید لیتے!''

''سر! اتنے پیسے کہاں سے لاؤں گا؟''

''سائیکل سے آیا کرو''

''سائیکل سے آنے کا من نہیں کرتا۔ پتاجی کی پرانی سائیکل ہے۔ بگڑتی رہتی ہے۔''

''چلاؤ گے تو اُس کی دیکھ بھال ہوگی۔ سائیکل ٹھیک رہے گی۔''

''یہی کرنا پڑے گا۔ آپ نے اسکوٹر کب خریدی؟''

''آٹھ سال ہو گئے''

''آتے جاتے آپ کو ہاتھی ملتا ہے؟''

''ہاں! کچھ دنوں سے تو روز ملتا ہے''

''اسکول کا ہارن سُن کر ہاتھی ہٹ جاتا ہے''

''ہاتھی سن کر ہٹتا ہے یہ پتہ نہیں۔ مہاوت سن کر ہٹا دیتا ہو''

''ہاتھی تو سمجھدار ہوتا ہے۔ اُس کو اپنے من سے ہٹ جانا چاہئے۔''

''سامنے بس، ٹرک کو آتے دیکھ کر ہاتھی کنارے ہو جاتا ہوگا؟''

''ہو تو جانا چاہئے۔''

''ہاتھی کے بازو سے اسکوٹر نکالنے میں آپ کو ڈر نہیں لگتا؟ میں ہوتا تو مجھ کو ڈر لگتا۔''

''ڈر لگتا ہے۔ ہاتھی اپنی سمجھداری اور مہاوت کی سمجھداری کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ دونوں کی سمجھداری میں فرق پڑ جائے تب مشکل ہوگی۔''

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مہاوت کی غلطی کو ہاتھی سنبھال لے۔''

''ہاں۔ اور مہاوت صحیح ہو تو ہاتھی سے غلطی ہو جائے۔''

''جی ہاں''

''ہاتھی کے نزدیک سے نکلتے وقت میں اسکوٹر دھیمی کر لیتا ہوں۔ ہاتھی سے دور ہو کر نکلتا ہوں کہ اچانک وہ گھوم جائے تو اُس کی سونڈ کی پہنچ کی حد پر نہ رہوں۔ ہاتھی سے آگے ہوتے ہی فوراً رفتار بڑھا دیتا ہوں۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ ہاتھی اتنا بڑا ہوتا ہے، سونڈ لمبی ہوتی ہے کہ سونڈ بڑھا کر پکڑ نہ لے۔'' ہنستے ہوئے صدر شعبہ نے کہا۔

''اچھا بتایئے، ہاتھی بیل گاڑی سے آگ نکل سکتا ہے؟''

''اسکوٹر سے جاتے ہوئے یہ کیسے پتہ چلے گا۔ یا تو ہاتھی پر بیٹھے رہو یا بیل گاڑی پر تب پتہ چلے گا۔''

''پھر بھی آپ کیا سوچتے ہیں؟''

''ہاتھی بیل گاڑی سے آگے نکل جائے گا''

''مجھے بھی یہی لگتا ہے، اور سائیکل؟''

''سائیکل ہاتھی سے آگے نکل جائے گی۔''

''اگر ہاتھی پیدل چلے تو!''

''ہاتھی پیدل چلے کیا مطلب''

''اگر نہ چلے تو گھوڑے پر چلے گا''

''نہیں سر! میں کہہ رہا تھا، ہاتھی دوڑے گا تو سائیکل آگے نہ نکل پائے۔''

''ہاں، آخر ہاتھی دوڑے گا تو پیدل ہی۔ بھینس کو بھاگتے ہوئے دیکھے ہو۔ تیز دوڑتی ہے۔''

''نہیں سر! بھینس اُتنی تیز نہیں دوڑتی جتنی تیز دوڑتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ بھاری بھر کم ہونے کے سبب اُس کا دوڑنا تیز دوڑنا لگتا ہے۔''

''ہاتھی دوڑ میں بھینس سے پچھڑ جائے گا۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''پر سائیکل ہاتھی سے آگے نکل جائے گی۔''

''ہاں سائیکل آگے نکل جائے گی۔''

''ایک کتا تک تو ہاتھی سے آگے نکل جاتا ہے۔''

''معلوم نہیں کیوں راجہ مہاراجہ ہاتھی پر بیٹھتے تھے۔''

''اونچائی پر رہنے اور بیٹھنے کی وجہ سے''

''اور کوئی اونچی سواری تو نہیں تھی۔''

''اونٹ بھی اونچا ہوتا ہے۔''

''ہاتھی سے؟''

''کیا پتہ''

''جہاں جو چیز ہوتی ہے اُسی کا استعمال ہوتا ہے۔ دھان ہوتا ہے اس لئے بھات کھاتے ہیں۔''

''کسان یہاں گیہوں بھی پیدا کرتے ہیں پر ہاتھی اور اونٹ یہاں پیدا نہیں ہوتے۔''

''جی سر'' رگھوور پرشاد نے کہا۔

لَوٹتے وقت رگھوور پرشاد صدر شعبہ کی اسکوٹر پر پیچھے بیٹھے۔ صدر شعبہ نے ہی اسکوٹر میں چلنے کے لئے کہا تھا۔

آج انہوں نے اسکوٹر میں ہوا بھروائی تھی۔

''ہوا ٹھیک ہے سر؟'' رگھوور پرشاد نے بیٹھنے سے پہلے پوچھا تھا۔

''ہاں''

''بیٹھ جاؤں؟''

''ہاں بیٹھ جاؤ۔ اسکوٹر چالو کئے کھڑا ہوں۔ تم سے اسکوٹر پر بیٹھنے کے لئے نہیں کہتا تو تم کل اپنے لئے ایک ہاتھی خرید لیتے۔''

''پٹرول بھی بہت مہنگا ہے''

''یہ پٹرول سے چلنے والا ہاتھی ہے''

رگھوور پرشاد کو ہاتھی آگے جاتا ہوا نظر آیا۔ وہ صدر شعبہ سے کہنا چاہتے تھے ''سر!

ہاتھی'' پرنہیں کہا۔ صدر شعبہ نے بھی دیکھا ہوگا۔ اُنہوں نے اسکوٹر دھیما کر ہاتھی سے دوری بناتے ہوئے اسکوٹر کو آگے نکالا۔ رگھوور پرشاد نے سر گھما کر بیٹھے ہوئے سادھو کو دیکھا۔ سادھو نے ہاتھ اٹھا کر رگھوور پرشاد کو رام رام کہا۔

رگھوور پرشاد وہیں اُتر گئے جہاں وہ آٹو کے لئے کھڑے رہتے تھے۔ صدر شعبہ سیدھے نکل گئے۔ رگھوور پرشاد نے سوچا جب شروع کی دنیا دھیمے چلتی تھی تب ہاتھی دنیا کے ساتھ ڈگمگ چلتا تھا۔ اب بھی ہاتھی پہلے جیسا دھیمے چل رہا تھا۔ دنیا کے ساتھ ہاتھی ہو نہ ہو پر ہاتھی کے ساتھ دنیا ابھی بھی تھی۔ ہاتھی کی اس دنیا میں رگھوور پرشاد شامل ہو رہے تھے۔

مارچ کا شروع کا دن تھا۔ تب بھی اچانک پانی ایسا گر رہا تھا کہ اگست کا مہینہ لگنے لگا۔ پانی کی تیز بوچھار سے آم کے منجر جھر گئے تھے۔ منجر کی خوشبو میں گیلا پن تھا۔ فرصت کے اوقات میں رگھوور پرشاد صدر شعبہ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ اگر پانی بند نہیں ہوا تو برستے پانی میں کیسے لوٹا جائے گا۔ آٹو کے لئے بھیگتے کھڑا رہنا پڑتا۔ رگھوور پرشاد کے پاس برساتی یا چھاتا نہیں تھا۔ اسکوٹر کے پیچھے چھاتا لے کر بیٹھنے سے چھاتا اُلٹ کر ٹوٹ جاتا۔ دوسرے کا چھاتا لے کر اسکوٹر پر جانا ٹھیک نہیں تھا۔ برساتی پہن کر اسکوٹر پر بیٹھا جا سکتا تھا۔ ہاتھی پر بھی چھاتا لگا کر بیٹھا جا سکتا تھا۔ جھالردار چھاتا ہودے سے بندھا اس لئے ہوتا ہو کہ دھوپ برسات سے بچاؤ ہو۔

''سر! ایک بات پوچھوں؟'' رگھوور پرشاد نے کہا۔ صدر شعبہ کام کر رہے تھے۔

''پر ہاتھی کے بارے میں نہیں'' صدر شعبہ نے کہا۔

''جی ہاں'' رگھوور پرشاد نے کہا۔ وہ چُپ ہو گئے۔

''شعبۂ ریاضی میں دو اساتذہ تھے۔ رگھوور پرشاد اور صدر شعبہ۔ کالج کو کھلے تیسرا سال تھا تینوں سال کے کل اڑتالیس طلباء تھے۔ سال اوّل میں اٹھارہ طلباء نے داخلہ لیا تھا۔ سال سوم میں صرف نو طلبا تھے۔

''سر!''

''ہاتھی کے بارے میں تو نہیں پوچھ رہے ہو؟''

''جی دوسرے جانور کے بارے میں''

''پوچھئے'' صدر شعبہ نے سوچا ہاتھی کے بدلے جانور کے بارے میں پوچھنے سے منع کرنا تھا۔ ہاتھی اس میں اپنے آپ شامل ہو جاتا۔''

''سر! کانجی ہاؤس میں بھالو کو رکھ سکتے ہیں؟'' صدر شعبہ کو شک ہوا کہ رگھوور پرشاد کو کالے جانوروں سے زیادہ لگاؤ ہے جیسے ''ہاتھی، بھالو، بھینس وغیرہ۔

''آوارہ گائے گورو کو کانجی ہاؤس میں رکھتے ہیں۔ بھالو کو! بھالو جنگل میں رہتا ہے۔''

''جنگل کا بھالو آوارہ بھالو نہیں ہوگا۔ گائے گورو جس کو دیکھنے سننے والا کوئی نہیں، کھڑی فصل چرنے لگے۔ نقصان کرے تو کانجی ہاؤس میں بند کر سکتے ہیں۔ جس کی گائے ہوتی ہے وہ ڈنڈ دے کر چھڑا لے جاتا ہے۔''

''جنگل سے نکل کر بھالو کھیت میں آجائے تو بھالو آوارہ نہیں ہو جائے گا؟''

''کھیت میں آئے تو بھی آوارہ نہیں ہوگا۔''

''گاؤں میں آجائے تو؟''

''بھالو کہیں بھی آجائے، جنگلی رہے گا۔''

''آدمی لوگوں کو بھالو نقصان پہنچائے اور پکڑ میں آجائے تو کانجی ہاؤس میں دے سکتے ہیں؟''

''ارے کانجی ہاؤس میں بھالو کو کھلائیں گے کیا۔ اُس کو ڈنڈ دے کر کون چھڑائے گا۔ بھالو کو جنگل محکمہ کو دے سکتے ہیں کہ واپس جنگل میں چھوڑ دو یا چڑیا گھر میں۔ جنگلی محکمہ بھالو کو دور گھنے جنگل میں چھوڑ سکتا ہے۔''

''سر! کانجی ہاؤس میں گائے بیل کو لینے کوئی نہ آئے تو کیا کریں گے؟''

''نیلام کر دیں گے۔''

''بھالو کی نیلامی کریں تو سرکس والے، بھالو نچانے والے خرید سکتے ہیں۔''

''بھالو کو نچانے والے کتنے ملیں گے؟''

''آٹھ دس تو اکٹھے ہو جائیں گے۔''

''اچھا کل کسی ایک کو تو ڈھونڈ کر لانا۔ مجھ کو تو لگتا ہے گنے چُنے دو چار لوگ گھوم گھوم کر بھالو نچاتے پھرتے ہیں۔ دو چار بھی نہیں ایک ہوگا۔ وہی ایک ساری دنیا میں گھومتا ہے۔''

''اپنی بستی میں بھالو نچانے والا ایک بھی آدمی نہیں ہے۔ اگر ہوگا تو وہ بھالو کے ساتھ رہتا ہوگا۔''

''بھالو پالتو جانور نہیں ہے۔ جنگلی جانور ہے۔ پالتو جانور کی نیلامی کریں گے۔ جنگلی جانور کو جنگل بھیج دیں گے، سمجھے۔''

''سمجھ گیا۔ لیکن سر! گائے ایک زمانے میں پالتو نہیں رہی ہوگی۔ وہ بھی جنگلی جانور رہو گی۔ انسان جنگلی تھا بھالو بھی دھیرے دھیرے پالتو ہو جاتا۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے۔ بھالو پالتو جانور نہیں ہے۔''

''سر! ہاتھی پالتو جانور ہو گیا ہے'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''تم چھاتا لائے ہو؟'' صدر شعبہ نے پوچھا۔

''نہیں''

''چھاتا کسی سے مانگ لوں گا۔ پیدل جاؤں گا۔''

''چپراسی سے چھاتا مانگ لینا۔ پیدل جانا۔ بھیگتے ہوئے چلنا ہے تو میرے ساتھ چلو۔ میں بھیگتا جاؤں گا۔''

''میں پیدل جاؤں گا۔ دل ہوا تو چھاتا لئے تیز چلوں گا۔ چھاتا لے کر دوڑوں گا۔''

''پیدل دوڑنا''

''جی سر! پتاجی کہتے ہیں جب پانی گرتا ہے تو چوروں کو چوری کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔''

''ہاں میں کُتّے کے بدلے ایک شیر پالنے کی بات سوچ رہا ہوں۔ جب چور آئے گا تو وہ بھونکے گا نہیں، دھاڑے گا۔'' پرنسپل اپنے اسکوٹر میں بھیگتے ہوئے چلے گئے۔ کچھ بھیگتے ہوئے طلباء سائیکل سے، کچھ پیدل گئے۔ طلبا سائیکل پر ڈبل سواری بھی ہو گئے۔ جو استاذ سائیکل میں آتے تھے وہ سب بارش رُکنے کا انتظار کئے بغیر سائیکل سے چلے گئے۔ صدر شعبہ نے جاتے وقت رگھوور پرساد سے پوچھا ''بھیگتے چلو گے؟'' ''نہیں سر! مجھے چھاتا مل گیا ہے۔ پیدل جا رہا ہوں۔ راستے میں ٹمپو مل جائے گا۔''

''راستے میں ہاتھی ملے تو چھاتا لگا کر ہاتھی پر مت بیٹھنا رگھوور پرساد''

''کیوں سر!''

''ایک ہاتھ سے تو چھاتا پکڑو گے۔ سنبھل کر بیٹھتے نہیں بنے گا۔ شاید سڑک کی نیچے کی ہوا سے ہاتھی کے اوپر کی ہوا تیز ہو۔ چھاتا اُلٹ جائے۔ چھاتا سنبھالنے میں خود مت گرنا۔ چھاتا کو گر جانے دینا۔''

''چھاتا میرا نہیں ہے''

''کسی کا بھی چھاتا ہو۔'' جھلا کر صدر شعبہ نے کہا۔

''جی ہاں''

رگھوور پرساد پیدل نکل پڑے تھے۔ پانی کم ہوا تھا، پھر بھی تیز تھا۔ شہر کی جانب سے گاؤں کی سواری سے لدا ٹمپو آ کر چلا گیا۔ یہی ٹمپو لوٹے گا تب شاید جگہ مل جائے۔ ٹمپو نو

گاؤں تک جاتا تھا۔ جورا گاؤں سے متصل کالج تھا۔ اس گاؤں میں داؤ کی لمبی چوڑی دہری تھی جو کالج کو عطا کردی گئی تھی۔ کالج کی دالان کی دیوار میں بڑے بڑے طاق بنے تھے۔ کمرے کی بھی دیواروں میں طاق تھے۔ دالان میں چھانی کو سہارا دینے لائن سے پتھر پر لکڑی کے کھمبے تھے۔ لکڑی کے کھمبے، بلی، دروازے اور کھڑکی کے پلّے السی کے تیل سے چپوڑے کالے اور چمکدار تھے۔ زمانے سے ان کو السی کا تیل لگا کر چمکایا جاتا تھا۔ تیل کی وجہ سے ان میں غبار کی تہہ جمتی تھی۔ یہ تہہ اتنی سخت ہو جاتی تھی کہ لکڑی کا حصہ لگتی تھی۔ گرد کی جمی تہہ قدرتی باریک نقاشی لگتی تھی۔ دروازے میں پیتل اور لوہے کے موٹے موٹے پھلی کھِلا لگے تھے۔ ساتھ میں لگے پیتل کے پھول لوہے کے کھیلوں کی طرح کالے پڑ گئے تھے۔ بھی دروازے نُو بیڑیا تھے۔ بھاری اور مضبوط برآمدے میں دیوار کے نیچے گیرو کی ڈیزائن کی پٹی بنی تھی۔ پرنسپل کے دروازے کے دونوں بازو کی دیوار میں نیلے رنگ کے مور بنے تھے۔ اُس میں کہیں کہیں لال رنگ کے چھینٹے تھے۔ دفتر کے کمرے کے دروازے کے پاس گنیش جی بنے تھے۔ شعبۂ ریاضی کے کمرے کے اندر ایک پرندہ بنا تھا۔ حیرت تھی کہ ہاتھی کہیں نہیں بنا تھا۔ درجوں کے لئے کئی کمرے خالی تھے۔ ایک خالی کمرے کی دیوار میں ہاتھی کے اٹھارہ چھپے بنے تھے۔ کھڑکیاں چھوٹی تھیں۔ سلاخوں کی جگہ بانس ٹھونک دیئے گئے تھے۔ کالج کا فرش گوبر سے لیپا پوتا تھا۔ تین درجوں میں بنچیں رکھی تھیں، اور ایک ایک ٹیبل، کرسی نہیں تھی۔ کرسی کی کمی تھی۔ گیارہ کمرے تھے۔ تین کمروں میں پڑھائی ہوتی تھی۔ ایک کمرے میں پرنسپل بیٹھتے تھے۔ کالج کے سامنے ایک میدان تھا۔ وہاں جھنڈا پھہرانے کے لئے ایک موٹی بلّی گڑی تھی۔ اُس میں ایک اونچا بانس بندھا تھا۔ بانس میں جھنڈا پھہرا کر بلّی میں باندھ دیا جاتا تھا۔ کالج سے لگی ہوئی ایک جھونپڑی میں ابتدائی درس گاہ تھی۔ مڈل اسکول گاؤں میں نہیں تھا۔ اس گاؤں اور پاس کے شہر کے لئے یہ ایک الگ کالج تھا۔ شہر کے اندر بھی ایک کالج تھا۔ وہاں ایک سو پچیس لڑکوں کی تعداد تھی۔

پرائمری اسکول کے اساتذہ کالج کے اساتذہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ گاؤں والوں کا کہنا تھا کہ کالج کے اتنے کمرے خالی ہیں، اُسی میں پرائمری اسکول لگ جاتا تو ٹھیک تھا۔ پرنسپل اور کمیٹی کے لوگوں کو اعتراض نہیں تھا لیکن ایک دقت تھی۔ اسکول کے بچوں کا شور شرابہ بہت ہوتا تھا۔ اسکول کے اساتذہ کا کہنا تھا کہ وہ بغیر ہنگامہ کیے پڑھائیں گے اور پڑھاتے وقت کھڑکی دروازے بند کرلیں گے۔

اسکول کے بچوں کو جب یہ معلوم پڑا کہ کالج کے کمرے، اُن کے شوروغل کرنے کی وجہ سے نہیں مل پائیں گے تو چھوٹے چھوٹے بچوں نے شوروغل کرنا، چلانا قریب قریب بند کردیا تھا۔ آپس میں جھگڑا کرتے تھے تو چُپ چاپ۔ صرف اُستاد کے پڑھانے کا شور ہوتا تھا۔ بچے آپس میں پھُس پھُسا کر بات کرتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے ہونٹوں میں چپ رہنے کے اشارے کی صورت میں ایک انگلی عادت کی طرح رہتی تھی۔ استاد نہیں ہوتے تو لگتا تھا کہ کلاس میں کوئی نہیں ہے، ایسا سکون ہوتا۔ لیکن جاکر دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ چالیس لڑکے لڑکیوں میں آدھے سے زیادہ ہونٹوں میں انگلی رکھے چپ ہیں اور باقی بغیر انگلی رکھے۔ بچے منہ میں انگلی رکھے آتے جاتے دکھائی دیتے تھے۔

کالج کے سامنے ایک ہینڈ پمپ تھا۔ بیچ میں پانی پینے کی چھٹیوں میں بچے اور لڑکے ضرور پانی پیتے تھے۔ گلاس میں پانی پینے کے لئے اسکول اور کالج دونوں جگہ گھڑے اور چمبو رکھے تھے۔ گھڑے سے نکال کر گلاس سے پانی پینا پرنسپل اور اساتذہ سے لے کر پرائمری اسکول تک کے بچوں کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ کالج کے پرنسپل پانی پینے ہینڈ پمپ تک جاتے تھے۔ کبھی اُن کے ساتھ کوئی استاد ہوتا، کلرک ہوتا یا چپراسی ہوتا، جو ہینڈ پمپ چلاتا تھا۔ اسکول کے پیچھے تالاب تھا۔ تالاب کے کنارے پیشاب کرنے کی آڑ بنادی گئی تھی۔ آٹھ لڑکے ایک ساتھ پیشاب کرتے تھے، پھر بھی اتنی آبادی نہیں بڑھی تھی کہ پیشاب کرنے کے لئے تالاب بنایا جاتا۔ جب کالج کے پرنسپل اکیلے باہر آتے تو سب سمجھ جاتے کہ پانی

پینے نہیں، پیشاب کرنے نکلے ہیں۔ پرنسپل جب اُٹھ کر کھڑے ہوتے تو کہتے ''باہر چلا جائے'' تو یہاں بیٹھے اساتذہ بھی اٹھ جاتے کہ پانی پینے جا رہے ہیں۔ جب پیشاب کرنا ہوتا تو پرنسپل بتا دیتے پانی نہیں پینا ہے۔ تب وہ اکیلے جاتے تھے۔

تالاب کو دیکھنے سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ تالاب پہلے بنا تھا یا داؤ کا باڑا۔ ایک کچے تالاب کی قدامت کے پتہ لگانے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ تالاب کے کنارے کوئی مندر نہیں تھا۔ مندر کی قدامت سے تالاب کی قدامت کا اندازہ ہوتا، لیکن تالاب نیا نہیں تھا۔ امدادی کاموں کے بعد وہ گہرا اور بے ڈَول ہو گیا تھا۔ تالاب کا پانی آسان نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اونچی مٹی کی دیوار کے اندر پانی تھا۔ تالاب وہی اچھے لگتے تھے جس کی اونچائی زمین کی سطح کے برابر ہوتی تھی۔ زمین کی سطح کے بعد تالاب کی سطح ہوتی تھی۔ زمین کے سطح کے برابر پانی کی سطح ہوتی تھی۔ جتنی پرانی مٹی اور پانی تھا تالاب اتنا ہی قدیم لگتا تھا یہ اتنا قدرتی اور قدیم لگتا تھا کہ وہاں زمین ہوتے ہوتے پانی ہو گیا، کنارے کنارے گھاس پھر کمل کی پتیاں۔ یعنی جتنی پرانی گھاس، ہنسپتی اور کمل قدیم اتنا ہی پرانا تالاب۔ اس تالاب میں کنول نہیں تھا جب کہ سڑک کے اوپر مٹی ڈالنے کے لئے سڑک کے کنارے جو گڈھے کھودے جاتے تھے وہ پہلی برسات میں ڈبرے ہو جاتے تھے۔ دو ایک سال بعد اُس میں کمل کی ایک چھوٹی گول پتّی دکھائی دیتی تھی۔ دو ایک اور برسات کے بعد ایک چھوٹا سفید کمل کِھل جاتا تھا۔

رگھوور پرساد کا ایک کمرے کا گھر تھا۔ تیس روپے ماہانہ کمرے کا دیتے تھے۔ بجلی کا میٹر الگ تھا۔ اُن کا کمرہ بیچ میں تھا۔ دونوں بازو ایک ایک کمرے اور تھے۔ یہ بھی کرائے پر لگے تھے۔ اُن دونوں کمروں میں کنبہ تھا۔ رگھوور پرساد کے والدین اور ایک چھوٹا بھائی پچاس کیلومیٹر دور دھرمپورا میں رہتے تھے۔ بس سے کم سے کم ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ تھا۔ رگھوور پرساد ازدواجی اور خاندانی زندگی کے خیال سے اسباب فراہم کر رہے تھے۔ ایک چارپائی تھی۔ چارپائی چھوڑی تھی۔ پھر بھی اُن کو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُن کو ایک چارپائی اور رکھنی

چاہئے یا نہیں۔ میاں پتنی ایک ہی چارپائی پر رات بھر سوتے ہیں۔ یہ اُن کو ایک ضروری سچ نہیں لگتا تھا۔ رات بھر کا ضروری سچ نہ ہو لیکن کچھ دیر کا سچ تو تھا پھر بھی اس سچائی کو آڑ میں رکھنے کے لئے اُن کے پاس دوسرا کمرہ نہیں تھا۔ اگر دو چارپائی ہوتیں تو یہ سچائی دوسری چارپائی کی آڑ میں ہوتی۔

رگھوور پرساد کی بڑی بہن اِسی شہر میں تھی۔ بہنوئی ایک ٹرانسپورٹ آفس میں کلرک تھے۔ بڑی بہن نے شکر، چائے کی پتی، زیرہ، رائی وغیرہ باورچی خانے کی چیزیں، کے لئے ٹین اور پلاسٹک کے پرانے ڈبے دئے تھے۔ آٹا رکھنے کے لئے ٹین کا خوبصورت نیا ڈبہ تھا۔ یہ اسپتال کے پلاسٹر کا خالی ڈبہ تھا۔ پتہ نہیں بڑی بہن کو کہاں سے ملا تھا۔ گول بازار کے خالی ڈبوں کی دُکان سے شاید خریدا ہو۔ بہنوئی جی کے گھر کسی کا ہاتھ پیر نہیں ٹوٹا تھا۔ یا بہنوئی جی کے کسی کمپاؤنڈر دوست نے دیا ہو۔ تیل ایک بوتل میں تھا۔ چاول، دال کے ڈبے بھی تھے۔ چاول، دال اور آٹا وہ جھولے میں رکھنا چاہتے تھے۔ چوہوں کی وجہ سے ارادہ بدل دیا۔ کمرے کے سامنے اُن کے حصے کی پرچھی میں بیڑی کے خوکے میں تین گملے رکھے تھے۔ ایک گملے میں تُلسی لگی تھی دو گملے میں شوبھا کے پودے لگے تھے۔ بیڑی کے خوکے بھی بڑی بہن نے دئے تھے۔ کمرے کے داہنے کونے کو چوکہ (کھانا بنانے کی جگہ) بنا دیا گیا تھا۔ اُسی طرف دوسرے کونے میں ایک گُنڈی اور ایک گھڑا رکھا تھا۔ وہاں دیوار سے باہر نالی کے لئے ایک مُہانہ بنا تھا۔ دیوار میں دو الماری بنی تھیں۔ پلے نہیں تھے۔ لکڑی کے تختوں سے الماری کے خانے بنے تھے۔ پتہ نہیں کون سی لکڑی تھی، تختے ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ اُس میں اخبار بچھا کر اُنہوں نے کتابیں جمع کر دی تھیں۔ فرش کالے پتھر کا تھا۔ یہ فرشی پتھر کہلاتا تھا۔ پاس میں ایک بیلسونڈا نام کا گاؤں تھا۔ وہاں اِس پتھر کی کھدان تھی۔ بیل گاڑی اور ٹرک میں لَد کر کھدان سے اِدھر اُدھر پتھر جاتا۔ بیت الخلا مکان سے کچھ دور ہٹ کر پیچھے بنا تھا۔ تین کمرے کے افرادِ خانہ کے لئے تین پاخانے لائن سے بنے تھے۔ شادی کے بعد رگھوور پرساد آٹھ روپے مہینے کے حساب سے ایک پاخانے میں تالا

لگانے لگے تھے۔ پاخانے کا تالا بالکل نیا تھا۔ پاخانے میں بجلی نہیں تھی۔ رات کو ٹارچ یا چراغ لے کر جانا پڑتا تھا۔ پاخانے کا دروازہ زمین سے چھ سات انچ اونچا تھا۔ باہر چراغ رکھ دو تو بھی بند دروازے کے نیچے سے روشنی جاتی تھی۔ تیس روپے کا کمرہ اور آٹھ روپے کا پاخانہ کا تناسب کچھ ٹھیک نہیں بیٹھتا تھا۔ پاخانے کا کرایہ اور کم ہونا تھا۔ اس خانگی معاملات کے انتظام میں وہ دھوکہ کھا گئے تھے لیکن یہ ضروری تھا۔

پیدل کچھ دور نکل آنے کے بعد بھی رگھوور پرساد کو ٹمپو نہیں ملا۔ ٹمپو بھرے آتے تھے۔ گھُسنے کی جگہ نہیں ہوتی ہوگی اس لئے روکنے سے نہیں رُکتے تھے۔ جب بھی ٹمپو کی آواز آتی تو وہ رُک کر پیچھے دیکھنے لگتے۔ رُک کر اُنہوں نے پیچھے دیکھا۔ ایک ٹمپو آرہا تھا۔ ٹمپو کے پیچھے اُنہوں نے ہاتھی کو بھی آتے دیکھا۔ بارش اب قطرے کی صورت اختیار کرگئی تھی۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ اس ٹمپو میں جگہ نہیں ملی تو وہ ہاتھی پر بیٹھ جائیں گے۔ ٹمپو کو اُنہوں نے روکا۔ ٹمپو رکا نہیں۔ اُنہیں لگا ٹمپو میں جگہ تھی، ٹمپو والے نے ان پر دھیان نہیں دیا۔ ہاتھی کے آنے میں ابھی وقت لگے گا جب چار ٹمپو نکل سکتے ہیں۔ کسی نہ کسی میں جگہ مل جائے گی۔ ٹمپو نہیں آرہا تھا اور ہاتھی آتے آتے قریب آگیا۔

''بابو چلیں گے؟'' جوان سادھو نے پوچھا۔ چھاتے کے نیچے سے اُنہوں نے ''ہاں'' کہا۔ اوپر سے سادھو کو چھاتے کی آڑ میں اُن کا سر ہلانا نہیں نظر آیا ہوگا لیکن ہاں کہنا سنائی دیا ہوگا۔ وہ چھاتا تانے کھڑے رہے۔ سادھو نے ہاتھی سے چلاّ کر پھر پیار سے بُدبُدا کر کچھ کہا تو ہاتھی دھیرے سے نیچے بیٹھ گیا۔ سادھو نے کسی جادو یا منتر سے ہاتھی کو بٹھایا ہو۔ تب رگھوور پرساد بھی منتر سے متاثر ہوکر خود اپنے ہاتھی پر چڑھنے کا راستہ وہیں کھڑے کھڑے دیکھ رہے تھے۔ شاید اُنہیں لگا ہو کہ وہ کھڑے کھڑے اپنے کو ہاتھی پر بیٹھا ہوا پالیں گے۔ نیچے ہاتھ بڑھا کر سادھو نے رگھوور پرساد سے اوپر چڑھنے کے لئے کہا۔ چھاتا اُنہوں نے بند کردیا تھا۔ رسی پکڑ کر کسی طرح وہ اوپر چڑھ گئے۔ ہاتھی کا جسم بہت ہی کھردرا تھا۔ ''سنبھلنا'' کہہ کر اُس نے ہاتھی کو کچھ کہا تو ہاتھی کھڑا ہوگیا۔ ہاتھی اتنا اونچا ہوگا اس کا

اندازہ نہیں تھا۔ بوندا بوندی ہورہی تھی۔ بند چھاتا ہاتھ میں تھا۔ جس ہاتھ میں چھاتا تھا اُس ہاتھ سے بھی رسّی کسی طرح پکڑے ہوئے تھے۔ کچھ ڈر، یا سنبھل کر بیٹھے ہونے کی وجہ سے وہ جھکے ہوئے تھے۔

''گھبرایئے نہیں، گریں گے نہیں، ہاتھی آپ کو گرنے نہیں دے گا، سمجھدار ہے۔''

ہاتھی کی ریڑھ کی ہڈی انہیں گڑ رہی تھی۔ ریڑھ کی ہڈی تھی یا رسی یہ جاننے کے لئے تھوڑا کھسکنا پڑتا۔ ابتدا میں تو وہ زیادہ جھکے رہے، کچھ دیر بعد تن کر بیٹھ گئے۔ ہاتھی پر بیٹھنے کا ان کا انداز اُن کو معلوم ہوگیا وہ جوتا پہنے ہوئے ہاتھی پر چڑھے تھے۔ جوتے پہنے ہوئے اُنہیں ہاتھی پر چڑھنا تھا یا نہیں، اُنہیں نہیں معلوم تھا۔ سادھو نے بھی نہیں ٹوکا تھا۔

''گھر کدھر ہے؟'' آٹو والی جگہ پر پہنچ کر سادھو نے پوچھا۔

''ادھر'' اُنہوں نے بتایا۔

گھر اُنہیں نظر آنے لگا تھا۔ اُنہیں لگا گھر کے سامنے کچھ چہل پہل ہے۔ عورتیں نظر آرہی تھیں۔ پاس پڑوس سے آجا رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے کھیل رہے تھے۔ ڈھولک اور مجیرے کے ساتھ شادیانہ سنائی دے رہا تھا۔ شاید اُن کے ہی گھر میں، اُن کا دل دھڑکنے لگا۔ دل جتنی زور سے دھڑک رہا تھا ہاتھی کے اوپر نیچے کی وجہ سے اُتنا نہیں تھا۔

کچھ دیر پہلے سے پانی بند ہوگیا تھا اور ہلکی سی دھوپ نکل آئی تھی۔ وہ ہاتھی پر بیٹھے بیٹھے دیکھ رہے تھے کہ ایک عورت نے اُن کے کمرے سے چارپائی نکالی اور سامنے کے پیڑ کے نیچے ڈال دی۔ دوسری نے دری لاکر بچھادی۔ شاید پتا تھے۔ پڑوس کے کمرے سے نکل کر وہ چارپائی پر بیٹھے، پھر لیٹ گئے۔ اُٹھ کر انہوں نے کھٹیا پیڑ کے نیچے سے سرکائی۔ پھر لیٹ گئے۔ ہوا چلنے سے پتیوں سے پانی ٹپکتا ہوگا۔

بچوں کو دور سے ہاتھی نظر آیا۔ وے چلانے لگے۔ پتا اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ انہیں یہ تھوڑی سمجھ میں آرہا تھا کہ ہاتھی پر اُن کا رگھوور پرساد بیٹھا ہے۔ سامنے عورتیں بچے اکٹھے ہوگئے تھے۔ ''وہی گھر ہے'' اُن کے منہ سے نکلا۔

''کوئی تقریب ہے کیا؟''

''نہیں، گاؤں سے پتا جی آئے ہیں'' اُسے گھر نہیں بتانا تھا پہلے اُتر جاتے تو اچھا تھا۔ تماشا ہو جائے گا انہیں جھینپ لگ رہی تھی۔ ہاتھی سے اُترتے بھی نہیں بنے گا۔ اُترتے اُترتے گر پڑے تو۔

ہاتھی ٹھیک پتا کی چارپائی کے قریب کھڑا ہوا۔ پتا نے تب بھی نہیں پہچانا تھا۔ پتا چارپائی سے اُٹھ کر ہاتھی سے کچھ دور جا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ چارپائی کو بھی اُنہوں نے ہٹا لیا تھا۔ تب ہی انہوں نے پہچانا کہ ہاتھی پر اُن کا بیٹا ہے۔ پڑوس کی عورتوں بچوں نے بھی پہچان لیا۔ ایک عورت نے چلا کر کہا ''ارے! رگھوور پرساد ہاتھی سے آیا ہے'' بچے ہو! ہو!! چلانے لگے۔ اندر پتنی ہوگی تو اس نے بھی سنا ہوگا۔ شاید اس عورت نے پتنی کو سنانے کے لئے ہی چلایا ہو۔ پتنی کا جی دھک سے کیا ہوگا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کا بھی من رگھوور پرساد کو ہاتھی سے آیا دیکھ لینے کا ہوا ہوگا۔ ہاتھی پر بیٹھ کر آنا خوشی کی بات تو ہوتی ہوگی! تھوڑی بہت شان بھی ہوتی ہو۔ سادھو نے رگھوور پرساد کے اُترنے کے لئے ہاتھی کو نیچے بٹھایا! رگھوور پرساد ہاتھی سے سنبھل کر اترے انہوں نے ایک روپے کا سکہ نکالا تب تک ہاتھی کھڑا ہو گیا تھا۔ سکہ دیکھ کر سادھو نے مسکرا کر کہا ''ہاتھی کو دے دیجئے'' ہاتھی کو سکہ کیسے دیں، یہ، وہ ہتھیلی پھیلائے ٹھیک سے سوچ بھی نہیں پائے تھے کہ ہاتھی نے ہتھیلی پر سے سکے کو سونڈ سے اٹھا کر سادھو کو دے دیا۔

''اچھا کل ملیں گے'' رفیق راہ ہاتھی سوار نے کہا۔

''اچھا'' دھیرے سے رگھوور پرساد نے کہا۔

ہاتھی کے جانے سے ایک بڑی سی جگہ نکل آئی تھی۔ یہ تو تھا کہ ہاتھی آگے آگے نکلتا جاتا تھا اور پیچھے ہاتھی کی خالی جگہ چھوٹتی جاتی تھی۔ جاتے ہوئے ہاتھی کو انگلی سے چھونے کی خواہش رگھوور پرساد کو ہوئی تھی۔ ہاتھی کے ہٹتے ہی دروازے کے پاس کھڑی عورتوں میں انہوں نے پتنی کو ایک جھلک ڈھونڈا اور پتا کے پاؤں چھوئے۔ پتنی انہیں نہیں دکھائی دی۔

ہوسکتا ہے ماں ہوں۔ پتنی نہ آئی ہو۔ ماں سے ملنے عورتیں آئی ہوں۔ لیکن شادیانہ کیوں ہوگا۔ کیا پتنی نہیں آئی ہوگی۔ اُن کے دل کو قرار نہیں تھا۔ وہ ہاتھی سے اتر گئے تھے لیکن دل گھوڑسواری کرنے لگا تھا جو پتنی کے آنے اور نہ آنے کی طرف دوڑتا رہتا تھا۔ کہیں رکتا نہیں تھا۔ نہ تو آنے پر رُکتا تھا اور نہ نہیں آنے پر۔

پتا نے رگھوور پرساد کو دل کی گہرائیوں سے دعائیں دیں۔

''ہاتھی والے کو چائے نہیں پلا دیتے۔''

''یاد نہیں رہا''

''کل پلا دینا'' پتا نے سوچا ہوگا کہ وہ کالج آمدورفت ہاتھی سے کرتا تھا۔

''کتنی دیر ہوگئی آئے ہوئے؟'' رگھوور پرساد نے پوچھا۔

''گھنٹہ دو گھنٹہ ہوا ہوگا۔ پڑوسیوں کو معلوم پڑا تو ڈھولک لے کر شادیانہ گانے لگیں۔ بہو اندر ہے۔ بہو کو پہنچانے آیا تھا۔ تم کو چھٹی تو ملتی نہیں۔ تمہاری ماں پیچھے پڑی تھی، بہو کو پہنچا دو، بہو کا من نہیں لگ رہا ہے۔ اُداس رہتی تھی''

''اسے اپنے ماں باپ کی یاد آرہی ہوگی'' آہستہ سے اشتباہ کے ساتھ اُس نے کہا۔ یہ پتا نے نہیں سنا۔

''گھر پیسے تھوڑا زیادہ بھیج دیا کرو۔ چھوٹو کی بیماری میں اس بار پیسے خرچ ہوگئے۔ بیس دن نجار میں پڑا رہا۔ آنے پر بہو نے بڑی خدمت کی۔ تب تک تو وہ ٹھیک ہوگیا تھا۔ اب ایک دم ٹھیک ہے۔ تم کو چٹھی لکھے تو تھے۔''

''چٹھی نہیں ملی۔'' حیرت سے رگھوور پرساد نے کہا۔ پتنی نے بھی لکھی ہو اور اُسے نہ ملی ہو۔ پتنی کیوں لکھے گی، وہ بھی نہیں لکھ سکا جب۔

''کتنے دن پہلے لکھے تھے''

''کچھ دن ہوگئے''

''کالج کے پتے سے تو نہیں بھیجے؟''

''گھر کے پتے سے بھیجے تھے''

''پوسٹ مین سے پوچھوں گا۔ پوچھتے رہنے سے وہ چٹھی دینا بھولے گا نہیں۔''

''اچھا منہ ہاتھ دھولو۔ چائے پی لو تھکے ہوگے۔'' پتا نے کہا۔

''اماں نہیں آئی۔''

''کیسے آتی، وہاں کون دیکھتا''

''آپ نے چائے پی؟''

''ہاں پی لی، دیکھو کپ کھٹیا کے نیچے دھرا ہے۔ کپ لے جانا۔ اِسی میں دھو کے پی لینا۔ زیادہ کپ زیرِ استعمال مت رکھو۔ ٹوٹ جاتی ہے۔''

''جی ہاں'' زیادہ کپ زیرِ استعمال نہیں تھی۔ یہی ایک کپ استعمال میں تھی، جسے رگھوور پرساد نے اٹھایا تھا۔ کپ اٹھاتے اٹھاتے رگھوور پرساد نے کمرے کی طرف دیکھا۔ کمرے کے اندر دہلیز کے پاس اُنہوں نے کپ رکھ دیا تھا۔ اسٹو جلنے کی بو تھی۔ اُن کے کپ رکھتے ہی ایک لڑکی نے کپ اٹھایا اور اسے دھونے گُنڈی کی طرف کونے میں چلی گئی۔ رگھوور پرساد جوتا اتارنے سیڑھی کی طرف اس طرح بیٹھ گئے کہ وہ اندر سے نظر آئیں۔ اسٹو پتنی کے سامنے رکھا ہوگا۔ کونے سے کسی عورت نے اسٹو اٹھایا ہوگا اور کہا ہوگا'' اب رگھوور پرساد کے لئے چائے بناؤ'' ایک لڑکی چائے کے لئے گُنڈی سے پانی لے آئی ہوگی۔ کسی نے چھننی دی ہوگی کسی نے شکر، چائے پتی پتنی کے پاس سرکا دی ہوگی۔ رگھوور پرساد جوتا اتار کر پتا کے پاس بیٹھ گئے۔

''اماں ٹھیک ہے؟''

''ٹھیک ہے، ہر بار کھاتے وقت ایک بار ٹھ کا ضرور لگتا ہے۔ کھانستے کھانستے بے دم ہو جاتی ہے۔''

''ڈاکٹر کو بتائے تھے؟''

''ہومیو پیتھی والے کو دکھاتے رہتے ہیں۔ ہومیو پیتھی کی دوا بھی مہنگی ہوگئی ہے۔

ایک چھوٹی شیشی پانچ روپے کی۔ ہفتہ بھر دوائی چلتی ہے۔''

ایک چھوٹی لڑکی کو بہت آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے کہ چائے نہ چھلکے، جیسے رسی پر چل رہی ہو رگھوور پرساد نے آتے ہوئے دیکھا اُنہیں کے لئے چائے ہوگی وہ آگے بڑھے اور لڑکی کے ہاتھ سے کپ لے لیا۔ جس کے لئے لے جارہی ہو، دینے کے پہلے وہی چھِن کر لے گئے۔ اس طرح لڑکی نے رگھوور پرساد کو دیکھا اور دُکھی ہو کر لوٹ گئی۔

''چائے اور پئیں گے؟''

''نہیں''

''جب آئے ہوں گے تو کمرے میں تالا بند ہوگا؟'' رگھوور پرساد کو چائے پیتے پیتے یاد آیا کہ تالا بند تھا۔ تالا کیسے کُھلا ہوگا۔

''تم ایک چابی دے گئے تھے نا۔''

''اچھا ہوا وہی تالا لگایا تھا۔ دوسرا تالا لگتا تو پریشانی ہوتی۔''

''کیا پریشانی ہوتی، پڑوسی اچھے ہیں۔ تمہارے آنے تک وہیں رہتے۔ تمہارے پاس تو ایک ہی تالا تھا؟''

''ایک نیا تالا اور لیا تھا''

''کس لئے''

''پاخانہ میں لگانے کے لئے''

''پاخانہ میں لگانے کے لئے کیوں وہاں چوری ہونے کا کون سا ڈر تھا۔''

''چوری نہیں۔ پاخانے میں بھیڑ رہتی ہے وقت پر خالی نہیں ملتا۔''

''ارے اتنا بڑا میدان تو ہے۔ ''کھیت ہیں''

''جی''

''پاخانے کا تالا تم نکال کر رکھ لینا۔ ایک تالا میں لے جاؤں گا۔ پیرا کوٹھا میں لگاؤں گا۔ پیرا چوری ہو جاتا ہے۔ بڑی مشکل سے ایک گائے کا چارا جٹ پاتا ہے۔''

"پاخانہ کرائے پر لیا ہے؟"

"پاخانہ کرائے پر! پاخانہ تو تھا۔ کوئی ممانعت تھوڑی تھی۔ کل ایک غسل خانہ کرائے پر لے لینا۔

ایک باورچی خانہ کرائے پر لے لیا۔ سب گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ تمہاری تنخواہ تو کرائے میں چلی جاتی ہے۔ گھر کیا بھیجو گے۔" رگھوور پرساد نے سوچا کہ پتا پاخانے کا کرایہ نہ پوچھ بیٹھیں اس لئے فوراً کہا۔

"بس میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تھی؟"

"نہیں"

رگھوور پرساد کے پتا کمزور لگ رہے تھے۔ ان سے طبعیت کے بارے میں پوچھیں گے تو اپنی سب بیماریاں بتلانے لگیں گے۔ تب رگھوور پرساد کو گھبراہٹ ہونے لگتی تھی۔ اُس کی تنخواہ اچھی ہوتی تو وہ بتاتا کہ ایک بیٹا کس طرح اپنے والدین کی خبر گیری کرتا ہے۔ باپ کی چھوٹی چھوٹی توقعات کے سامنے وہ بے بس ہو جاتا تھا کہ وہ اچھا بیٹا نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ اپنی بے بسی سے ابتک پتا ساتھ دیتے آئے تھے۔ پتا کی بے بسی میں وہ کیسے اُن کا سہارا بن سکے گا۔ یہی نا کہ پتا کو دو سو روپے کی ضرورت ہے تو بیٹے کی مدد کے طور پر پتا کسی طرح اپنی ضرورت کو ڈیڑھ سو روپے تک محدود کر دیں۔ کالج کے قریب گھر مل جائے تو ایک بڑا گھر لے لیں۔ آنے جانے کا پیسہ بچے گا۔

ابتک عورتیں چلی گئیں۔

"سب عورتیں چلی گئیں؟"

"ہاں"

"میں بتانا بھول گیا حلوائی کے یہاں سے بتاشہ لے آتے اور بانٹ دیتے۔"

"کل بھجوا دوں گا۔"

"کیسے بھجواؤ گے۔ جانے دو۔ ایسے موقعہ پر بڑے والے بتاشے بنوالیا کرو۔ دو

دو بتاشے بٹوا دیا کرو۔ تیج تیوہار میں پڑوس میں ناؤن آتی ہوگی۔ چاہو تو پتا لگا کر بتاشے بھجوا دینا۔

"جی ہاں"

"اب رہنے دو آگے چاہے دھیان رکھنا"

"اندر نہیں بیٹھیں گے؟" اُس نے پتا سے پوچھا۔ اُس کا بھی اندر جانے کا من تھا۔

"یہاں ہوا میں اچھا لگ رہا ہے۔ دیا بتّی کا وقت ہو گیا ہے۔ بہو سے کہہ دے روشنی کردے۔ نامناسب گھڑی میں تاریکی نہیں رہنی چاہیے۔"

"جی"

رگھوور پرساد اندر گئے۔ پتنی ایک کونے میں بیٹھی تھی، گڑیا بیٹھی تھی۔ رگھوور پرساد کی پتنی نے اسے اپنے ساتھ کے لئے روک لیا تھا۔ گڑیا کو دیکھ کر رگھوور پرساد کا من ہوا، اُس سے کہیں گ میں چھوٹی اُو کی ماترا اگئو پر نہیں کہا کہ پتا کیا سوچیں گے۔ رگھوور پرساد کے آتے ہی پتنی نے گڑیا کو پھُس پھُسا کر جانے کو کہا ہوگا۔ وہ بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ دن کے رخصت ہونے کا باہر سے کچھ زیادہ ہی اندھیرا کمرے میں ہو چکا تھا۔ رگھوور پرساد نے سوچا ابھی روشنی نہیں جلائیں۔ ایک منٹ بعد جلائیں وہ پتنی کی طرف بڑھے۔ پتاجی نہیں دیکھ رہے تھے۔ پڑوس کے بچّے باہر کھیل رہے تھے۔ پتنی کے پاس جا کر وہ آہستہ سے بولے "چائے پی تھی؟" پتنی نے کچھ کہا نہیں۔ "چائے پی تھی؟" انہوں نے پھر پوچھا۔ تب پتا کے کھانسنے کی آواز آئی۔ اُنہوں نے فوراً ہی کھٹکا دبا کر بتّی جلائی۔ پتنی کی نائلون کی گلابی ساڑی کا پلاسٹک زری کا چمکیلا کام بجلی کی روشنی میں یکا یک جگمگا گیا تھا۔ روشنی ہوتے ہی پتنی کی چوڑیوں کی آواز ہوئی تھی۔ وہ دیوار کی طرف آہستہ سے گھوم گئی تھی۔ لاہ اور کانچ کی ڈھیر سی چوڑیاں پہنے تھی۔ آلتا والے پاؤں کو روشنی ہوتے ہی ساڑی سے چھپا لیا تھا۔ تبھی پتنی نے اُس کی طرف اس لئے دیکھا کہ کیا وہ بھی اُس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ پتنی دیکھ رہی

ہے، دیکھ کر وہ مسکرایا تو وہ بھی مسکرائی۔

ایک کمرے کا مکان جان کر پتا جان بوجھ کر آٹھ بجے کی بس سے لوٹ جانا چاہتے ہوں گے۔ رگھوور کا من تھا کہ پتا رُک جاتے۔

''اندر آجایئے'' رگھوور پرساد نے دروازے کے پاس جا کر کہا۔ پتا اُٹھے اور اندر آگئے۔ کمرے میں ایک منجرا اچھا تھا۔ پتا تھوڑی دیر منجرے پر بیٹھ رہے پھر اُسی بورے پر لیٹ گئے۔ یہ دیکھ رگھوور پرساد باہر پڑی کھٹیا اندر لے آیا۔

''کھٹیا پر لیٹ جاتے!''

نہیں، ایسے ہی اچھا لگ رہا ہے۔

پتا کو تھکا جان کر اُس نے کہا۔ ''آج رات رُک جاتے۔ کل چلے جانا''

''چلا جاتا ہوں۔ گھر سے پوڑی لایا تھا وہی کھا کر جاؤں گا۔''

''باسی پوڑی نقصان کرے گی۔ روٹی کھالینا''

''باسی پوڑی دال کے ساتھ اچھی لگتی ہے۔ بہو سے بول دینا جلدی دال سبزی بنا دیگی تھوڑا بھات بھی کھاؤں گا'' پتنی کھانا بنانے کے لئے آمادہ ہوگئی۔ اُٹھ کر چوکے کے ڈبوں کو کھول کر دال چاول ڈھونڈنے لگی۔

''جا بتا دے دال چاول کہاں رکھا ہے۔'' پتا نے کہا۔

رگھوور پرساد نے چاول دال آٹا کے ڈبّے بتائے۔ سبزی کی ٹوکری کو دیتے دیتے، پتنی کے پاس رکھ دی، ٹوکری میں آلو تھے۔ پوڑیاں بہت تھیں اس لئے پتنی نے آٹا نہیں گوندھا۔ کھانا بنتے تک پتا آنکھ بند کر لیتے رہے۔ بیٹے کی گھریلو کھٹر پٹر آنکھ موندے سننا انہیں لطف دے رہا تھا۔ اُن کو لگتا ہوگا چلو بیٹے کی ازدواجی رہائش ہوگئی۔

رگھوور پرساد کل کی تیاری میں کتاب کھول کر بیٹھ گئے۔ پتنی کھانا بناتے بناتے پتی کو دیکھ لیتی تھی ہر بار دیکھنے میں اُسے چھٹا ہوا نیا دکھائی دیتا تھا۔ کیا دیکھ لیا ہے یہ پتہ نہیں چلتا تھا۔ کیا دیکھنا ہے یہ بھی نہیں معلوم تھا۔ دیکھنے میں اتنا ہی معلوم ہوتا ہوگا کہ یہ نہیں دیکھا تھا۔

پتا نے بہت تھوڑا کھانا کھایا۔ سات بج گئے تھے۔ سڑک کی روشنی جل گئی تھی۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ پوچھ بیٹھا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ بینائی کم ہوگئی ہے۔ بائیں آنکھ سے تو بہت کم نظر آتا ہے۔ داہنی آنکھ میں روشنی باقی ہے۔ موتیا بند ہو رہا ہے۔ گھٹنے میں بہت درد ہوتا ہے۔ کام کرنے سے تھکاوٹ لگتی ہے۔ اٹھ کر کھڑے ہو تو چکر آجاتا ہے۔''

''کم روزی ہے۔ ڈاکٹر کو دکھا دیتے۔''

''ہومیوپیتھی والے کو''

''نہیں انگریزی ڈاکٹر کو''

''اچھا دکھا دوں گا۔''

رگھوور پرساد اُٹھے۔ ٹین کی پیٹی کھول کر انہوں نے پہلے ایک پچاس روپیہ اٹھایا، پھر پچاس روپیہ اور نکالا۔ پیٹی میں اب قریب دو سو روپے بچے ہوں گے۔ مہینہ پورا بچا ہے۔ مجلس منتظمہ نے صرف آٹھ سو روپے ماہانہ منظور کیا تھا۔ صدر شعبہ کو پندرہ سو روپے ملتے تھے۔ اس کے پہلے ڈاگا کالج دھمتری میں اُن کو بارہ سو روپے ملتے تھے۔

''یہ روپے خرچ کے لئے رکھ لیجئے۔''

''کتنے ہیں؟''

''سو روپے ہیں''

''سمجھ لو بس سے آنے جانے میں پچاس روپے خرچ ہو گئے۔''

''بیس روپیہ اور رکھ لیجئے۔''

''نہیں تمہارا ابھی خرچ ہے۔ پہلے بھی روپیہ دئے تھے۔''

''رکھ لیجئے میرے پاس اور ہیں۔''

رگھوور پرساد رکشا بُلا لائے تھے۔ بہو نے پاؤں چھوئے تو پتا نے دعائیں دیں دونوں بازو کے کمروں سے عورت، بچے جھانک رہے تھے۔ پتا کے بیٹھنے کے بعد پتا کا جھولا

لے کر رگھوور پرساد بھی رکشے میں بیٹھ گئے۔

''بہو سے بول دو اندر سے دروازہ بند کر لے۔ تمہارا گھر بستی کے بالکل باہر ہے۔ سناٹا ہو رہا ہے۔''

''جی'' کہہ کر رکشے سے پھر اُترے۔ کمرے کے اندر جا کر پتنی سے کہا ''دروازہ بند کر لینا میں پتا جی کو چھوڑ کر جلدی آؤں گا۔'' میں پتا جی کو چھوڑ کر جلدی آؤں گا۔ یہ اُنہوں نے اپنے من سے کہا تھا۔ پتا نے جتنا کہنے کے لئے کہا تھا یہ اُس سے زیادہ تھا۔ دروازے کے پلّے کی آڑ میں پتنی کھڑی تھی۔ سر پر آنچل تھا۔ سر جھکائے پتنی نے سنا اور آہستہ سے ''ہاں'' کہا۔ رگھوور پرساد کو پتنی کا ''ہاں'' سننا بہت اچھا لگا۔

پتا کو چھوڑنے گئے تب سے رات کو قریب ساڑھے نو بجے پیدل واپس آئے۔ سڑک کے لیمپ کی روشنی گھر کے سامنے تھی۔ اُنہوں نے دروازے کی سانکل کو بہت آہستے سے کھٹکھٹایا تاکہ صرف پتنی سنے، پاس پڑوس نہ سُنے۔ پتنی کی، دروازے کے پاس تک آنے کی آہٹ ہوئی۔ چوڑیوں کی کھنکناہٹ ہوئی تو لگا کہ دروازہ کھول رہی ہے۔ جب دروازہ نہیں کھلا تو اُنہوں نے سانکل پھر کھٹکھٹایا۔ داہنے پڑوسی کے کمرے کا دروازہ کھُلنے کی آہٹ ہوئی۔ پڑوس کی عورت باہر نکلی۔ رگھوور پرساد کو کھڑا دیکھ کر اُس نے کہا۔ ''دُلہن سوگئی ہوگی۔ زور سے کھٹکھٹاؤ۔''

''جی ہاں'' رگھوور پرساد نے کہا۔ اُنہوں نے سوچا پڑوسن اپنا دروازہ بند کر لے تو وہ پھر کھٹکھٹائیں۔ پڑوسن اندر نہیں جا رہی تھی۔ اُس نے پھر کہا ''کھٹکھٹاؤ'' سانکل کھٹکھٹانے سے پہلے اُن کا ہلکا دھکّا دروازے کو لگا تو دروازہ کھُل گیا۔ پتنی نے بہت آہستہ سے اِس درمیان چھٹکنی کھول دی ہوگی اور اُن کو پتہ نہیں چلا۔ دروازہ کھلنے کے بعد اُن کی نظر پڑوسن کی طرف پھر گئی، ''جاؤ'' پڑوسن نے کہا۔ لیکن وہ اندر ایسے غیر مطلوبہ انداز میں چلے گئے جیسے اپنے آپ گئے۔ جس لمحہ جانا تھا اُس لمحہ نہیں گئے۔ ردِ عمل میں اُن سے دیر ہوتی تھی، اور اُنہیں لگتا تھا کہ اُنہوں نے برمحل کام کیا ہے۔ اُنہوں نے دروازہ بند کیا۔ پڑوس سے دروازہ

بند ہونے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ دروازہ سے دور چارپائی پر بیٹھ گئے۔ پتنی ایک کونے میں کھڑی تھی۔

''سو گئی تھی؟''

''نہیں'' پتنی نے سر ہلایا بس۔ کچھ دیر چپ بیٹھے رہنے کے بعد اُنہوں نے کہا۔
''چھو کر دیکھو مجھے بخار ہے کیا؟'' پتنی کو پاس بلانے کا اور کوئی طریقہ اُنہیں نظر نہیں آیا۔ پتنی اُن کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

''جسم گرم ہو تو بائیں گرم ہاتھ سے داہنے گرم ہاتھ کو چھوؤ تو پتہ نہیں چلتا کہ بخار ہے۔'' انہوں نے بائیں ہاتھ سے اپنے داہنے ہاتھ کو چھوتے ہوئے کہا۔ اُنہیں لگا کہ پتنی اُن کا سر، ہاتھ چھوئے گی پر نہیں چھوئی۔ پاس آ کر کھڑی رہی۔ اُنہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو بھی پتنی نے نہیں چھوا۔ اُنہوں نے ہاتھ بڑھا کر کہنی کے پاس پتنی کو پکڑا۔ چوڑیاں اتنی تھیں کہ ہاتھ پکڑنے کی اور جگہ نہیں تھی۔

''تمہارا ہاتھ تو میرے ہاتھ سے زیادہ گرم ہے۔'' اور اُنہوں نے پتنی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ پتنی کا ہاتھ سچ مچ گرم تھا۔

''نہیں ہے'' پتنی نے اس طرح کہا کہ اُس کا ہاتھ پھر پکڑ لیں اور چھوڑیں نہیں۔

''ہے، سچ میں ہے۔''

''کھانا کھا لی ہو؟'' انہوں نے پھر پتنی سے پوچھا۔ پتنی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ پتا کے ساتھ شکم سیر ہو کر کھا چکے تھے۔ پتا نے صرف دو پوڑی کھائی تھی اور تھوڑا بھات۔ پوڑی زیادہ تھیں اماں نے سوچ کر بھیجا ہوگا کہ بہو کو آٹا گوندھنا نہ پڑے۔ رگھوور پرساد نے زیادہ کھا لیا تھا۔ تھالی میں بچا چھوڑنا اچھا نہیں لگتا تھا، اس عادت کی وجہ سے وہ زیادہ کھا جاتے تھے۔ پتنی اُن کی تھالی میں چپکے سے پوڑی ڈال دیتی تھی۔ پوچھتی نہیں تھی اس لئے وہ منع نہیں کر پاتے تھے۔ آخر کھاتے کھاتے وہ پانی کا گلاس اور تھالی لے کر کھڑے ہو گئے۔ پانی اُنہوں نے کھڑے کھڑے پیا۔ ''پانی بیٹھ کر پیو'' تب پتا نے کہا تھا۔

''کھانا کھالی؟'' پتنی کو جس کا تس کھڑے دیکھ کر رگھوور پرساد نے پھر پوچھا۔
پتنی نے کچھ نہیں کہا۔

''کیا بات ہے؟ اچھا نہیں لگ رہا ہے؟'' رگھوور پرساد نے آہستہ سے پوچھا۔
اب کی بار رگھوور پرساد کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

''بخار نہیں ہے'' پتنی نے کہا۔

''ہاتھ تپ رہا ہے'' اٹکتے اٹکتے اُنہوں نے کہا۔

''نبض دیکھ لو'' پتنی نے کہا۔ رگھوور پرساد کو نبض دیکھنا نہیں آتا تھا۔ انہوں نے پتنی کا ہاتھ پکڑا۔

''چوڑی اتنی ہیں کہ نبض نہیں ملے گی۔''

''اس میں کم ہیں'' پتنی نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا۔

''اُتنی ہی لگتی ہیں''

''ایک بس میں ٹوٹ گئی تھی۔ ایک یہاں کام کرتے کرتے ٹوٹ گئی۔''

''صرف دو کم ہیں۔''

''ہاں''

''بیٹھ جاؤ'' پتنی بیٹھ گئی۔

''داہنے ہاتھ کی چوڑی ٹوٹ جاتی ہے۔ بائیں ہاتھ کی کم ٹوٹتی ہے۔'' پتنی کہہ رہی تھی۔ اور رگھوور پرساد نبض ٹٹول رہے تھے۔ نبض صرف وہاں نہیں تھی۔ وہاں نہ ملنے پر اُسے کہاں ڈھونڈیں۔ چھاتی سے دھک دھک ٹٹولا جا سکتا تھا۔ رگھوور پرساد کو لگا کہ ہاتھی کے اوپر اُن کی پتنی گود میں بیٹھی ہے۔ رات کا کالا ہاتھی تھا۔ اُس کی سونڈ زمین تک جھول رہی تھی۔ رات ہاتھی کی چال کی طرح اوپر نیچے ڈولتے ہوئے جا رہی تھی۔ وہ پتنی کو سنبھال کر پکڑے ہوئے تھے۔ اندھیرے میں کائی کی طرح پھسلن ہوتی ہے ایسا رگھوور پرساد کو لگا۔ پتنی پھسل جاتی تھی۔

اس کے بعد اندھیرے میں پتنی نے پوچھا''بس اسٹینڈ سے رکشے میں آئے تھے؟''

''نہیں پیدل آیا تھا'' پتنی نے سنا کہ رگھوور پرساد گھوڑے پر آئے تھے۔

''ہاتھی نہیں ملا'' پتنی نے پوچھا۔ رگھوور پرساد نے سُنا کہ پتنی پوچھ رہی ہے۔ رکشا نہیں ملا تھا؟

''ملا تھا پر پیدل آیا۔ پیدل آنے سے پیسے بچ گئے تھے۔ قریب ہی بس اسٹینڈ ہے۔''

پتنی نے سنا۔ گھوڑے کے پیسے نہیں دینے پڑے تھے۔ بس اسٹینڈ قریب ہے۔

''گھوڑے پر آنے سے کتنا وقت لگا؟'' پتنی نے پوچھا۔

''جلدی آجاتا پر راستے میں ایک دوست مل گیا'' رگھوور پرساد نے کہا۔ پتنی نے سنا راستے میں ایک گھوڑسوار اور مل گیا تھا۔

''پھر ادھر اُدھر گھومتے رہے''

اِدھر اُدھر گھوڑا دوڑاتے گھومتے رہے۔ پتنی نے سُنا۔

''تھک گئے تو ایک ٹیپریا چائے کی دُکان میں چائے پی۔

تھک گئے تو ایک کھنڈر جیسی پرانی سرائے میں کیسریا دودھ پیا۔ پتنی نے سُنا۔

''اچھی گرم چائے تھی''

گاڑھا گرم دودھ تھا۔ پتنی نے سُنا۔

''میں بھی تمہارے ساتھ گھومنے چلوں گی'' پتنی نے کہا۔

میں بھی تمہارے ساتھ گھوڑسواری کروں گی اب کی بار رگھوور پرساد نے سُنا۔

''گھوڑسواری کیوں کھٹیا میں لیٹے لیٹے اُڑ جائیں گے۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔

پنچھی بن کر اُڑ جائیں گے۔ پتنی نے سُنا۔

''ہاں'' پتنی نے کہا۔

''اُڑ کر سب سے پہلے کہاں جائیں گے؟''

''جہاں چھ مہینے کی رات ہوتی ہے'' رگھوور پرساد نے کہا۔ پتنی نے بھی یہی سُنا۔

''چھ مہینے کی رات ختم ہوتے ہوتے پھر یہاں بارہ گھنٹے کی رات میں آجائیں گے۔ آکر سو جائیں گے۔ پتنی نے بھی یہی سُنا۔

''ہمارے اُٹھنے کا راستہ صبح دیکھے گی۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''صبح کس طرح راستہ دیکھے گی۔''

''جیسے ہی ہماری نیند کھُلے صبح ہو جائے۔''

''زیادہ دیر سو گئے تو زیادہ دیر بعد صبح ہوگی۔''

رگھوور پرساد نے سُنا۔ زیادہ دیر سو گئے تو زیادہ دیر رات رہے گی۔

''چڑیا راستہ دیکھے گی کہ ہم اُٹھیں جس سے صبح ہو اور وے چہچہانا شروع کر دیں۔''

''صبح سب سے پہلے چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی چہچہاہٹ ہوتی ہے۔ اس کے بعد کوئل کے بولنے کی آواز آتی ہے۔''

نظریہ کے پانی سے بُجھ کر سورج چاند ہوگیا تھا
اور مبارک نقش کا بنا ہوا کنول پانی میں تیر رہا تھا

کچھ یاد آنے سے اچانک رگھوور پرساد اُٹھے۔ اُنہیں چڑیوں کی چہچہاہٹ اور کوئل کے کوکنے کی آواز کے بعد گ میں چھوٹی او کی ماترا گڑیا بھی سُنائی دی تھی۔ وہ اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ پتنی کے گھٹنے کے اُوپر تک کھینچی ساڑی کے اُوپر اُنہوں نے چادر ڈال دی تھی۔

''اُٹھو'' اُنہوں نے پتنی کو پیار سے ایسے اٹھایا جیسے یہ کئی برس، روز صبح کا سلسلہ تھا۔ رگھوور پرساد نے کھڑکی سے نیچے جھانک کر دیکھا گڑیا سلیٹ پٹی لیکر کھڑکی کے نیچے بیٹھے پڑھ رہی تھی۔ جب وہ سو رہے ہوں گے تب گڑیا نے اینٹوں کے اوپر کھڑے ہو کر جھانکا ہوگا۔ کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں۔ کمرے میں کود کر کوئی نہ آئے، اس کے لئے بس پلّے کو بند کیا جا سکتا تھا۔ پلّے کو بند کرنے سے کوئی نہ آئے میں ہوا، روشنی باہر کا نظارا بھی نہیں آتا۔ کھڑکی کے پلّے کُھلے ہونے سے اُن کے اٹھنے کے پہلے سے کمرے میں صبح تھی۔ رات کو اُنہوں نے سوچا تھا کہ پتنی سے کہیں گے کہ وہ کھڑکی پر چراغ لے کر کھڑی ہو جائے تاکہ وہ وہاں سے اینٹیں ہٹا دیں پھر اُنہوں نے سوچا کہ اینٹیں ہٹانے کے بدلے کھڑکی کا پلّہ بند کر دیں، پر وہ بھول گئے تھے۔

وہ پاخانے کے تالے کی چابی ڈھونڈ رہے تھے۔ انہیں نہیں ملی۔ جس جگہ باورچی خانے کا سامان تھا وہاں ایک چِکیا میں اُنہوں نے چابی رکھ دی تھی۔ چِکیا وہاں نہیں تھی۔ پتنی نے کھٹ پٹ میں اپنے خوابوں کی دنیا کو نیند سے جگا کر دیکھا۔ ''پاخانے کی چابی نہیں مل رہی ہے۔'' اُنہوں نے پتنی سے پوچھا۔ پتنی سے سب سے الگ ایک اینٹ کے اوپر رکھی

اُس چکیا کو بتایا۔ اُسے لگا ہوگا کہ باورچی خانے کے سامان کے ساتھ پاخانے کی چابی کو نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے من سے اُس نے اپنی ہوشیاری کو جمانے کا کام یہی کیا تھا۔ جب رگھوور پرساد بس اسٹینڈ گئے تھے تب پڑوسنوں سے اُسے یہ کچھ خانگی امور کی واقفیت ہوگئی تھی۔ چکیا کی چابی پاخانے کی چابی ہے، اس کا اُس نے اندازہ لگایا تھا۔ تھوڑی دیر میں گھر کی چیزیں اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر پتنی کی خواہش سے جگہ لینے لگیں۔ چیزوں کے ادھر ادھر ہونے کے عمل سے رگھوور پرساد کو لگا کہ نیند پوری نہیں ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے بچے کھڑکی کی اینٹ پر کھڑے ہونے کے لئے دھکا مُکّی کر رہے تھے۔ دونوں بچوں سے غیر متعلق ہو کر اپنے کام میں تھے اور بچے بائیسکوپ کی طرح کھڑکی سے دیکھ رہے تھے۔ کھاپی کر رگھوور پرساد کتاب لے کر کھٹیا پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد کھڑکی پیچھے بچوں کے خوشی سے چلاّنے کی آواز اُنہوں نے سُنی۔ رگھوور پرساد سے رہا نہیں گیا۔ کتاب لئے لئے کھڑکی کے پاس آئے۔ ایک لڑکا کھڑا تھا۔ باقی سب بھاگ گئے تھے۔ ''کیا ہے'' اُنہوں نے اُس لڑکے سے پوچھا۔

''بکری کا بچہ'' اُس نے کہا۔ ہوا اچھی چل رہی تھی۔

''کون سے رنگ کا ہے'' اُنہوں نے پوچھا۔

''کالے رنگ کا'' بچے نے کہا۔ رگھوور پرساد مسکرائے۔

''بکری کے بچے کو دیکھنے چلوگی؟'' رگھوور پرساد نے پتنی سے پوچھا۔

''چلو'' پتنی فوراً تیار ہوگئی۔

''اِدھر کھڑکی سے چلیں گے'' اُنہوں نے کہا۔

اپریل کا پہلا ہفتہ تھا۔ صبح کی ہوا میں یہاں تھوڑی ٹھنڈک تھی۔ ہوا تیز چل رہی تھی۔ کھڑکی سے باہر پاؤں لٹکا کر رگھوور پرساد کودے، پھر اُنہوں نے پتنی کی مدد کی۔

وہاں ایک بہت بڑا پیپل کا پیڑ تھا۔ پیڑ کے نیچے لمبی رسی سے بکری کا ایک کالا بچہ بندھا تھا۔ ہوا چلنے سے پیپل کے پتے اِدھر اُدھر جھڑتے تو بکری کا بچہ دوڑتے ہوئے پتے کی

طرف لپکتا۔ ایک پتے کی طرف جاتے جاتے پھر دوسرے پتے کی طرف دوڑ پڑتا۔ ہوا چلنے سے ایک ساتھ کئی پتے کھڑ کھڑ جھڑتے۔ پتنی کی ساری کا آنچل ہوا میں اڑ رہا تھا۔ ''اڑتے ہوئے آنچل میں ایک پتا آ کر اٹک گیا۔ سب پتوں کا جھڑنا دیکھ رہے تھے۔ نیچے ڈھیر سے پتے اکٹھے ہو گئے۔ بچے گرتے ہوئے پتوں کو پاؤں سے دبانے کے لئے دوڑتے تھے۔ پتنی کے پاس ایک پتا جھڑا۔ اس نے پاؤں سے دبانا چاہا تو نشانہ چوک گیا۔ رگھوور پرساد، پتنی اور بچے گرتے ہوئے پتوں کو پکڑنے پاؤں سے دبانے اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ اُن کے کھیل کو دیکھ کر لگنے لگا کہ پتے جان بوجھ کر کھیلتے ہوئے جھڑ رہے ہیں۔ پیڑ اپنے پتے جھڑاتا کھیلتے ہوئے کھڑا تھا۔ پتنی کے بالوں میں ایک پتا پھنس گیا۔ رگھوور پرساد نے کہا ''تمہارے بالوں میں ایک پتا اٹکا ہے'' پتنی نے بالوں میں پتے کو انگلیوں سے ٹٹولا تو پتا نیچے رگر گیا۔ ''گر گیا'' رگھوور پرساد نے کہا۔

پڑوسن اپنی کھلی کھڑکی سے چلائی ہاتھی آیا۔ بکری کے بچے کے ساتھ کھیلنا چھوڑ کر سارے بچے ہاتھی کی طرف دوڑ پڑے رگھوور پرساد کو لگا کہ ہاتھی کچھ پہلے آ گیا ہے۔ وہ پتنی کا ہاتھ پکڑے پکڑے کھڑکی تک آئے۔ پہلے اُنہوں نے پتنی کو چڑھایا پھر وہ کمرے میں کود گئے۔ ''ہاتھی آیا'' سے مسرور پتنی دروازے کھولنے لگی۔ پتنی نے دروازے کو پورا کھولا جیسے ہاتھی کو گھر کے اندر آنا ہو۔ آنچل کی اُور سے اُس نے دیکھا بھاری بھر کم ہاتھی تھا۔ پھر وہ اندر آ گئی۔ رگھوور پرساد تیار ہوتے ہوتے دیکھ رہے تھے کہ ہاتھی سڑک کے کنارے مگن ہو کر پیشاب کر رہا تھا۔ ہاتھی پر بیٹھا سادھو بیڑی پی رہا تھا۔ ہاتھی دیکھ کر پتنی ایک چھوٹی لڑکی کی طرح خوش تھی۔ رگھوور پرساد آج سادھو سے کہنا چاہتے ہوں گے۔

''ہاتھی پر بیٹھ کر جانا اچھا نہیں لگ رہا ہے میں ٹمپو سے چلا جاؤں گا۔'' تب سادھو کہے گا ''میں آپ کو ٹمپو اسٹینڈ میں دیکھ رہا تھا۔ آپ آئے نہیں تو آپ کو لینے گھر آ گیا۔''

''آج دیر ہو گئی۔'' رگھوور پرساد کہیں گے۔

''ٹمپو دیکھنے میں اور دیر ہو گی۔ ہاتھی سے چلے چلئے۔ ہاتھی کو تیز لے چلیں گے''۔

''اچھا'' کہہ کر رگھوور پرساد ہاتھی پر بیٹھنے کے لئے تیار ہوں گے۔ کاندھے سے لٹکنے والے جھولے میں تین کتابیں تھیں۔ پتنی سے جاتے جاتے اُنہوں نے کہا،''میں جلدی آجاؤں گا جانے کا مَن نہیں ہو رہا'' رگھوور پرساد کے باہر آتے ہی سادھو نے ہاتھی کو زمین پر بٹھایا۔ کار کا دروازہ صاحب کے آتے ہی ڈرائیور کھولتا ہے۔ اُسی طرح رگھوور پرساد کو دیکھ کر سادھو نے ہاتھی سے بیٹھنے کو کہا ہوگا۔ ہاتھی کا بیٹھنا، کار کا دروازہ کھلنا جیسا تھا۔ ہاتھی رگھوور پرساد کو دیکھ کر نہیں بیٹھا ہوگا بار بار ایسا ہونے پر رگھوور پرساد کو دیکھ کر ہاتھی کی بیٹھنے کی عادت ہو جائے۔ پتنی سمجھی تھی کہ ہاتھی رگھوور پرساد کو دیکھ کر بیٹھا ہے۔ وہ رگھوور پرساد کو ہاتھی پر چڑھتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور خوش تھی۔ جھولا اگر لٹکانے والا نہیں ہوتا تو دقت ہوتی۔ چپراسی کا چھاتا لوٹانے کا اُنہیں یاد نہیں رہا۔

''چلیں'' سادھو نے پوچھا۔

''چلو'' رگھوور پرساد نے کہا۔ اب کی بار اُنہوں نے ہاتھی پر بیٹھے پتنی کو، پڑوس کی عورتوں بچوں کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ رگھوور پرساد کو جاتے ہوئے پتنی کچھ دیر دیکھتی رہی۔ پھر گھر کا کام کرنے اندر چلی گئی۔

ہاتھی پر بیٹھے ہوئے رگھوور پرساد نے دیکھا کہ ایک سائیکل ہاتھی سے آگے نکل گئی۔ ایک چھوٹے قد کے بھورے رنگ کے گھوڑے پر، گاؤں کا ایک بوڑھا آگے چلا جا رہا تھا۔ جب ہاتھی چلتے چلتے گھوڑے کے برابر آیا تو گھوڑا چونک گیا۔ گھوڑا کا بوڑھا سوار لگام چھوڑے تب اُونگھتا ہوا بیٹھا تھا۔ جیسے تیسے لگام پکڑ کر گھوڑے کو اُس نے قابو میں کیا۔ بوڑھا سوار تب ہاتھی کے پیچھے ہو گیا تھا اور آہستہ آہستہ اُسی طرح گھوڑے پر بیٹھے جا رہا تھا جیسے پہلے آگے جا رہا تھا۔ جانے کی وہی اُس کی رفتار ہو گئی جو پہلے تھی۔ یہ رفتار آہستہ آہستہ وقت گزرنے کی رفتار تھی۔ گرمی کی دوپہر جیسے آہستہ آہستہ گزرتی ہے۔ دوپہر ابھی ہوئی نہیں تھی۔ پر گھوڑے کی چال دیکھ کر لگتا تھا کہ اُس گاؤں کے کتنا بھی قریب ہو اُسے راستے پر دوپہر ضرور ملے گی۔ آگے کہیں دوپہر گھوڑے کے آنے کا راستہ کھڑے دیکھ رہی

ہوگی۔ گھوڑا جیسے ہی اُس کے پاس آئے گا، دوپہر ہوکر اُس کے ساتھ چلنے لگے گی۔ چلتے چلتے وہ بیت جائے گی اور آگے رات ملے گی اور یہ سلسلہ کئی رات، کئی صبح تک چلتا رہے گا۔

تھوڑی دیر بعد دیواروں کا جاتا ہوا ڈیرہ ملا۔ عورتیں سر پر ٹنگا گچل بوہے تھیں۔ تین سور، تین سائیکلوں کے کیریر میں بندھے تھے۔ چوتھی سائیکل کے کیریر میں ایک ٹوکری میں چھوٹا بکرا بندھا تھا۔ بکرا لے جانے والا دیوار ڈیرے کا آدمی نہیں لگتا تھا۔ سبھی سائیکلوں کو پیدل لے جایا جا رہا تھا۔ ایک بوڑھے دیوار کے پیچھے ایک مریل کتا معین فاصلہ بنائے ہوئے ساتھ جا رہا تھا۔ یہ کتا بندھا نہیں تھا لیکن نا قابل دید رسّی سے بندھا ہوا تھا۔ نا قابل دید رسّی پالتو ہونے کی دلیل تھی۔ دوسرا کتا جو سچ مچ رسّی سے بندھا ہوا تھا، ہاتھی کے پاس پہنچتے ہی بھونکنے لگا۔ مریل کتا بھی سہما سہما بھونکنے لگا۔ تھوڑا آگے جانے پر ایک ٹھیلے پر جاتی ہوئی ناؤ ملی۔ ناؤ ایک تالاب سے دوسرے تالاب کی طرف جا رہی ہوگی۔ ناؤ سے ٹکے ہوئے ٹھیلے پر ایک بچہ سو رہا تھا۔ ایک عورت اور اُس کا شوہر، ناؤ ٹھیل رہے تھے۔ اُن کا بچہ ہوگا ناؤ سیدھی رکھی تھی۔ اُسے باندھا گیا تھا، پھر بھی ہاتھی کے اُوپر سے دیکھنے سے لگتا تھا کہ ناؤ تیرتے تیرتے چھوٹ رہی ہے اور ہاتھی بھی اُوپر نیچے ہوتا ہوا ہچکولے کھاتا آگے بڑھ رہا ہے۔ ناؤ کے ساتھ ساتھ چلنے میں کچھ دیر تک چلنا، تیرنے کے مانند لگ رہا ہوگا۔ سڑک پر چلتے ہوئے ڈوبنے کا ڈر قطعی نہیں لگے گا، یہ طے تھا۔ لیکن ہاتھی کے اوپر بیٹھے ہوئے رگھوور پرساد کو نیچے گر جانے کا ڈر تھا۔

اسکوٹر کا ہارن سُن کر رگھوور پرساد نے دیکھا کہ صدر شعبہ سائیکلوں کے درمیان سے ہوکر ہاتھی سے آگے نکلنا چاہتے ہیں۔ ایک سور بُری طرح چیخا۔ صدر شعبہ کا دھیان، سور کے چیخنے سے بنٹ گیا نہیں تو وہ رگھوور پرساد کے نمستے کو دیکھتے، جو اُن کے لئے تھا۔ ایک ٹرک آ رہا تھا۔ ٹرک میں بالو بھرا تھا۔ ندی کے چمکتے ہوئے بالو تھے۔ برسات میں ندی بھرنے لگتی تب بالو نکالنا مشکل ہو جاتا تب کھدائی سے بالو نکالے جاتے تھے۔ کھدائی سے نکالے ہوئے بالو صاف ستھرے نہیں ہوتے تھے۔ شدید برسات میں بالو بہت مہنگے

ہو جاتے برسات آنے میں ابھی ڈیڑھ مہینہ تھا۔ ٹرک کو آتے دیکھ سادھو نے ہاتھی کو جتنا سڑک کے کنارے کرنا چاہا ہاتھی اُس سے زیادہ کنارے ہو گیا۔ شیشم کے پیڑ کی ڈالی سے بچنے کے لئے دونوں کو جھکنا پڑا۔ شیشم کی ایک نازک ڈالی رگھوور پرساد نے جھکتے ہوئے توڑ لی تھی۔

کالج سے کچھ دور رگھوور پرساد اُترنا چاہتے تھے پر سادھو نے ہاتھی کو جھنڈا لگانے کی بلّی کے پاس روکا۔ ہاتھی کے بیٹھتے ہی اس طرح اُترے کہ وہ ہاتھی سے نہیں اُترے، وہاں پہلے سے کھڑے تھے اور ہاتھی اُن کے پاس آ گیا۔ شیشم کی ڈال ان کے پاس تھی۔ ڈال میں چھوٹی چھوٹی کلی لگی تھی۔ صدرِ شعبہ تھوڑی دیر پہلے آ کر بیٹھے تھے۔ ''شیشم کی ڈال'' اُنہوں نے پوچھا۔

''جی ہاں''

''شیشم میں پھول آ گئے''

''ہاں! آم میں منجر بہت آئے''

''آم کے منجر اور مہوا کے پھول کی خوشبو مجھ کو ایک جیسی لگتی ہے''

''جی سر! چکّر آتا ہے''

''آپ کو؟''

''نہیں مَن کو''

''اچھا میں دھیان دوں گا کہ من کو چکر آتا ہے یا مجھ کو''

''بانس کی پتیاں پیلی پڑ کر جھرنے لگی ہیں۔ رگھوور پرساد ہاتھی کی بات کہنے سے اپنے آپ کو بچا رہے تھے یہی حال صدرِ شعبہ کا تھا۔ صدرِ شعبہ نے رگھوور پرساد کو ہاتھی پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

''آم کے پیڑ کے جسم کا رنگ اور نیم کے پیڑ کے جسم کا رنگ ایک جیسا ہے'' رگھوور پرساد نے کلاس لینے جاتے وقت صدرِ شعبہ سے کہا تھا۔ پڑھا کر جب وہ لوٹے تب

صدرِ شعبہ نے اُن سے کہا۔ ''آپ کے دونوں ہاتھ میں چوک لگی رہتی ہے۔ کلاس سے آتے ہیں تو ہاتھوں کے ساتھ ساتھ چہرے پر بھی سفیدی لگی رہتی ہے۔''

''آپ کو معلوم تو ہے سر! میں دونوں ہاتھ سے لکھتا ہوں''

''ہاں! پر چہرے سے تو نہیں لکھتے''

''جی ہاں''

چلنے سے دونوں پاؤں ایک ساتھ چلتے ہیں۔ رُکو تو دونوں پاؤں ایک ساتھ رُک جاتے ہیں۔ دونوں پاؤں ایک ساتھ آرام کرتے ہیں۔ رگھوور پرساد بغیر رُکے لکھ سکتے تھے۔ بایاں ہاتھ تھک جائے تو داہنے ہاتھ سے۔ تب تک بایاں ہاتھ سُستا لیتا۔ بائیں ہاتھ کے سُستا لینے کے بعد بائیں ہاتھ سے لکھتے اور داہنا ہاتھ سُستا تا رہتا۔ اگر وہ ایسا کرتے رہے تو ایک وقت بہت جلد آجائے گا جب لکھنے کے لئے اُن کے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا اور ہاتھ تھکے ہوئے نہیں ہوں گے۔

پتنی کو جب یہ معلوم ہوا کہ رگھوور پرساد دونوں ہاتھ سے لکھ سکتے ہیں تو اُس نے یکبارگی پتی سے پوچھا، ''کیا تمہارے ہاتھ میں چھ انگلیاں ہیں۔''

''نہیں، پر تم نے یہ کیسے سوچا کہ میری چھ اُنگلیاں ہیں۔''

''تم دونوں ہاتھ سے لکھتے ہو اس لئے پوچھا۔''

''دونوں ہاتھ سے لکھنے والے کے ہاتھوں میں چھ چھ اُنگلیاں ہونی چاہئے؟''

''نہیں، پر مجھ کو لگا'' پتنی نے رگھوور پرساد کی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے گالوں پر رکھتے ہوئے کہا۔

''میرے پاؤں کی انگلیوں کو دیکھو'' پتنی نے کہا۔

''کیا چھ انگلیاں ہیں؟''

''دیکھو تو!''

''ٹھیک تو ہے'' پتنی کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت پاؤں تھے۔ انگوٹھے کے

ں ایک انگلی کے لائق اور جگہ تھی۔ ''کیا ایک اُنگلی اور تھی جو کٹوالی؟'' ''جگہ ہے، پر اُنگلی نہیں نکلی''

''پانچ تو ٹھیک ہیں۔ میری پانچ انگلیوں کے بعد کتنی جگہ ہے پر چھٹی نہیں نکلی۔'' کہہ کر گوبر پرساد نے اپنے ہاتھ کی ایک انگلی انگوٹھے کی خالی جگہ کے پاس رکھ دی۔

پتنی نے پاؤں کی انگلی سے رگھوور پرساد کی ہاتھ کی انگلی کو زور سے پکڑا۔

''اچھا چھوڑ دو۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔ پتنی نے چھوڑ دیا۔ ''ارے'' کہہ کر پتنی نے رگھوور پرساد کے پاؤ چھوئے۔

''کیا ہوا'' انہوں نے پوچھا۔ ''تم کو پاؤ لگ گیا تھا'' رگھوور پرساد مسکرائے۔ ایسے کتنی بار تمہارا پاؤں مجھ کو لگتا ہوگا تب تو تم پاؤ نہیں چھوئی۔''

''کئی دن بعد بھی ایک بار پاؤں چھولو تو پہلے کا حساب پورا ہو جاتا ہے'' شرما کر پتنی نے کہا۔

''کیا تم کو معلوم ہے جامُن میں بھی پھول آتے ہیں؟'' رگھوور پرساد نے پوچھا۔

''ہاں''

''مجھ کو معلوم نہیں تھا۔ میں سوچتا تھا جامُن میں سیدھے پھل لگتے ہیں۔''

''کیا تم نے اس سال جامُن کے پھول کو دیکھا ہے؟''

''ہاں تمہارے آنے کے دو تین دن پہلے۔ اب چھوٹے چھوٹے پھل آگئے ہیں''

''میں نہیں دیکھی۔''

''کسی پیڑ میں ڈھونڈ کر دیکھیں گے، شاید ابھی پھول پھل نہیں بنے ہوں۔ جامن کے سیدھے پھل پر دھیان جاتا ہے۔ پھول پر نہیں۔''

''امتحان میں سیاہی یا قلم بدلتے وقت نگراں سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ یہ نت ضابطہ تھا۔ تب نگراں کو جواب کی کاپیوں پر لکھنا پڑتا تھا کہ سیاہی یا قلم بدلنے کی اجازت دی گئی

ہے۔امتحان دہندہ بائیں ہاتھ سے لکھے یا داہنے ہاتھ سے،اس کی آزادی تھی۔رگھوور پرساد کے بائیں ہاتھ کی تحریر اور داہنے ہاتھ کی تحریر میں فرق نہیں تھا۔بہت غور سے دیکھنے پر فرق معلوم ہوتا تھا۔یہ فرق اسی طرح تھا جیسے گنیش جی کی تصویر کو بائیں طرف سے دیکھو پھر داہنی طرف جا کر دیکھو۔پاس کسی کرسی کو بائیں طرف سے دیکھو یا داہنے طرف سے کرسی میں فرق نہیں ہوتا تھا۔رگھوور پرساد جب پڑھتے تھے تب ان کی امتحان کی موقع پر ہاتھ بدلنے کی اجازت لینی پڑتی تھی۔تب وہ کھڑے ہو جاتے ہوں گے۔

''کہیے!''

''سر!''اب میں داہنے ہاتھ سے لکھنا چاہتا ہوں''

''پہلے کیا بائیں ہاتھ سے لکھ رہے تھے!''

''جی سر''

''کیا بایاں ہاتھ ٹوٹ گیا؟''

''نہیں سر!ہاتھ ٹھیک ہے،پر تھک گیا ہے''نگراں کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا ہوگا۔

''آپ داہنے ہاتھ سے بھی لکھ سکتے ہیں؟''

''جی سر''زیادہ بات کرنے سے امتحان کا وقت ضائع ہوتا ہے اس لئے وہاں ان سے زیادہ بحث نہیں کی تھی۔

''ابھی آپ کچھ دیر بائیں ہاتھ سے لکھئے میں نگراں اوّل سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔''کہہ کر وہ ساتھی نگراں سے اجازت لے کر نگراں اوّل کے پاس گئے ہوں گے۔

''ایک امتحان دہندہ بائیں ہاتھ سے لکھتے لکھتے اب داہنے ہاتھ سے لکھنے کی اجازت چاہ رہا ہے۔اجازت دے دیں؟''

''بائیں ہاتھ سے لکھتے لکھتے داہنے ہواتھ سے کیوں لکھنا چاہتا ہے؟''

''کہتا ہے بایاں ہاتھ تھک گیا ہے اسلئے داہنے ہاتھ سے لکھے گا''

''جو داہنے ہاتھ سے لکھتے ہیں وے تو داہنے ہاتھ سے ہی لکھتے رہتے ہیں۔ہاتھ

تھک جاتا ہے تب بھی داہنے ہاتھ سے لکھتے رہتے ہیں۔ میں برسوں سے داہنے ہاتھ سے لکھ رہا ہوں۔''

''میں بھی داہنے ہاتھ سے لکھتا ہوں۔ داہنے ہاتھ میں چوٹ لگ جائے تو بھی داہنے ہاتھ سے ہی لکھنا پڑے گا''

''نہیں تو امتحان نہیں دے پاتے۔ بائیں ہاتھ کے بعد داہنے ہاتھ سے کیسے لکھا جاسکتا ہے؟''

''جن کے ہاتھ نہیں ہوتے وہ پاؤں سے لکھ لیتے ہیں''

''ہاتھ سے لکھنے اور پاؤں سے لکھنے میں یہ پہچان میں آتا ہوگا سر! کہ یہ ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور یہ پاؤں سے'' جیسے ہاتھ پہچان میں آجاتا ہے کہ ہاتھ ہے اور پاؤں پہچان میں آجاتا ہے کہ پاؤں ہے۔''

''منہ سے برش پکڑ کر تصویر بنانے کے بارے میں پڑھا ہے۔ منہ سے بنائی کوئی جھونپڑی ہو تو جھونپڑی دیکھ کر یہ کیسے پتہ چلے گا کہ یہ منہ سے بنی جھونپڑی ہے اور یہ ہاتھ سے۔''

''شاید منہ سے اچھی نہ بنتی ہو۔''

''ہاتھ سے بھی خراب بنتی ہے۔''

سچ مچ کی جھونپڑی منہ سے اچھی نہیں بنے گی۔ امتحان دہندہ تو وہی ہے چاہے وہ بائیں ہاتھ سے لکھے یا داہنے ہاتھ سے چاہے نہ لکھے اسے اجازت دے دیجئے۔'' اور رگھوور پرساد کو امتحانات میں دونوں ہاتھ سے لکھنے کی اجازت مل جاتی ہوگی۔ رگھوور پرساد دوسرے لڑکوں سے زیادہ لکھتے ہوں گے۔ وہ پڑھنے میں ہوشیار تھے اور اچھے نمبروں سے پاس ہوئے ہوں گے۔

رگھوور پرساد نے سادھو سے کہا۔ ''میرا چھوٹا بھائی آنے والا ہے کیا اُسے ایک دن ہاتھی پر بٹھا کر گھما دو گے؟'' رگھوور پرساد کی پتنی کا بھی من تھا کہ وہ ہاتھی پر بیٹھ کر

گھومے۔ اُنھوں نے پتنی کا نام نہیں لیا۔

''میں اچانک ایک دن چلا جاؤں گا'' سادھو کہے گا۔

''کیا ہاتھی پر جاؤ گے؟''

''ہاتھی اچانک ایک دن نہیں جا سکتا، وہ جس دن جائے گا روز کی طرح جائے گا۔''

''یہ تب کیسے ہوگا۔ تم ہاتھی پر سوار ہو گے۔ روز کی طرح جاتے ہاتھی پر سوار تم اکیلے اچانک کیسے جاؤ گے، ہاتھی کے ساتھ تم بھی روز کی طرح چلے جاؤ گے۔''

''ہاں میں ہاتھی پر سوار ہو کر اچانک نہیں جا سکتا۔''

''گھوڑے پر اچانک جا سکتے ہیں۔''

''گھوڑے پر تھوڑا اچانک جایا جا سکتا ہے۔ پورا اچانک نہیں۔ رات کے اندھیرے میں یا دن کے سنسان میں کچھ اچانک ہوا جا سکتا ہے۔ پر آج کل اندھیرا ایک دم اندھیرا نہیں ہوتا اور دن کا سنسان ایک دم سنسان نہیں۔ میں گھوڑے پر جاتا ہوا نظر آؤں گا گھوڑے کی ٹاپ کی آواز کھڑ کھڑ دور تک سنائی دیگی۔ جتنا سنسان دن اور رات میں ہوگا کھڑ کھڑ اُتنی دور تک سنائی دیگی۔ پھر جانا نظر آئے گا۔''

''ہاتھی تو دبے پاؤں چلتا ہے، دوڑے گا تو دبے پاؤں۔ اُس کے گلے میں گھنٹی نہیں ہے۔ اُس کے جانے کی آواز نہیں ہوگی۔''

''وہ اتنا بڑا ہے کہ چھپ نہیں سکتا۔ وہ نظر آئے گا۔ گھوڑے کو کچھ چھپایا جا سکتا ہے۔ ہاتھی کو بالکل نہیں۔ پر گھوڑے کی آواز آڑ میں نہیں چھپتی۔ آڑ میں کھڑے رہیں گے تو کبتک رہیں گے اور جانا کیسے ہوگا۔''

''بھیس بدل کر اچانک نہیں جا سکتے۔ کوئی نہیں پہچانے گا اور لگے گا کہ تم اچانک چلے گئے۔''

''میں اپنا بھیس بدل لوں گا، پر گھوڑے اور ہاتھی کا بھیس کیسے بدلوں گا؟''

''ہاں گھوڑے کا بھیس نہیں بدل سکتے، ہاتھی کا بھی نہیں۔ آدمی داڑھی مونچھ منڈوا کر بدل جائے گا۔ کپڑے بدل لیتا ہے تو بھیس بدل لیتا ہے۔ جوان بوڑھا ہو سکتا ہے۔ لنگڑا، لولا، اندھا بن کر بھیس بدل سکتے ہیں۔''

''اچھا ہوتا کہ ہاتھی کو اُونٹ بنا کر کچھ دور تک جاتے، پھر بیل بنا کر بیل گاڑی میں چلے جاتے۔ ہاتھی کو بہت چھوٹا ہاتھی بنا کر جھولا کے اندر رکھ کر ریل گاڑی بس سے اچانک چلے جاتے۔'' ''گھنے جنگل میں وہ چھپ سکتے ہیں۔''

''ہاں، پر مجھے چھپ کر بنارس جانا ہے تو میں جنگل میں ہاتھی سمیت چھپ جاؤں گا۔ جنگل میں بنارس کی طرف چلتا رہوں گا۔ جنگل تو تھوڑی دور اتنا بڑا ہے۔ بنارس تک اتنا بڑا نہیں ہے۔ جنگل کے بعد گاؤں شہر یا کھلا میدان ہوگا تب نہیں چھپ سکوں گا۔ جنگل میں چھپ کر بنارس تک جانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ جنگل بھی ساتھ ساتھ بنارس چلے اور جنگل کے اندر ہاتھی چلتا رہے۔''

''تم بھیس بدل پھر ہاتھی پر بیٹھ کر چلے جانا۔ لوگ سوچیں گے کہ ہاتھی پر کوئی دوسرا چلا گیا۔''

''پتنی کھانا بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ رگھوور پرساد دروازہ کھول کر باہر کھڑے تھے۔ صدرِ شعبہ کرتا دھوتی پہنے اسکوٹر کو ہاتھ سے ٹھیلتے ہوئے آ رہے تھے۔ یہ دیکھ رگھوور پرساد اُن کے پاس گئے۔

''کیا ہوا سر؟''

''چالو کرتے کرتے تھک گیا۔ چالو نہیں ہوئی۔ آگے مستری کی دکان ہے؟''

''ہاں ہے نا آئیے پہلے چائے پیجیے۔''

''چائے نہیں، پانی پیوں گا۔''

''اچھا آئیے۔''

''صدرِ شعبہ سامنے برآمدے میں کھڑے رہے۔ رگھوور پرساد نے پتنی کو آواز

دی۔ پتنی کمرے میں نہیں تھی۔ کہاں گئی! لگتا ہے کھڑکی سے اُس پار چلی گئی۔

''آئے سر! اُدھر چلئے۔''

''کدھر''

''کھڑکی کے اس طرف۔ چپل اتار دیجئے۔''

''صدرِ شعبہ چپل اتار کر رگھوور پرساد کے پیچھے پیچھے کمرے میں آئے۔ رگھوور پرساد تیزی سے کھڑکی سے کودے۔ صدر شعبہ نے کھڑکی سے آتی ہوئی ٹھنڈی ہوا کو محسوس کیا۔ جنگلی پھولوں کی آتی بو تھی۔ صدر شعبہ جیسے ہی نیچے اُترے چڑیوں کے شور کو انہوں نے سُنا۔ آسمان صاف تھا سورج تھا پر اتنی گرمی نہیں تھی۔ دونوں ننگے پاؤں تھے۔ پگڈنڈی تھی۔ پگڈنڈی کو گوبر سے لیپ دیا گیا تھا۔

''آئے سر!'' کہتے ہوئے وہ گوبر سے لیپی ہوئی پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ صدر شعبہ کو لگا کہ انہوں نے لمبی دم والی شاہ بُلبُل کو دیکھا ہے۔

''بڑی اچھی جگہ ہے رگھوور پرساد'' صدر شعبہ بہت خوش ہوئے۔

''جی سر! اس طرف کچھ دوری پر تحصیل آفس ہے اور اس طرف بالکل قریب بَس اسٹینڈ ہے۔'' رگھوور پرساد نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو بتایا۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے، لڑکیاں آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ پھٹی قمیص پہنے ایک چھوٹے جامن کے پیڑ کے نیچے چھُپا ہوا تھا۔ بچے ادھر اُدھر دکھائی دے جاتے تھے۔ تین پیڑوں کی آڑ میں چھپے تین بچے تھے۔ چلتے چلتے ایک پتلی چھوٹی ندی ملی۔ ندی کا پانی بالکل چھچھلا تھا لیکن صاف اور ٹھنڈا۔ چھوٹے سے چھوٹا بچہ اس میں ڈوب نہیں سکتا تھا۔ پانی اتنا صاف تھا کہ پانی کے نیچے چھوٹے بڑے پانی کے تراشے ہوئے طرح طرح کے گول پتھر نظر آرہے تھے۔

''آپ پانی پینا چاہیں تو یہاں سے پی لیں، صاف پانی ہے''۔ ندی میں ایک بہت چھوٹی بچّی صرف چڈی پہنے کھڑی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا۔ صدر شعبہ پانی پینے اُترے۔ تیز بہت ٹھنڈے پانی کا احساس پاؤں کی ہوا۔ وہ اُکھا گئے۔ جھُک کر چلّو سے

پانی لے کر انہوں نے بھر پیٹ پانی پیا۔ ایک آم کا پیڑ جس میں منجر پہلے آ گیا تھا اُس کی ڈالوں کی پھنگیوں میں گُچھے گُچھے میں آم لٹکے ہوئے تھے۔ اس پیڑ کے نیچے پتنی آم چن رہی تھی اور آنچل میں رکھتی جا رہی تھی۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''چٹنی کے لئے آم چن رہی تھی۔''

''صدر شعبہ آئے ہیں'' تب تک صدر شعبہ پانی پی کر ان کے پاس آ گئے تھے۔ آنچل میں رکھے آموں کو کمر میں کھونسکر اُس نے صدر شعبہ کی نمسکار کیا۔ صدر شعبہ نے من میں سوچا رگھوور پرساد کی پتنی کتنی خوبصورت ہے۔

''تم جا کر کھانا بناؤ ہم لوگ چائے یہاں بوڑھی اماں کی دکان سے پی لیتے ہیں۔''

''آئے سر!'' رگھوور پرساد دوسری پگڈنڈی کی طرف بیٹھ گئے۔ یہ پگڈنڈی بھی گوبر سے لیپی تھی۔ پگڈنڈی میں کہیں کہیں گوبر کی پپڑی کے نیچے سے ہرے دُوب کے گچھے نکل آئے تھے۔ یہ دُوب کے گچھے پوری پگڈنڈی پر پاؤں رکھنے کے لئے ہرے مخمل کے ٹکڑے کی طرح لگ رہے تھے۔ اس طرح ہوا میں نمی تھی۔ پگڈنڈی کے بائیں طرف پگڈنڈی کے ساتھ ساتھ چٹانیں تھیں۔ انہیں چٹانوں کے بیچ سے اوپر سے کہیں پانی پھوٹ کر بہہ رہا تھا اس کی تیز آواز آ رہی تھی۔ آگے ایک برگد کے پیڑ کے سامنے میں چار بلّی گاڑ کر بانس کھپچی پر منجرا ڈال دیا گیا تھا۔ برگد میں چھوٹے چھوٹے لال پھل لگے تھے۔ زمین پر پھل بکھرے پڑے تھے۔ ایک بڑا کالے مُنھ کا بندر پیڑ پر بیٹھا ہوا چُن چُن کر برگد کے پھل کھا رہا تھا۔ جب یہ لوگ چائے کی دکان پر پہنچے تو کونے میں چھپا ہوا کالے مُنھ کا ایک بڑا بندر صدر شعبہ کے پاس سے اپنی لمبی دم اُٹھائے تیزی سے نکلا اور بھاگتا ہوا برگد کے پیڑ پر چڑھ گیا۔ چھوٹی سی چائے کی دکان تھی۔ چولھے پر چائے بنتی تھی۔ بوڑھی اماں چاول پچھور رہی تھی۔ ''بوڑھی اماں دو چائے بنا دو'' سامنے بڑے بڑے پتھر رکھے تھے اسی پتھر پر

دونوں بیٹھ گئے۔ بوڑھی اماں نے چولھے میں لکڑی۔ چھپنا ڈال آگ کو پرچایا اور ایک چھوٹی المونیم کی پتیلی میں چمبو سے پانی ڈال کر چولھے پر چڑھایا۔ بوڑھی اماں کالے رنگ کی تھی۔ پورے سفید بال تھے، چہرا گہری جھرّیوں سے بھرا تھا۔ جھرّیاں لکیروں جیسی تھیں دو کپ میں اماں نے چائے دی۔ ایک کپ کی ڈنڈی ٹوٹی تھی۔ اس ٹوٹے کپ کو رگھوور پرساد نے اپنے لئے رکھا۔ چائے میں دُھوائن مہک تھی۔ پر چائے اچھی تھی۔ صدر شعبہ کو چائے بہت اچھی لگی۔

رگھوور پرساد کی کھڑکی کے نیچے تین پگڈنڈیاں آ کر رکھی تھیں۔ کھڑکی سے کمرے کے اندر پہلے رگھوور پرساد گھسے۔ اس کے بعد صدرِ شعبہ نے پلٹ کر کھڑکی سے سر نکال کر گہری سانس کھینچی اور کمرے کے اندر ہو گئے۔

''بڑی سندر جگہ ہے رگھوور پرساد! یہ جگہ مجھے معلوم نہیں تھی''

''جی سر! میں بھی نہیں جانتا تھا۔ شادی کے بعد یہاں آیا تب تھوڑا معلوم ہوا۔ سونسی کے آنے کے بعد ٹھیک سے معلوم ہوا۔

''سونسی کون؟'' صدرِ شعبہ نے پوچھا۔ سنکر پتنی مسکرائی۔

''میری پتنی سر!'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''میں جاتا ہوں۔ اسکوٹر بنوانا ہے۔ تم تو ہاتھی سے جاؤ گے۔

''آپ بھی چلے چلئے دو آدمی اس پر اچھے سے بیٹھ سکتے ہیں۔''

''میں کیوں جاؤں گا'' صدرِ شعبہ نے جواب دیا۔ سُن کو پتنی نے سوچا کہ صدرِ شعبہ کا مطلب رہا ہوگا۔ ''آپ کا ہاتھی ہے۔ آپ جائے۔ میرا جانا مناسب نہیں ہوگا۔''

''اسکوٹر یہیں کھڑے رہنے دیجئے۔ میں مستری کو بلا لاتا ہوں۔''

''نہیں میں بلا لاتا ہوں۔''

صدرِ شعبہ باہر آ کر ادھر اُدھر دیکھتے رہے۔ سڑک پر آ کر رگھوور پرساد کے گھر کے پیچھے کا اندازہ لگانے لگے۔ گھنے پیڑ دکھائی دے رہے تھے۔ اسکوٹر انہوں نے چالو کی تو چالو ہو

گئی۔ مستری بلانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اسکوٹر سے جاتے ہوئے بھی وہ رگھویر پرساد کے گھر کے پیچھے کی طرف دیکھتے رہے کہ شاید انہیں پیڑوں میں برگد، پھل نظر آئے۔ برگد کے نیچے کی بوڑھی اماں کی چائے کی دکان دِکھ جائے بہتی ہوئی پتلی سُندر ندی کا نظارہ ہو جائے۔ ایسا کچھ نہیں ہوا اور ایک گندا نالا انہیں دکھائی دیا جو انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ آج شام پتنی، بچوں کے ساتھ اس طرف آئیں گے۔

دوسرے دن چھٹی تھی۔ شام کو صدر شعبہ رگھوور پرساد کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہے پر کوئی نہیں سن رہا تھا۔ صدر شعبہ اپنے بچوں اور پتنی کے ساتھ تھے۔ دونوں بچے اسکول میں تھے۔ لڑکی دس گیارہ سال کی تھی اور لڑکا آٹھ سال کا۔ پتنی سر پر آنچل ڈالے صدر شعبہ کے ساتھ کھڑی تھی۔ دروازے کے کھٹکھٹانے سے ایک کے بعد ایک دونوں بازو کے دروازے کھلے۔ داہنے ہاتھ کی طرف کی پڑوسن نے پوچھا ''نہیں سن رہے ہیں؟'' ''ہاں'' صدر شعبہ نے کہا۔ صدر شعبہ تھکے سے تھے جیسے بہت دیر تک پیدل گھومتے رہے ہوں۔ پورا خاندان تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ صدر شعبہ کی پتنی بہت دُبلی پتلی تھی۔ شاید زیادہ تھک گئی تھی۔ چھوٹی لڑکی تھالی پر چار گلاس پانی لیکر آئی۔ دوسرے بازو کی پڑوسن بھی ہاتھ میں دو گلاس پانی لیکر آئی تھی۔ لڑکی کو پانی لاتے دیکھ کر ہنسکر وہ اپنے دروازے کے پاس کھڑی ہوگئی۔ چاروں نے گلاس خالی کر دیا تو بچوں سے پوچھا ''اور پانی پیو گے؟''

''نہیں'' دونوں بچوں نے کہا۔ گلاس لئے وہ مسکراتے ہوئے چلی گئی۔ خالی گلاس تھالی پر اکٹھا کرتے ہوئے لڑکی نے کہا ''کھڑکی سے پیچھے چلے گئے ہوں گے اس لئے نہیں سن رہے ہیں۔''

''صدر شعبہ نے اپنی پتنی کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہ جھوٹ نہیں کہہ رہے تھے۔ پتنی نے صدر شعبہ سے لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ان کی کھڑکی سے پیچھے کی طرف جاسکتے ہیں کیا ذرا پوچھ کر تو دیکھو' میں نہیں پوچھتا۔ صدر شعبہ نے کہا۔ پھر اُنہوں نے بچوں سے کہا ''چلو کل چھٹی ہے کل پھر آئیں گے۔'' ''رُکو'' کہہ کر صدر شعبہ داہنے

طرف سے مکان کے پیچھے کی طرف گئے تو اُنہیں ایک طرف تین پاخانے دکھائی دیئے پھر دوسری طرف گئے۔ وہاں پیچھے جھانکا تو گھورا تھا۔

صدر شعبہ جب اسکوٹر پر بیٹھ رہے تھے تو انہوں نے پتنی سے کہا، ''ندی کا پانی اور ٹھنڈا تھا'' ''گلاس کا پانی بھی ٹھنڈا تھا'' لڑکی نے کہا۔

''ہاں، ندی کا پانی ہوگا'' لڑکے نے کہا۔

اسکوٹر پر جب صدر شعبہ بیٹھ رہے تھے تو لڑکی نے پتا سے پوچھا، ''کالے منہ کا بندر تھا یا لال منہ کا''

''کالے منہ کا۔ اس طرف لال منہ کے بندر نہیں ہوتے۔''

''بندر نچانے والے لال منہ کے بندر نچاتے ہیں۔''

''لال منہ کے بندر چھوٹے اور ہوشیار ہوتے ہوں گے اس لئے لال منہ کے بندر نچاتے ہیں۔''

صدرِ شعبہ دوسرے دن صبح اکیلے گوبر سے لیپی پگڈنڈی ڈھونڈنے نکلے۔ وہ تحصیل آفس کی طرف گئے۔ وہاں جدھر زیادہ پیڑ دکھائی دے رہے تھے اُدھر گئے۔ پھر بَس اسٹینڈ گئے۔ بس اسٹینڈ کے آس پاس اتنی گندگی تھی کہ وہاں اُس جگہ کو ڈھونڈنے کا مَن نہیں ہوا۔ لَوٹ کر وہ رگھوور پرساد کے گھر گئے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ دروازہ کھٹکھٹاتے رہے۔ آس پاس کوئی نہیں نظر آرہا تھا۔ چھٹّی کا دن ہے، ہوسکتا ہے بھی اپنی اپنی کھڑکی سے کود کر پیچھے چھٹّی منانے چلے گئے ہوں۔ بائیں طرف کے کمرے سے ایک آدمی نکلا۔ اُس نے صدر شعبہ کو پریشان دیکھا۔ ''کیا ہے؟'' اُس نے پوچھا۔ وہ اپنی کھڑکی سے کود کر پیچھے جانے والا ہوگا کہ اُسے سانکل کی آواز سنائی دی ہوگی اور لوٹنا پڑا ہوگا۔ اس لئے چڑھ گیا۔

''رگھوور پرساد کہاں ہے؟''

''معلوم نہیں''

''دروازہ اندر سے بند ہے''

''اندر ہوں گے''

''کوئی جواب نہیں دیتا''

''گہری نیند سو رہے ہوں گے'' اُس نے کہا۔ اور دروازہ بند کرلیا۔ داہنے طرف کے کمرے سے بھی وہی چھوٹی لڑکی آگئی جو تھالی میں پانی کا گلاس لائی تھی۔ صدر شعبہ کو دیکھ کر لڑکی اندر جانے کے لئے پلٹی تو صدر شعبہ نے اُسے روکا ''کہاں جارہی ہو؟''

''پانی لانے''

''میں پانی نہیں پیوں گا۔ تم رگھوور پرساد کو بُلا دو'' صدر شعبہ چاہتے تھے کہ لڑکی اپنے گھر کی کھڑکی سے باہر نکلے اور اگر رگھوور پرساد کمرے میں سو رہے ہوں تو اُن کی کھڑکی سے آواز دے کر اُٹھا دے۔

''وہ تو نہیں ہیں'' لڑکی نے جواب دیا۔

''دروازہ تو اندر سے بند ہے۔ کہاں چلے گئے؟''

''کھڑکی سے پیچھے چلے گئے''

''اچھا پیچھے چلے جاتے ہیں۔ صدر شعبہ نے بڑبڑایا''

وہ اسکوٹر کی طرف بڑھتے تو انہیں دھیان آیا کہ لڑکی سے کہیں کہ انہیں بھی پیچھے رگھوبیر پرساد کے پاس جانا ہے۔ کہنے کے لئے وہ پلٹے تو دراوازہ بند تھا۔ تینوں دروازے بند تھے۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی اب ان کی خواہش نہیں ہوئی وہ بہت مایوس ہوئے۔ پیچھے کی خوش منظری کا انہیں بچوں اور پتنی کے سامنے ایسی وضاحت نہیں کرنی تھی۔ بچے ان سے جاتے ہی پوچھیں گے ''برگد کا پیڑ ملا؟ ندی ملی؟ بندر ملا؟ بوڑھی اماں کی چائے پی؟ پگڈنڈی گوبر سے لیپی تھی؟ بچے پھگڑی کھیل رہے تھے؟

پتنی پوچھے گی۔ جھڑے ہوئے آم چن کر لے آتے تو چٹنی بن جاتی؟'' تب وہ کہیں گے کہ بہت ڈھونڈا اور وہ جگہ نہیں ملی۔ تحصیل آفس کی طرف سے، بس اسٹینڈ کی طرف سے ڈھونڈا۔ بچے پھر اور کچھ پوچھیں گے تو وہ چڑ چڑا جائیں گے۔ اچھا اب تم لوگ

اپنا کام کرو۔ کسی کے گھر کی کھڑکی کو راستہ بنانا ٹھیک نہیں ہے، راستہ مل جائے گا تو جائیں گے۔ زیادہ باغیچہ گھومنے کا من ہے تو میونسپلٹی کا باغیچہ شام کو چلے جانا۔"

چھٹی کا دن تھا۔ سویرے سے رگھوور پرساد اور سونسی کھڑکی سے کود کر پیچھے گئے۔ رگھوور پرساد کے ہاتھ میں ایک لوہے کی بالٹی تھی، جس میں دھونے کے کپڑے تھے۔ سب سے اوپر صابون کی ایک نئی ٹکیہ تھی۔ دونوں ننگے پاؤں تھے گنگا املی کے پیڑ کے تھوڑی دور سے ہوکر پگڈنڈی بنی تھی۔ پیڑ کے نیچے کانٹے جھڑتے تھے اس لئے گنگا املی لال پک گئی تھی۔ بہت سے طوطے ڈالوں کے اوپر نیچے لٹکے اسے کھا رہے تھے۔ کھاتے کھاتے چونچ سے پھل ٹپک جاتا تھا، جسے بچے چن لیتے تھے۔ پتنی نے زمین سے اُٹھا کر کچا پھل کھایا۔ ایک ٹکڑا اُس نے رگھوور پرساد کو دیا۔ اِدھر مہوا کے پیڑوں کی قطار تھی۔ مہوا کے سفید پھول نیچے ٹپکے پڑے تھے۔ مہوا کی قطار کے ساتھ ساتھ گہری کیف آگیں خوشبو کی ہوا میں قطار تھی۔ پگڈنڈی پر چلتے ہوئے اُسی کیف آگیں خوشبو کی گہری سانس لیتے ہوئے دونوں جا رہے تھے۔

"بوڑھی اماں کی چائے پیو گی؟"

"کپڑے دھولوں۔"

ندی میں کپڑے دھوتے، نہاتے نہیں بنتا تھا کم گہری بہتے موٹے تَل کی ندی تھی۔ کئی تلوں کی سطحوں سے ندی گہری ہوتی ہے۔ اس ندی کا تل تھا پر تل گہرا نہیں تھا۔ برسات میں بھی اس میں باڑھ نہیں آتی تھی۔ اور ندی کا پانی برسات میں بھی خاک آلودہ نہیں ہوتا تھا۔ سبھی تالابوں کا پانی زمین کے سطح کے موافق تھا پر تالاب گہرے تھے۔ یہ ساری جگہ رگھوور پرساد کے من کی جگہ تھی۔ گوبر سے لیپی پگڈنڈی من کی پگڈنڈی تھی۔ صاف ستھرا آسمان، اڑنے کے لئے من کا آسمان تھا۔ ایک تالاب کے پتھر کے اوپر پتنی جا کر کھڑی ہوگئی۔ وہ تن کر اس طرح کھڑی تھی کہ اُس کے بھرے ہوئے کولھے اور چھوٹے لگ رہے تھے۔ رُکے ہوئے پانی میں صرف اعضا کے عکس میں لرزش تھی۔ یا پانی میں لرزش تھی۔ یہ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ہوسکتا ہے اعضا میں لرزش ہو تو پانی میں اعضا کے عکس میں لرزش ہوئی نہ ہو

اور عکس کی لرزش سے پانی میں۔ پتھر پر کڑی وہ اتنی دلکش اور پیدا شدہ ٹھوس تھی کہ لگتا تھا کہ ایک بھی قدم آگے بڑھائے گی تو تالاب کا سارا پانی ایک اُچھال لے گا۔ فی الحال دل میں اضطراب کے پتھر کے گڑے مجسمے کا ٹھوس پن دور سے اور گرم لگتا تھا۔ جب اس نے ساڑی کو جانگھ تک کھونسا تو لگا کہ پتھر چاند کا ہوگا یا سیارہ زہرہ کا اگر چاند کا ہوگا تو رنگ پتھر کا ایسا ہی تھا جیسے چاند صبح دور سے نظر آتا ہے۔ تبھی رگھوور پرساد زور سے چلائے۔

''سونسی! دیکھو تو میرے کاندھے پر کوئی چڑیا بیٹھی ہے کیا؟'' پتنی نے مُڑ کر دیکھا کہ ایک چھوٹی سی گہرے نیلے رنگ کی چمکتی پھول چُکی چڑیا تھی۔ شکر خور۔

''پھول چُکی ہے'' سونسی نے کہا۔

''میرے کاندھے پر کیوں بیٹھی ہے؟''

''تم جانو۔''

''اب یہ چڑیا تمہارے پاس آ رہی ہے'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''اچھا'' سونسی نے کہا اور راستہ دیکھنے لگی۔ رگھوور پرساد نے سوچا تھا کہ چڑیا پتنی کے پاس چلی جائے گی۔ چڑیا نہیں گئی۔ لمحہ بھر رُک کر وہ آہستہ آہستہ خود پتنی کے پاس جانے لگے۔ اس طرح ان کے کاندھے پر بیٹھی چڑیا بھی ان کے ساتھ ساتھ پتنی کے پاس جانے لگی۔ پتنی نے چہک کر رگھوور پرساد سے کہا'' تمہارا رنگ پھول چُکی کے جیسا ہے۔ رگھوور پرساد جیسے جیسے پتنی کے پاس بڑھتے جاتے تھے، چڑیوں کا شور بڑھتا جاتا تھا۔ بندروں کی کہیں دور ہُپ! ہُپ! ہُپ سنائی دے رہی تھی۔ کہیں بالکل پاس ہاتھی کے چنگھارنے کی آواز بھی سنائی دی۔ رگھوور پرساد کے پاؤں کے ہلکے سے دھکے سے کپڑے سے بھری بالٹی لڑھک گئی اور صابون کی نئی ٹکیہ ''ریپر'' سے لپٹی تالاب کے اندر چلی گئی۔ رگھوور پرساد کو لگا کہ انہوں نے صابون کی ٹکیہ پانی کے اندر جاتے دیکھا۔ پر وہ بھول گئے۔ پتنی کو پکڑے ہوئے پاس ایک اونچی سوکھی جگہ پر وہ آ گئے۔ ایک چارپائی اتنی جگہ، گوبر سے لپی تھی۔ سفید چھوٹی مٹی کی ڈھول سے ادھر اُدھر رنگولی ڈالی گئی تھی جہاں پتنی کا سر تھا وہاں سواستک

تھا۔ جہاں دونوں ہاتھ تھے وہاں چکر تھا جہاں پاؤں تھے وہاں شنکھ بنا تھا۔ کنول کے پھول کا مبارک نقش پتنی کے لیٹنے سے چھپ گیا تھا۔ تھوڑی دور پر ایک مچھلی بنی تھی۔ سناٹا تھا۔ شکر خور چڑیا رگھوور پرساد کی پیٹھ پر اوپر نیچے پھر پھراتے بیٹھی رہی تھی۔ پتنی کی نگاہ سامنے صبح کے سورج پر سے پھیل گئی تب بھی اُس کی آنکھ میں آنسو آ گئے۔ جب اس نے دوبارا آنکھ کھولی تو نگاہوں کے آب سے سورج بُجھ کر چاند ہو گیا تھا اور شام ہو گئی تھی۔ پھر رات ہو گئی وے اُٹھے تو ایسے اُٹھے جیسے دوسرے دن کی صبح تھی۔ شکر خور چڑیا اُڑ گئی تھی۔

پتنی نے کہا، ''دیر ہو گئی مجھے کپڑے دھونا ہے''

''صابون تو تالاب میں گر گیا ہے''

''ارے!'' کہہ کر پتنی تالاب کی طرف دوڑی۔ بالٹی کو اس نے سیدھا کیا۔ رگھوور پرساد کی قمیص باہر نکل کر پتھر پر پڑی تھی وہیں کنارے صابون کی ٹکیا تھی۔ ایک دم گیلی ہو گئی تھی۔

''صابون ہے'' پتنی نے کہا، پتنی نے ٹھہرے پانی میں دیکھا، اُس پانی میں اُلپنا کے سیوستک، شنکھ، چکر، مچھلی دیکھی چھوہی مٹی کی دھول کی رنگولی مچھلی تیر رہی تھی۔ اُسی نے تیرتے ہوئے صابون کو ٹکئے کو نکالا ہوگا۔ صابون دیکھ کر رگھوور پرساد حیرت زدہ ہو گئے تھے۔ ''شاید ایک بڑی مچھلی نے کھانے کی چیز سمجھ کر صابون کو پکڑا ہوگا پھر یہیں کنارے چھوڑ دیا ہوگا۔''

''ہاں، رنگولی کی مچھلی نے صابون کو نکالا ہوگا۔ الپنا کی مچھلی کو میں نے پانی میں تیرتے دیکھا ہے۔''

''اچھا!'' حیرت سے رگھوور پرساد نے کہا۔ انہوں نے تالاب کے پانی کو ایک ٹک دیکھا۔ انہیں الپنا کا بنا ہوا کنول نظر آیا۔

''مجھے کنول نظر آ رہا ہے'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''مجھے بھی نظر آ رہا ہے'' پتنی ڈھیر سے کھلے ہوئے کنول کو دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

''یہ سچ مچ کا کنول نہیں ہے'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''کون سا کنول!'' پتنی نے پوچھا۔

''یہ کنول اس جگہ گوبر سے لیپی جگہ پر بنا تھا۔

''مچھلی بھی وہی تھی۔''

''ہاں'' رگھوور پرساد نے کہا۔ وہ تالاب گھس کر نہانے لگے۔ نہانے کی پانی کی ہلچل میں تالاب کے کھلے ہوئے کنول دھیرے دھیرے ان دونوں کے چاروں طرف جمع ہو گئے پر لگتا تھا کہ جیسے اُن کے نہانے سے سفید کنول کے پھولوں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ اور پھولوں کی باڑھ ان کے قریب آنے لگی تھی۔ اتنے میں بوڑھی اماں چائے کے دو کپ لے کر آئی اور گوبر سے لیپی اُس جگہ پر لا کر رکھ دی جہاں الپنا مٹ گئی تھی۔ اُس نے وہاں سے آواز دی ''باہر آجاؤ کنول میں پھنس جاؤ گے۔''

دونوں باہر آ گئے۔ پتنی سے بالٹی سے ۔گری رگھوور پرساد کی قمیص سے اپنے بدن کو پونچھا۔ رگھوور پرساد نے بالٹی میں رکھی پتنی کی ساڑی سے جسم کو پونچھا۔ ٹوٹی کپ رگھوور پرساد نے لی۔ چائے پی کر پتنی کپڑے دھونے لگی۔ رگھوور پرساد کپ لے کر چلے گئے۔ پھر وہ بچّوں کے ساتھ گنگا املی توڑنے لگے۔

اُسی دن دوپہر کو رگھوور پرساد نے خوشی سے چلاّتے بچوں کی آواز سنی پھر انہیں لگا کہ بچّے آپس میں جھگڑ بھی رہے ہیں۔ انہوں نے کھڑکی سے جھانکا چار چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تھیں جس میں ایک گڑیا تھی۔ دو لڑکیاں اینٹ سے اینٹ رگڑ کر اینٹ کا لال چورا بچھے اخبار پر اکٹھا کر رہی تھیں۔ گڑیا اور دوسری لڑکی اینٹ پر چھوہی مٹی کا ڈھیلا رگڑ کر سفید چورا بنا رہی تھی۔ رگھوور پرساد نے پوچھا۔ ''ب میں چھوٹی اُو کی ماترا یا گ میں''

''رنگولی کس نے بگاڑ دی'' گڑیا نے کہا۔

''کون سی رنگولی؟''

''تالاب کے کنارے والی''

''میں نے نہیں بگاڑی۔ سونسی! ادھر آؤ!''

''کیا ہے''

''ان کی تالاب والی رنگولی کس نے بگاڑ دی ہے'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''میں نے نہیں بگاڑی'' سونسی نے کہا۔

''میں نے بھی نہیں بگاڑی'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''بوڑھی اماں کے بندر نے بگاڑی ہوگی۔ ایک لڑکی نے کہا جو ایک لال رنگ کا پھٹا لہنگا اور ہرے رنگ کا پولکا پہنے تھی۔

''ہاں! اس نے بگاڑی ہے'' سونسی نے کہا۔

''میں پھر بنا لوں گی'' گڑیا نے کہا۔

''ہاں'' سانسی نے کہا۔

''ہم پھر بگاڑ دیں گے'' آہستہ سے رگھوور پرساد نے پتنی سے کہا۔

پتنی نے رگھوور پرساد سے کہا۔ آج چھٹی ہے۔ کیا ہاتھی کی بھی چھٹی ہوگی، وہ کالج جائے گا۔ رگھوور پرساد نے سنا، ''کھڑکی سے اُس طرف ہمارا ہاتھی کیسے جائے گا؟''

''انہوں نے کہا، ''جائے گا نہیں تو کام کیسے چلے گا''

پتنی نے کہا، ''کھڑکی سے ہاتھی نہیں جا سکے گا۔''

''ہاں'' رگھوور پرساد نے کہا۔

پتنی نے سنا ''من کی کھڑکی سے ہاتھی کیوں نہیں جائے گا۔''

پتنی نے کہا، ''من کی کھڑکی اور بڑی ہوتی تو ٹھیک تھا۔ من کا ہاتھی بڑا ہے''

''تم اس کی چنتا مت کرو''

''میں چاہتی تھی کہ وہاں ہاتھی ہوتا۔ تم اس پر سواری کرتے۔ آم پک جائیں گے تو میں ہاتھی پر بیٹھ جاؤں گی۔ ہاتھی پر کھڑے ہو کر آم آسانی سے توڑ سکیں گے۔''

''تم کو آم کی پڑی ہے!''

''کیا ہوا! مفت میں آم مل جائیں گے ہاتھی بھی پیٹ بھر آم کھالے گا۔

''ایک ہی تو آم کا پیڑ ہے۔''

''بہت سے پیڑ ہوں گے۔ کیلے کا جنگل ہوگا۔ دروازہ کھول دیں گے تو ہاتھی کیلے کے جنگل کو کھڑکی کی ہوا سے سونگھ لے گا اور کھڑکی سے چلا جائے گا۔''

''کیسے جاسکے گا؟ کھڑکی کی دیوار توڑ کے جاسکے گا۔''

''مہاوت سے کہیں گے کہ وہ تحصیل آفس کی طرف سے یا بس اسٹینڈ کی طرف سے ہاتھی کو لے چلے۔'' رگھوور پرساد نے پھر کہا پر پتنی نے نہیں سُنا۔ اُسے لگا رگھوور پرساد نے کچھ نہیں کہا۔

رگھوور پرساد ہاتھی کا راستہ دیکھتے بیٹھے تھے۔ کالج جانے کا وقت ہو رہا تھا۔ ہاتھی آیا نہیں تھا۔ اُنہوں نے سڑک کے دونوں طرف دیکھا۔ ہاتھی دور تک نہیں نظر آرہا تھا۔ شاید سادھو بیمار ہو۔ یا سادھو ہاتھی پر بیٹھ کر کہیں چلا گیا ہو۔ اچانک نہیں گیا ہوگا۔ اچانک نہیں گیا تو بتا کر جانا تھا۔ وہ کمرے کے اندر گئے اور پتنی سے کہا، ''ہاتھی نہیں آیا اب میں ٹمپو سے جاؤں گا۔''

''ٹمپو سے تو جلدی پہنچ جاؤ گے۔ تھوڑا رُک جاؤ۔''

''کیوں؟''

''کل جو کپڑے دھوئے تھے، وہیں سوکھنے کے لئے جھاڑیوں پر ڈال دئے تھے۔ لانا بھول گئے۔ جاکر لے آؤ۔''

''ارے! کوئی لے کر تو نہیں جائے گا!''

''وہاں کون اُٹھائے گا۔''

''بندر اپنے پہننے کے لئے میری قمیص اور پینٹ لے جائیں گے۔''

''اُن کے ناپ کا نہیں ہے، جاؤ'' پتنی نے رگھوور پرساد کو کھڑکی کی طرف دھکا دیا۔

جوتے اتار کر رگھوور پرساد کو دے اور ننگے پاؤں دوڑتے گئے۔ جھاڑیوں میں پھنسے کپڑے سوکھ گئے تھے۔ ہوا سے اِدھر اُدھر ہو گئے تھے۔ کپڑے سمیٹ کر وہ لوٹے۔ بوڑھی اماں باہر چارپائی پر کپڑہ ڈالے بکری چوا رہی تھی۔ اچھی دھوپ نکلی تھی۔

''بوڑھی اماں! کپڑہ لینے آیا تھا'' چلّاتے ہوئے رگھوور پرساد نے کہا۔

''بوڑھی اماں نے سُنا'' بکری چواتے سونسی کو بھی بُلا لیتی'' یہ جملہ رگھوور پرساد کہنا چاہتے تھے پر دوڑتے ہوئے کہنا بھول گئے تھے جسے بوڑھی اماں نے سُن لیا تھا۔

رگھوبر پرساد جب کھڑکی سے اندر آئے تو پتنی نے رگھوور پرساد سے کہا۔

''ہاتھی آ گیا ہے!''، ''ارے'' رگھوور پرساد نے کہا۔ اُنہوں نے جلدی جوتے پہنے۔ ربڑ سول کے جوتے تھے، لیکن سادھو نے پتہ نہیں کیوں جوتا اتار کر ہاتھی پر بیٹھنے کو کہا۔ وہ جلدی جلدی جوتا اتارنے لگے۔ موزہ پہنے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ میں جوتا پکڑے ہوئے وہ ہاتھی کے پاس گئے۔ ہاتھی اُن کو دیکھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ہاتھی پر چڑھ کر اُنہوں نے سادھو سے پوچھا، ''کیا مجھ کو دیکھ کر ہاتھی بیٹھ گیا تھا؟''

''نہیں، میں نے بٹھایا تھا'' سادھو نے کہا۔ ہاتھی کالج کی طرف جا رہا تھا۔ پتنی کو دیکھنا وہ بھول گئے تھے۔

''پہلے تو میں جوتے پہن کر بیٹھتا تھا'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''میں ٹوکنا بھول گیا تھا''

''جوتے پہن کر نہیں بیٹھنا چاہئے۔ پر میرے جوتے میں نال نہیں ہے'' سادھو نے تب کچھ نہیں کہا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا، ''ہاتھی کا سمان کرنا چاہئے۔''

''ہاں، ہاتھی کا سمان کرنا چاہئے۔ تم کچھ اداس لگ رہے ہو۔'' رگھوور پرساد نے پوچھا۔

''ہاں مجھے جانا ہے اس لئے اداس ہوں۔''

''کتنے دن کے لئے جاؤ گے۔''

''کچھ دن کے لئے۔اس کے بعد میں آ جاؤں گا۔''

''کہاں جاؤ گے''

''گھر جاؤں گا''

''گھر میں کون ہے؟''

''سب ہیں، پتنی ہے''

''کب جاؤ گے؟''

''اچانک کبھی بھی۔ پر میں گھر لوٹ نہیں رہا ہوں۔ میں یہاں لوٹوں گا۔''

''کھڑکی سے آسمان نظر آتا تھا اس لئے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے بچے آسمان سے جھانکتے ہوئے لگتے تھے۔ وے چھوٹے چھوٹے دیوتا کی طرح کھڑکی سے کود کر اندر آنا چاہتے تھے۔ اینٹوں کا چبوترہ اُونچا نہیں تھا۔ بچے اتنے بڑے نہیں ہوئے تھے۔

پتنی سونسی لال رنگ کی ساڑی پہنی ہوئی تھی۔ ساڑی میں کھونچ لگ گئی تھی۔ نیچے کی چوکھٹ کا ایک کھیلا تھوڑا اُبھرا تھا، کھڑکی سے کودتے وقت ساڑی پھٹ گئی۔

''ساڑی پھٹ گئی'' رگھوور پرساد نے بتایا۔

''ہاں آج سی لوں گی۔''

رگھوور پرساد کھڑکی کے پاس آئے۔ اُبھرا ہوا کھیلا دیکھ کر اُنہوں نے اُس طرف کھڑے بچے کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''کیا کھیلا ٹھونکنے کے لئے ایک پتھر دو گے؟''

''ہاں'' لڑکے نے خوش ہو کر کہا۔ لڑکا ایک چھوٹا ٹکڑا اُٹھا رہا تھا۔

''اُسے نہیں۔ اُس کے پاس جو گول بڑا پتھر ہے اُسے۔'' رگھوور پرساد نے بتایا۔ دونوں ہاتھ سے پتھر اُٹھا کر لڑکا کھڑکی کے پاس آیا۔ باہر جھک کر رگھوور پرساد نے لڑکے کے ہاتھ سے پتھر لیا جب رگھوور پرساد کھیلا ٹھونک رہے تھے تب لڑکا کھڑکی سے الگ ہٹ گیا تھا۔

''اُسی جگہ رکھ دینا جہاں سے اُٹھائے تھے'' رگھوور پرساد نے لڑکے کو پتھر دیا۔ اُسی جگہ لڑکے نے پتھر رکھ دیا۔

''ٹھیک ہے'' رگھوور پرساد نے کہا۔ ''ٹھیک ہے'' کی شاباشی سے لڑکا خوش ہو گیا۔

بے موسم کی برسات نہیں ہوتی تھی۔ پر کھڑکی سے دور تک پیڑ دُھلے ہوئے۔ چمکیلے ہرے لگ رہے تھے۔ ماحول نہایا ہوا لگ رہا تھا دروازہ بند تھا۔ دروازے کے پاس کھڑے ہو کر لگ رہا تھا کہ دروازے کے پاس طوفان چل رہا ہے، تیز ہوا سے دروازہ ہل رہا تھا۔

''کیا باہر آندھی چل رہی ہے؟'' رگھوور پرساد نے پوچھا۔ پتنی نے کھڑکی کی طرف دیکھ کر کہا ''نہیں تو۔'' کھڑکی سے آسمان صاف نظر آرہا تھا۔ پیڑ آہستہ آہستہ ہلتے ڈولتے دِکھائی دے رہے تھے۔

''دروازہ کھول کر دیکھتا ہوں'' رگھوور پرساد نے دروازہ کھولا تو دروازہ جھٹکے سے کھل گیا۔ زور کی ہوا نے دھکا دیا تھا۔ زمین پر رکھا ہوا گلاس ہوا سے لڑھک گیا۔ دیوار میں لگا کیلنڈر کیل سمیت اُکھڑ گیا۔ کمرے میں دھول بھر گئی۔ اتنا سب ہوا جبکہ رگھوور پرساد نے فی الفور دروازہ بند کر دیا تھا۔ کھڑکی بند کرنے کی کسی کو یاد نہیں تھی۔ ضرورت بھی نہیں تھی۔ کھڑکی سے آہستہ آہستہ اچھی ہوا آرہی تھی۔ کھڑکی سے باہر شانت تھا۔

کمرے کے اندر دھول سے کھسکن بڑھ گئی تھی۔ پتنی جھاڑو لگانے لگی۔ ڈھیر سے دھول کونے میں جھاڑو سے اکٹھی ہوئی تھی۔ تھالی میں گُندھا ہوا آٹا تھا۔ گیلے فَریا کے ٹکرے سے ڈھکا تھا۔ اسلئے لگتا تھا کہ ریت دھول آٹے میں چپکی نہیں ہوگی۔ پھر بھی فریا کو جھٹکار کر تھالی کو پتنی نے پونچھا۔ تھوڑا آٹا انگلی میں لیکر اس نے چکھا۔ شاید آٹا کرکرا رہا تھا۔ ''اب؟'' پتنی نے پوچھا۔

''اوپر کا پرت بھر آٹا نکال کر روٹی بنانا'' رگھوور پرساد نے کہا۔ جب لگا کہ آندھی

تھم گئی تب کمرے کی دھول کو باہر جھاڑا گیا۔ تین دن تک جھٹکارنا پونچھنا چلا تب کمرے کی حالت ٹھیک ہوئی۔ پتنی کنگھا کرتے کرتے تھک گئی تھی۔ اُس کے بال لمبے اور گھنے تھے۔ بال سلجھ نہیں رہے تھے۔ شادی کے پہلے اُس کی ماں کنگھی کرتی تھی اب اُسے خود کرنا پڑ رہا تھا۔

آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گئے۔ لکڑی کا چوڑا کنگھا تھا۔

''اتنا بڑا کنگھا ہے'' پتنی نے کہا۔

''لاؤ میں کنگھا کر دوں۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''تم سے نہیں بنے گا''

''بن جائے گا'' رگھوور پرساد پتنی کے پیچھے بیٹھ گئے۔ انہوں نے پتنی کے بالوں کو اپنی گود میں رکھ لیا۔ وہ اوپر سے بالوں کو سلجھا رہے تھے۔ دھیرے دھیرے کنگھی کر رہے تھے تب بھی بال کھنچ آتے تھے۔ سونسیالوں کو سر کے پاس ہاتھوں سے دبائے ہوئے تھی۔ اُس کی آنکھ میں آنسو آ گئے۔

''لگتا ہے'' پتنی نے کہا۔

''رہنے دو تمہیں کنگھی کرو، رگھوور پرساد نے کہا۔

''تم تالاب میں ڈبکی لگا کر جیسے ہی سر اوپر نکالا کرو تو بالوں کو پیچھے جھٹکار لیا کرو۔ پھر سمیٹ کر جوڑا بنا لیا کرو اس سے بال الجھیں گے نہیں۔ رگھوور پرساد نے پھر کہا۔

''کون بتایا؟''

''کسی نے نہیں۔ پانی کے اندر بال سلجھ کر تیر جاتے ہیں۔''

''بہت بال ٹوٹ گئے'' کنگھی سے بال نکالتے ہوئے پتنی نے کہا۔

''علی الصباح نہانے کے لئے تالاب جاتے وقت پتنی نے کہا'' میں دو تین دن بال گیلے نہیں کروں گی۔ چوٹی نہیں کھولوں گی۔'' وہ کنگھی کرنے سے بچنا چاہتی تھی۔

''نہیں تم ڈبکی لگا کر نہانا۔ بوڑھی اماں کنگھی کر دیگی اُس کے بندر لیکھ جُواں بھی دیکھ لیں گے۔'' ہنستے ہوئے رگھوور پرساد نے کہا۔

''میرے جُواں نہیں ہیں'' بندرے میں جُواں نہیں دِکھواؤں گی۔ بال گیلے نہیں کروں گی۔''

''جُواں بندریا سے دکھوالینا۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''نہانے جانے کے لئے رگھویر پرساد گمچھا، چڈی اور صابون کی ٹکیہ لیکر کھڑکی سے کودے۔ پتنی رگھوور پرساد کی دُھلی قمیص، اپنی دُھلی ساڑی اور پولکا لے کر کھڑکی سے کودی۔ اچھی ہوا چل رہی تھی۔ ''تم بال کھول لو ہوا میں بال اُڑیں گے'' سن کر سونسی نے مسکراتے ہوئے چلتے چلتے اپنے بال کھول کر چھڑا دئے۔ تیز ہوا سے بال اور چھترائے ہوئے اُڑ رہے تھے۔

''تم میرا ہاتھ پکڑ لو کہیں میں بال کے اُڑنے سے اُڑ نہ جاؤں۔'' پتنی نے اُڑتے آنچل کو کھونس لیا تھا۔

''آنچل کیوں کھونس لی تھی؟''

''ایسے میں تو میں اُڑ جاؤں گی۔''

''کیسے اُڑو گی؟'' رگھوور پرساد نے کہا۔

اڑتے ہوئے بال اور اڑتا ہوا آنچل پر کی طرح پتنی کو سچ مچ اُڑا نہ لیجائیں، سوچ کر رگھوور پرساد نے پتنی کا ہاتھ زور سے پکڑ لیا۔ ہوا اتنی اچھی اور تیز چل رہی تھی کہ دھول نہیں اُڑ رہی تھی لیکن کہیں گوبر سے لیپی جگہ پر اٹھارہ بندی ڈال کر چوک پورا گیا ہوگا۔ وہ خوبصورت مسرت آگیں آکرتی ہوا کے ذریعہ جس کا تس اُٹھالی گئی تھی۔ وہ آکرتی پتنگ کی طرح اُڑ رہی تھی۔ پھر اور بھی چھوٹے چھوٹے آٹے سے پوری گئی آکرتیاں ہو بہو ادھر سے اُدھر اُڑتے دکھائی نہیں دیں۔ ہوا ان کی شکل کو بگاڑ نہیں رہی تھی۔ تبھی رگھوور پرساد سے ہاتھ سے سونسی کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ سونسی دوڑتی ہوئی آگے نکل گئی۔ رگھوور پرساد نے جیسے سونسی کے دوڑنے کو ہی پکڑا ہوا تھا۔ پکڑا ہوا دوڑنا چھوٹ کر دوڑ گیا تھا۔ دوڑتی ہوئی سونسی کے بال ہوا میں بِھرا گئے تھے جس سے یکبارگی لگا کہ کیا وہ کھڑے کھڑے اُڑ گئی۔ رگھوور پرساد نے

سُنا کہ سونسی نے اوجھل ہونے کے پہلے کہا ہے کہ پیچھے آؤ۔ اوجھل ہو گئے کہ پیچھے پیچھے اوجھل ہو کر ہی جایا جا سکتا تھا۔ دوسرے کا اوجھل ہونا پتہ چل جاتا تھا۔ خود کا اوجھل ہونا خود کو پتہ نہیں چلتا ہو، دوسرے کو پتہ چل جاتا ہو۔ ہو سکتا ہے رگھوور پرساد بھی اوجھل ہو گئے ہوں۔ جس طرف سونسی گئی تھی اُسی طرف رگھوور پرساد گئے۔ ہوا بھی اُسی سمت جا رہی تھی۔ اس وقت سارا نظام اُسی سمت کا تھا۔ اور دونوں کے ارد گرد تھا۔ رگھوور پرساد پیڑوں کے درمیان سے جا رہے تھے وہ سونسی سونسی کی آواز لگا رہے تھے۔

آگے رگھوور پرساد کو ایک لمحہ کے لئے سونسی نظر آئی۔ سونسی کی ساڑی لگتا ہے ہوا اُڑا لے گئی تھی، لیکن وہ ننگی نہیں تھی۔ ہوا جب تھم گئی تب پیڑوں، پھولوں، دوبوں کی مہک جو پھیل گئی تھی وہ پیڑوں، پھولوں، دوبوں کے آس پاس سمٹنے لگی۔ یہ سمٹنا اس طرح کا تھا کہ پیڑوں کے پاس پھولوں کی مہک سمٹ گئی۔ دوب کے پاس پیڑوں کی مہک تھی۔ ایک پیڑ کے پاس جو برگد کا پیڑ تھا وہاں تیج تہواروں کے دن کی جائے عبادت کی مہک تھی۔ اُسی کے پاس ایک پیڑ کا تنا بالکل کالا چکنا تھا یہ شیولنگ کی طرح پیڑ تھا۔ گوبر سے لیپی پُتی جگہ پر اُس پیڑ کے نیچے آنکھ موندے سونسی لیٹی ہوئی تھی۔ سونسی کو جان بوجھ کر رگھوور پرساد کا پاس آنا معلوم نہیں پڑ رہا تھا۔ سونسی کو جان بوجھ کر رگھوور پرساد کا وہاں کھڑے اُسے نہارنا معلوم نہیں پڑ رہا تھا سونسی کو ڈھانکے ہوئے جو رنگولی کا پیراہن تھا وہ گوبر سے لیپی جگہ پر پوروکت چوک پورے ہونے جیسا اگا تا تھا۔ تبھی سونسی کے بائیں بازو پر ٹائیں ٹائیں کرتا ایک پرندہ آ کر بیٹھا۔

''دیکھو تو میرے کاندھے پر کوئی پرندہ بیٹھا ہے۔'' پتنی نے پوچھا اُسکے اپنے فراموش وجود سے اُس کی آواز آ رہی تھی۔ سونسی کے ہلنے ڈولنے سے پرندہ سرکتا تو اُسکے چنگل کی ناخن کاندھے پر گڑتے۔

''ہاں ایک سندر ہرا طوطا ہے پیاری کرن۔ اس کا حلق پھٹ گیا ہے۔''

''طوطا گہری سانس اور پھس پھساہٹ کو یاد کر لے گا'' سونسی نے گہری سانس

لے کر اور پھُس پھُسا کر کہا۔

''میں اُسے بتا دوں گا کہ ہم پتی پتنی ہیں'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''سونسی نے دیکھا کہ کہیں آنے سے جو چوک پورا گیا تھا وہ پتنگ کی طرح اُڑا آ رہا تھا۔ ہوا نے اس کی شکل کو بھی بگاڑا نہیں تھا۔ پھر دوسری طرف سے چوک پورا ہوا آ کر ساتھ ساتھ اُڑ گیا۔

تالاب کے کنارے پتھر پر سونسی بیٹھی ہوئی تھی۔ رگھوور پرساد نہانے کے لئے چکنی مٹی کا ڈھیلا لکڑی سے کھود کر لے آئے تھے۔ تالاب سے ڈبکی لگا کر دونوں نکلے اور اپنے اپنے جسم میں اور پھر ایک دوسرے کے جسم میں مٹی کو ملا۔ دونوں تالاب میں پاؤں ڈال کر کچھ دیر بیٹھے رہے تھے۔ جب مٹی سوکھنے لگی تو دونوں تالاب میں کود گئے۔

بالکل صبح کا سورج بائیں طرف تالاب میں تھا۔ سورج کے بعد تالاب میں رگھوور پرساد تھے، پھر سونسی تھی۔ سونسی ڈبکی سے نکلتے ہی بالوں کو پیچھے جھٹکارتی تو ایک نصف دائرہ بناتی بوندیں بالوں سے اُڑتیں تب رگھوور پرساد کو اُن بوندوں کی طرف قوس قزح دکھائی دیتا۔ سونسی کے گیلے بالوں کو جھٹکارنے سے ایک لمحہ کے لئے قوس قزح بن جاتا تھا۔

بوڑھی اماں چائے لئے آہستہ آہستہ آ رہی تھی۔ بوڑھی اماں کے آگے آتا ہوا ایک بڑا بندر تالاب کے کنارے کے ایک پیڑ پر چڑھ گیا۔

''سونسی چلو۔'' رگھوور پرساد نے بوڑھی اماں کو آتے دیکھ کر کہا۔ سونسی آخری ڈبکی لگا کر نکلی اور بالوں کو پیچھے جھٹکار کر سمیٹا، جوڑا بنایا۔

''اب بال آسانی سے سلجھ جائیں گے۔'' سونسی نے پوچھا۔

''ہاں اب بال آسانی سے سلجھ جائیں گے۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔ چائے رکھ کر بوڑھی اماں چلی گئی۔ ایک دوسرے کے اُترے کپڑوں سے دونوں نے اپنے بدن پونچھے پھر دھلے کپڑے پہن کر چائے پی۔

❁❁❁

دونوں جاگے تھے، اور سب کچھ نیند میں جھوم رہا تھا
تالاب نیند میں تالاب تھا۔ آسمان خواب کا آسمان تھا

بوڑھی اماں سونی کے لئے ایک ٹوکری میں کیسر واقند اور دوسری میں تیندو پھل بندروں سے بچا کر رکھتی تھی۔ سونی نے آنچل میں تھوڑے کیسر واقند اور تیندو پھل کو ٹھونس لیا تھا۔ راستے بھر دونوں کیسر واقند دانتوں سے چھیلتے کھاتے آئے۔ کمرے کی کھڑکی کے پاس دونوں کھڑے ہو گئے۔ دونوں چھوٹے چھوٹے بچّوں کی طرح اپنا کمرہ جھانکنے لگے۔ کمرے میں وے نہیں تھے۔

''میں کہاں ہوں؟'' رگھوور پرساد نے کمرہ جھانکتے ہوئے سونسی سے پوچھا، جیسے کمرے سے پوچھا۔

''تم میرے پاس ہو۔'' کمرہ جھانکتے ہوئے سونسی نے کہا، جیسے کمرے سے کہا۔

''اور میں؟'' خالی کمرہ دیکھتی ہوئی سونسی نے حیرت سے کہا۔

''تم یہاں میرے پاس ہو۔'' رگھوور پرساد نے کہا اس کے بعد دونوں کمرے میں کود گئے۔

''رگھوور پرساد! او! رگھوور پرساد'' کوئی پکار رہا تھا۔

''لگتا ہے صدر شعبہ ہیں۔''

''رگھوور پرساد نے سونسی سے کہا۔

رگھوور پرساد نے دروازہ کھولا۔ صدر شعبہ تھے۔ بدحواس لگ رہے تھے۔ صبح بستر سے اُٹھتے ہی آ گئے تھے۔ صدر شعبہ بغیر کسی کی طرف دیکھے کھڑکی کے پاس گئے اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔ ان کا اور کہیں دھیان نہیں تھا۔

''بیٹھیے سر! پانی پی لیجئے۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔ سونسی نے بستر اُٹھا کر پائتانے میں تہہ کر دیا تھا۔ چارپائی پر صرف دری بچھی تھی۔

''نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''لیجئے سر!'' رگھوور پرساد نے کہا۔ پانی پیتے پیتے بھی صدرِ شعبہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔

''رگھوور پرساد میں کہنے آیا تھا کہ میں اپنے بچوں کو لیکر آتا ہوں۔ ہم لوگ کھڑکی سے اُس طرف جائیں گے۔''

''جی سر! لیکن کالج کا وقت ہو رہا ہے۔''

''آج دسہرے کی تعطیل ہے۔ پندرہ بیس منٹ میں آتا ہوں، یا تو نہا دھو کر آؤں گا۔ نہانے میں دیر ہو جائے گی تو کھڑکی سے تالاب میں نہالوں گا۔ کھڑکی کے پیڑوں میں آج کے دن نیل کنٹھ دیکھ لیں گے۔''

''جی سر!''

''صدرِ شعبہ جب چلے گئے تب رگھوور پرساد نے سونسی سے پوچھا۔

''آج جب نہانے گئے تھے تب تم کو نیل کنٹھ نظر آیا تھا؟''

''یاد نہیں ہے دیکھا ہوگا تم کو نظر آیا تھا؟''

''نہیں مجھے بھی یاد نہیں ہے شاید دیکھا ہو۔''

''ہم دونوں کو نظر آیا ہوا اور ہم دونوں نے دھیان نہیں دیا ہو۔''

''دیکھا تو ہوئی دھیان نہیں دیا تو کیا ہوا۔'' رگھوور پرساد نے پھر کہا۔

''معلوم ہونا چاہئے کہ ہم نے نیل کنٹھ دیکھا ہے، چلو نیل کنٹھ دیکھنے چلیں۔''

''کیسے جا سکتے ہیں۔ صدرِ شعبہ آنے والے ہیں۔''

''کیا آج ہاتھی آئے گا؟'' پتنی نے پوچھا۔

''اگر سادھو کو معلوم ہوگا کہ چھٹی کا دن ہے تو نہیں آئے گا۔ ہو سکتا ہے سادھو آج

راون بھاتا چلا جائے۔''

''ہوسکتا ہے رام، سیتا کی جھانکی ہاتھی پر نکلے۔ اُسی کی تیاری وہ کر رہا ہو۔ چلو! ابھی نیلکنٹھ دیکھ لیں پھر شام کی جھانکی دیکھنے چلیں گے۔

''صدر شعبہ آنے والے ہیں'' رگھوور پرساد نے پھر کہا۔

''ہاں صدر شعبہ آنے والے ہیں۔'' پتنی نے کچھ اُداس ہو کر کہا۔ اُسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

دیر تک دونوں صدر شعبہ کا راستہ دیکھتے رہے۔ صدر شعبہ نہیں آئے۔ ہاتھی نہیں آیا۔ پتنی تھک کر زمین پر لیٹ گئی۔

''لگتا ہے صدر شعبہ کو نیلکنٹھ کا دیدار ہو گیا ہے۔ چلو ہم بھی چلیں۔''

''چلو'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''سنو! میرے کاندھے پر پرند، طوطا تھا یا نیلکنٹھ'' پتنی نے بہت خوشی سے پوچھا۔

''طوطا تھا۔'' رگھوور پرساد نے بھی بہت خوشی سے کہا۔

''ہوسکتا ہے نیلکنٹھ ہو'' پتنی نے بہت دھیرے سے کہا۔

''دونوں نیلکنٹھ دیکھنے نکلے۔''

گھر سے دو قدم نکلنے کے بعد پتنی نے کہا ''مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔'' رگھوور پرساد نے پتنی کی ہتھیلی کو چھوا، گرم تھی۔

''تم کو تو بخار ہے۔ رہنے دو نہیں جاتے۔ کمرے میں رہیں گے۔ نیلکنٹھ کو دیکھنا ہوگا تو وہ کھڑکی پر آ کر بیٹھ جائے گا۔''

''نہیں چلو مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔''

''دیر تک تالاب میں نہیں ڈوبے رہنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے تم نے نیلکنٹھ دیکھ لیا ہو۔''

''تم نے دیکھ لیا ہو تو لوٹ چلتے ہیں۔''

''پکا نہیں ہے۔ چلو رکشا میں چلتے ہیں۔ میونسپل کے اسپتال چلیں گے راستے میں نیلکنٹھ نظر آ جائے گا۔'' گھر کے سامنے نیم کے پیڑ کے نیچے وہ کھڑے ہو گئے۔ رگھوور پرساد رکشا دیکھ رہے تھے۔ پتنی دور اچھتیج کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کہاں دیکھ رہی ہو۔'' رگھوور پرساد نے پتنی کو سہارا دینے کے لئے سٹا لیا تھا۔

''نیلکنٹھ دیکھ رہی ہو۔''

''اچھتیج میں نیلکنٹھ ہوگا بھی تو دکھائی نہیں دیگا۔''

''کیوں''

''بہت چھوٹا ہوگا''

''دکھائی تو دیگا''

''اتنا چھوٹا ہوگا کہ دکھائی نہیں دیگا۔''

''مجھے اپنی طرح سے دیکھنے دو۔ تم اپنی طرح سے اُس پاس دیکھو'' پتنی نے کہا۔ رگھوور پرساد نے ایک جاتے ہوئے خالی رکشے والے کو روکا۔ ''کہاں جانا ہے؟'' رکشے والے نے پوچھا۔

''نیل کنٹھ دیکھنے۔'' پتنی نے کہا۔

''میونسپل اسپتال چلو، راستے میں نیلکنٹھ دیکھ لیں گے'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''لکھولی گاؤں چلوں، وہاں بہت نیلکنٹھ ہیں۔''

''پہلے اسپتال چلو پھر لکھولی چلے چلیں گے۔'' پتنی رگھوور پرساد کے کاندھے پر سر رکھے آنکھ موندے تھی۔

''سو گئی! اچھا نہیں لگ رہا ہے؟''

''نہیں سو رہی ہوں نظر آئے تو مجھے بتا دینا۔'' پھر اس نے رکشے والے سے کہا۔

''رکشے والے! راستے میں نیلکنٹھ نظر آئے تو ان کو بتا دینا'' جب جب وہ آنکھ

موندتی تھی تو کہتی تھی کہ دیکھتے رہنا، اور دیکھتے ہی بتانا۔ دیر کروگے تو اُڑ جائے گا۔ اُڑ جائے گا تو اُڑتے ہوئے دکھائی دے گا۔ رکشے والے سے اُس کے پیچھے پیچھے چلنے کے لئے کہیں گے۔''

نیلکنٹھ کے پیچھے پیچھے رکشے والے کو کہاں تک لے جایا جائے گا۔ مان لو اُڑ کر دور اُس پیپل کے پیڑ پر بیٹھ گیا۔

پیپل کے پیڑ تک پہنچنے میں دیر لگے گی، وہاں بیٹھا تو نہیں رہے گا۔ وہاں سے بھی اُڑ کر آسمان کی طرف اوجھل ہو گیا تو۔''

رگھوور پرسا د رکشے والے سے کہیں گے، ''آسمان کی طرف لے چلو'' پھر سوچیں گے آسمان کی طرف بہت چڑھائی چڑھنی پڑے گی۔ تب وہ رکشے والے سے کہیں گے، ''تم رہنے دو میں ہمارا راستہ دیکھنا۔ میں رکشا لے جاتا ہوں'' اپنی پتنی کو رکشا چلاتے ہوئے وہ آسمان کی طرف لے جائیں گے۔ پیڈل ماریں گے اور اونچے چڑھ جائیں گے۔ اوپر بادل کے ٹکڑے رکشے پر لد جائیں گے۔ بادل کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ کسی بادل میں لوگوں کو نظر نہیں آنے کے لئے دسہرے کے دن نیلکنٹھ بیٹھا ہوا نظر آ جائے گا۔ پتنی کو دکھائیں گے'' سونسی دیکھو نیلکنٹھ پیڑ پر نظر آ جاتا اسلئے یہاں بھورے بادل پر آ کر بیٹھ گیا۔ تم بھی دیکھو۔''

یہ بھی ہو سکتا تھا کہ نیلکنٹھ، دیکھنے کی قوی خواہش اور اُس کے نہ دیکھنے سے اُوب جائے گا۔ اُڑتے ہوئے سامنے آئے کہ دونوں ایک ساتھ اُسے دیکھ لیں پھر چلا جائے۔ جانے کے بعد بھی نیلکنٹھ کو ضرور لگے گا کہ دونوں نے اُسے دیکھا ہے یا نہیں۔ شاید کسی ایک نے دیکھا ہو تو وہ دوبارا آئے گا۔ سامنے سامنے اپنے نیلے پنکھ پھیلائے اُڑتا ہے۔ پھر دونوں کہیں گے ''ہم نے تم کو دیکھ لیا تب وہ اُڑ کر چلا جائے گا۔ اسپتال میں پرچی کٹانے کی بھیڑ تھی۔ سونسی بینچ پر بیٹھی تھی۔ بہت دیر بعد ڈاکٹر نے سونسی کو دیکھا پڑیا میں اُس نے چار گولی دی۔ دو دو گھنٹے میں ایک گولی کھانے کو کہا۔ ایک گولی ابھی کھا لینے کے لئے کہا تھا۔ سونسی اسپتال کے نل کے پاس گئی اور گولی کھا کر پانی پیا۔ ''چلو'' سونسی نے کہا۔ وہی رکشا والا

اسپتال کے سامنے کھڑا نظر آیا۔

''چلو گے؟'' رگھوور پرساد نے رکشے والے سے پوچھا۔

''ہاں'' دونوں رکشا میں بیٹھ گئے۔

''کہاں لے جا رہے ہو۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''نیلکنٹھ دیکھنے'' رکشے والے نے کہا۔

''جہاں سے آئے تھے وہیں چلو۔''

جب گھر آئے تو دیکھا چھوٹو وہاں باہر صاف استری کی ہوئی کرتا دھوتی پہنے کھڑا ہے۔ رکشا سے بھیا کو اُترتے دیکھ چھوٹو رکشے کی طرف دوڑا اور چلاّتا گیا ''اماں! بھیا، بھابھی آئے'' اور چھوٹو نے بھیا، بھابھی کے پاؤں چھوئے۔

''کتنی دیر ہوگئی آئے تم لوگوں کو'' بھابی نے پوچھا۔

''بہت دیر ہوگئی۔''

پتا جی چارپائی پر لیٹے تھے۔ وہیں منجھرے پر بیٹھی اماں گاؤں سے لائی بربٹی کاٹ رہی تھی۔ سونسی اور رگھوور پرساد نے اماں کے پاؤں چھوئے۔ رگھوور پرساد پتا کا پاؤں چھونے والے تھے تو پتا نے کہا، ''رک جاؤ'' اُٹھ کر بیٹھ جانے دو۔'' وہ پاؤں لٹکا کر پیچھے بیٹھ گئے۔ رگھوور پرساد نے پاؤں چھوئے پھر سونسی نے اُن کے پاؤں چھوئے۔ سونسی اماں کے پاس بربٹی کاٹنے بیٹھنے والی تھی تو اماں نے کہا۔

''جاؤ پہلے دونوں ہاتھ مُنھ دھولو۔'' دونوں پہلے ہاتھ مُنھ دھونے گئے تو اماں نے اُن کی فرمان برداری سے خوش ہو کر رگھوور پرساد کے پتا کی طرف دیکھا۔ رگھوور پرساد کے پتا مسکرائے۔

''بھیا آج ہاتھی آیا تھا؟'' چھوٹے نے پوچھا۔

''نہیں'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''آئے گا''

"کیا معلوم"

"آئے تو اُسے ہاتھی پر بیٹھا کر گھوما دینا۔" پتا نے کہا۔

رگھوور پرساد نے دیکھا کے پتنی ایک کونے میں بیٹھی برنئی کاٹنے لگی تھی۔ اُسے بخار تھا لیٹ جاتی تو اچھا تھا۔ چھوٹو باہر کھڑا تھا۔ شاید وہ ہاتھی کا آنا دیکھنا چاہتا تھا۔

اماں اپنے ساتھ دونوں کانسے کی تھالی، ایک ٹھولیا اور ادرک کوٹنے کے لئے ایک کالا گول پتھر لائی تھی۔ سوپا، چلنی لانا وہ بھول گئی تھی۔ پوڑی تھی۔ رگھوور پرساد کے پتا کو لگتا تھا کہ کالا پتھر، کسوٹی کا پتھر ہے۔ پتا ایک سونے کی تانبائی انگوٹھی پہنے تھے۔ سونے میں تانبا زیادہ ملا ہوتھا۔ اس انگوٹھی کو انہوں نے پتھر پر گھس کر دیکھا تھا تو ایک ہلکی سنہری تانبائی لکیر کھنچ گئی تھی۔ یہ لکیر بھی پتھر کے ساتھ ساتھ آ گئی تھی۔

رگھوور پرساد چھوٹے کے پاس گئے۔ صاف کپڑے، گندے نہ ہو جائیں اس لئے وہ گوٹا پتھر اور پیڑ پر چڑھنے کا کھیل نہیں کھیل رہا تھا۔ وہ ہاتھی پر سوار ہو کر گھومنے کے کپڑے پہنے تھا۔ انہوں نے چھوٹو سے کہا، "آج گھومنے نہیں جائیں گے تمہاری بھابی کو بہت بخار ہے۔"

"بھابی کو بخار ہے؟" چھوٹو نے پوچھا۔

"ہاں" وہ اندر گیا اور کہا، "اماں! بھیا کہتے ہیں کہ بھابی کو بخار ہے۔" سن کر رگھوور پرساد پریشان ہو گئے۔ ہوتا یہ کہ چھوٹو پہلے کہتا۔ "گھومنے نہیں جائیں گے۔" تب اماں پوچھتیں، "کیا ہاتھی نہیں آئے گا؟"

"شاید نہ آئے، دسہرا کا دن ہے" پتا کہتے۔

ہاتھی آئے گا تو بھی سب لوگ کیسے جائیں گے، بھابی کو تو بخار ہے" چھوٹو کہتا۔

اس طرح بات ہوتی تو اچھا ہوتا۔ رگھوور پرساد جھینپ گئے کہ اماں پتا کیا سوچیں گے۔

اماں نے سونسی سے پوچھا۔ "بہو تم کو بخار ہے؟" سونسی نے برنئی کاٹتے سر ہلا کر"

نہیں کہا۔ اماں اُٹھ کر سونسی کے پاس گئی۔ سر چھوا ''ہے تو! بہت بخار ہے'' سن کر پتا اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ سونسی کی آنکھ بھر آئی تھی۔ شاید اُسے مائکے کی یاد آئی ہو۔ اماں نے اُس کے سر کو چھاتی سے چپکا لیا۔ ''چل لیٹ جا''

''ڈاکٹر کو دکھایا تھا؟'' رگھوور پرساد سے پتا نے پوچھا۔

''جی گولیاں دی تھی۔''

''گولیاں کب کھانی ہے؟

''دو دو گھنٹے میں۔''

''وقت ہو گیا؟''

''ہاں''

''کہاں ہے گولی بہو کو دے دو۔ چھوٹو! بھابی کو ایک گلاس پانی دو۔'' رگھوور پرساد نے گولی نکالی۔ چھوٹو پانی لیکر بھابی کے پاس گیا۔ رگھوور پرساد نے چھوٹو کو گولی دی کہ وہ بھابی کو دیدے۔ گولی کھانے کے بعد اماں نے اُسے منجرے پر لٹا دیا۔ سونسی کی پچھوری رکھی تھی۔ اُسی کو اُڑھا دیا۔ اماں کھانا بنانے کی تیاری کرنے لگی۔ اماں کو کھانا بناتے جان کر سونسی اُٹھی تو پتا نے کہا ''بہو لیٹی رہو'' سونسی لیٹ گئی۔ اُس نے پچھوری اوڑھی اور تھوڑی دیر میں سو گئی۔ پتا نے رگھوور پرساد سے آہستہ سے کہا ''جھولا دو'' پھر انہوں نے رگھوور کی ماں سے پوچھا ''کچھ لانا تو نہیں ہے؟''

''نہیں'' رگھوور کی ماں نے کہا۔

''میں آتا ہوں۔ کھانا بننے تک آجاؤں گا'' جھولا لیکر وہ چلے گئے۔

سونسی کا بخار اُتر گیا تھا۔ ہاتھ مُنھ دھو کر ماں کے کہنے سے اُس نے کھانا کھایا تو اور اچھا لگا۔ چھوٹو کرتا دھوتی کو لگاتار گندہ ہونے سے بچائے ہوئے من ہی من ہاتھی کا راستہ دیکھ رہا تھا کہ آجائے۔ کوئی نہیں جائے گا تو وہ اکیلا ہاتھی پر بیٹھ کر گھوم آئے گا۔ سونسی کو اچھا لگا تو وہ گھر کا کام کرنے لگی تھی۔ جہاں سونسی لیٹی ہوئی تھی، وہیں رگھوور پرساد جا کر لیٹ گئے۔

''چھوٹو'' باہر سے پتا آواز دے رہے تھے۔

''دیکھ ہاتھی آرہا ہے کیا؟'' چھوٹو دوڑتا ہوا باہر آیا۔ ہاتھی آرہا تھا۔ اماں رگھوور پرساد بھی باہر آ گئے۔ پتا کمرے کے اندر آئے اور جھولا رکھ کر بولے۔

''بہو مُرّہ لایا ہوں تم لوگ کھالینا۔'' پتا بھی باہر آ گئے۔ سادھو ہاتھی کو بٹھائے بغیر اُوپر سے اُتر آیا۔ اوبڑ کھابڑ پتھروں کے گرد و پیش پاؤں جماتے ہوئے پہاڑ سے اُترتے ہیں، ہاتھی پر دو قدم ادھر اُدھر رکھ کر وہ نیچے اُتر آیا تھا۔ اُترتے ہی کاندھے سے گمچھے کو جھٹکار کر اُس نے پھر کاندھے پر جمالیا۔ وہ دھوتی کو ڈھیلے لپیٹے ہوئے پیلا کرتا پہنے ہوئے تھا۔ کرتا کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ کپڑے صاف تھے اور استری کئے ہوئے تھے۔ دسہرا کا دن تھا شاید اس لئے۔ چھوٹو بہت پُر عزم تھا۔

''راون بھانا چلو گے؟'' سادھو نے رگھوور پرساد سے پوچھا۔

''وہاں بہت بھیڑ ہوگی۔ ہاتھی کے گلے میں گھنٹی نہیں ہے۔ لوگوں کو معلوم کیسے پڑے گا کہ ہاتھی آرہا ہے۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''ہاتھی کا آنا بہت دور سے نظر آتا ہے۔ اسے دیکھنے کی خبر ہو جاتی ہے اور دوسروں کو معلوم پڑ جاتا ہے۔''

''پھر بھی'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''چلئے کچھ نہیں ہوتا۔''

''چھوٹو بھی جائے گا'' پتا نے کہا۔

''بہو بھی جائے گی'' رگھوور پرساد کی ماں نے کہا۔ وہ اندر گئی۔

''بہو جلدی تیار ہو جا ہاتھی پر گھوم آ۔'' سونسی نے جلدی جلدی ہاتھ منہ دھویا۔

''بہو ابھی تو دو ساڑی نئی رکھی ہوگی۔''

''ہاں اماں'' سونسی نے دھیرے سے کہا۔

''لال ساڑی پہن لینا۔''

''ہاں اماں''

اماں نے کھٹیا سے بند بستر اُٹھا کر نیچے زمین پر بچھے منجرے پر رکھ دیا۔ دری اُٹھائی اور کھٹیا کو کھڑی کیا دری کو اماں نے کھٹیا پر ٹانگ دیا۔

''کھٹیا کی آڑ میں ساڑی بدل لینا'' سونسی نئی لال ساڑی لے کر کھٹیا کی آڑ میں چلی گئی۔ نیچے بیٹھ کر اُس نے پولکا پہنا پھر لال ساڑی پہنی۔ کھٹیا کی آڑ سے وہ نکل آئی تھی۔

''بندی لگائی؟'' اماں نے پوچھا۔

''ہاں اماں''

''رگھوور'' اماں نے بُلایا۔

''تو بھی کپڑے بدل لے'' اماں نے رگھوور کے پتا کا محفوظ رکھا کرتا جو قریب پندرہ سال پُرانا ہوگا۔ جھولے سے نکالا۔ گچھے میں تہہ کیا ہوا کرتا تھا۔ دھوتی نکالی۔

''لے پہن لے''

رگھوور پرساد پتا سے لانبے تھے۔ کرتا بڑا تھا۔ پتا آستین کو کلائی کے پاس موڑ لیتے تھے۔ رگھوور پرساد بھی کھٹیا کی آڑ میں چلے گئے۔ اُن کو کرتا ٹھیک ہوا تھا۔ لمبائی میں کچھ چھوٹا لگتا تھا۔ رگھوور پرساد نے دھوتی پہنی۔ گاؤں کی بنی دھوتی تھی۔ موٹی کھادی کی طرح تھی۔ دھوتی کا سنہرا کنارا تھا۔ بالوں میں پانی لگا کر رگھوور پرساد نے کنگھی کی۔ کوسے کے کُرتے اور سنہری کنار کی دھوتی میں رگھوور پرساد سندر لگ رہے تھے۔ سونسی کمرے میں جہاں ہوتی کچھ زیادہ روشنی میں لگتی۔ جہاں گنڈی رکھی تھی وہ حصہ کمرے کا اندھیرا کونا لگتا تھا۔ سونسی اُدھر ہوتی تو وہ حصہ زیادہ روشنی کا لگتا۔ سب ننگے پاؤں ہاتھی پر بیٹھنے کے لئے نکلے۔ سادھو ہاتھی پر پہلے بیٹھا ہوا تیار تھا۔ پاس پڑوس کے لوگ بھی بچوں کے ساتھ اچھے کپڑے پہنے ہوئے راون بھاٹا جانے کے لئے تیار تھے۔ جارہے لوگ تھوڑی دیر کے لئے ہاتھی کے پاس رُک جاتے۔ جارہے لوگ رنگ برنگ ساڑی، کپڑے پہنے عورتوں، لڑکیوں، آدمیوں، بچوں کا جھنڈ تھے۔ ہاتھی پر چڑھنے کے پہلے رگھوور پرساد اور سونسی نے پتا اور اماں کے پاؤں

چھوئے۔ جب رگھوور پرساد ہاتھی پر چڑھنے لگے تو سب کھڑے ہو کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ پھر رگھوور پرساد کی پتنی، اس کے بعد چھوٹو چڑھا۔ سادھو ٹھیک سے بیٹھنے میں سب کی مدد کر رہا تھا۔ چھوٹو، سادھو کو پکڑ کر بیٹھا تھا۔ سونسی رگھوور پرساد کو۔ کمرے کے دروازے کے پاس اماں اور پتا کھڑے تھے۔

ہاتھی کی پیٹھ پر گنے کے پتے کی گدی بندھی تھی۔ ہاتھی نہایا دھویا اور سجایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ سب بیٹھ گئے تب ہاتھی چلنے لگا۔ راون بھاٹا کی طرف جاتی دو عورتوں نے ہاتھ جوڑ کر رگھوور پرساد، سونسی اور چھوٹو کی جھانکی کو پرنام کیا۔ جب ہاتھی آگے بڑھا تو اماں نے کہا کتنی اچھی جوڑی ہے۔ چھوٹو چھمن لگتا ہے۔ پتا نے کچھ نہیں کہا۔

آگے داہنے ہاتھ کی طرف امرائی تھی۔ سادھو ہاتھی کو اُدھر سے لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد دور ہو رہے اندھیرے میں دھندلا راون نظر آیا۔ اندھیرا ہوتے ہی راون پٹاخوں کے ساتھ جل اُٹھا ہاتھی پر بیٹھے ان لوگوں پر راون کے جلنے کی روشنی سمٹ کر آ گئی تھی۔ پیڑوں کے بیچ میں لپٹ کی روشنی میں سب لمحہ بھر نظر آئے۔ سادھو نے ہاتھی کو لوٹایا کہ اندھیرا ہو گیا تھا۔ لوٹنے والوں کی بھیڑ کا ریلا آئے گا تو ہاتھی کو تیز چلانا مشکل ہوگا۔ چھوٹو بہت خوش تھا۔ لوٹتے وقت کچھ دور تک جب تب چھوٹتا پٹاخہ انہیں سنائی دے رہا تھا۔

پتا کو چھوڑ، رات کو سب زمین پر سوئے تھے۔ چوکے کی طرف سونسی، پھر اماں، چھوٹو، رگھوور پرساد۔ رگھوور پرساد کے بعد پتا چارپائی پر سوئے تھے۔ چھوٹو پہلے پتا کے ساتھ لیٹا پھر زمین پر آ گیا۔ آدھی رات ہو گئی تھی۔ رگھوور پرساد اور سونسی جاگ رہے تھے۔ رگھوور پرساد کو معلوم نہیں تھا کہ سونسی جاگ رہی ہے۔ سونسی کو معلوم تھا کہ رگھوور پرساد کو نیند نہیں آ رہی ہے رگھوور پرساد آہستہ سے اُٹھے اور کھڑکی کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ رگھوور پرساد کا من ہوا کہ وہ کھڑکی سے کود کر اُس پار چلے جائیں۔ وہ کودنے کو تھے تبھی سونسی ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ رگھوور پرساد بغیر کسی آواز کے کودے۔ سونسی جب کودنے کو ہوئی تو رگھوور پرساد نے پھُس پھُسا کر اُس سے کہا ''تم آہستہ کود نہیں پاؤ گی۔ تم میری پیٹھ پر لد

جانا'' رگھوور پرساد کھڑکی کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو گئے۔ سونسی کھڑکی کی چوکھٹ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ ''میں دھیرے سے کود جاتی ہوں۔''

''نہیں'' رگھوور پرساد نے کہا۔ تب سونسی رگھوور پرساد کے گلے میں ہاتھ ڈال کر لٹک گئی۔ پیٹھ پر سونسی کو لادے رگھوور پرساد کودے۔ دونوں نے کمرے کے اندر دیکھا کہ کوئی جگ تو نہیں رہا ہے۔ چھوٹو اماں کے اوپر ایک ٹانگ رکھے سو رہا تھا۔ پتا دیوار کی طرف کروٹ لیکر سو رہے تھے۔ کمرے میں کھڑکی کا اجالا تھا۔ کھڑکی کی وجہ سے اندھیرے کی ایک ہلکی تہہ کم تھی۔ سونسی نے پیٹھ پر لدے ہوئے اُس جگہ کو دیکھا جہاں وہ لیٹی ہوئی تھی۔ اُس جگہ کو جہاں رگھوور لیٹا ہوا تھا۔ کھڑکی کا سیدھا اُجالا پانی کی گُنڈی میں پڑ رہا تھا۔ سونسی نے دیکھا کہ گُنڈی میں ڈھکن نہیں لگا تھا۔ چھوٹو نے پانی نکالا ہوگا اور ڈھکن لگانا بھول گیا۔ اُترنے اُترنے کو تھی کہ رگھوور پرساد نے گلے میں لپٹے سونسی کے ہاتھ کو کس کر پکڑ لیا۔

''اُترنے دو گُنڈی کھلی ہے''

''کھلی رہنے دو'' کہہ کر رگھوور پرساد سونسی کو لادے ہوئے اندھیرے میں چلے گئے۔

''گرا مت دینا''

''نہیں گرو گی'' پگڈنڈی کا مجھے اندازہ ہے۔

''گہری رات کی خاموشی تھی۔ اس خاموشی میں سب کی الگ الگ خاموشی تھی، جیسے پیپل کے پیڑ کے نیچے پیپل کی خاموشی تھی۔ انجانے پیڑوں کے نیچے سے وہ گزرے اس پیڑ کے نیچے انجانے پیڑوں کی خاموشی تھی۔ سونسی رگھوور پرساد کے کاندھے میں لدی رگھوور پرساد کے ہر قدم میں دھیرے سے اچھلتی جاتی اور ہوں! ہوں! الاپتی۔ یہ بولنا پیڑوں، تالابوں، چٹانوں کے ہر ایک گوشے میں سنائی دے رہا تھا۔ پیڑ نیند میں پیڑ تھے۔ ماحول خواب آلودہ تھا۔ سونسی نے بھاری پلکوں کو کھول کر دیکھا تو جگہ جگہ چمکی سے چوک پورے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ہو سکتا ہے ابرک کے باریک ذروں سے چوک پورے گئے

ہوں تاروں کی روشنی سے یہ چمچماتے سے تھے۔ان جگہوں کو دیکھ کر وہیں ٹھہر جانے کی جلدی سونسی کو ہوئی۔اُس نے کہا" کہاں جارہے ہو یہیں رُک جاؤ" رگھوور پرساد نے کچھ نہیں کہا۔ سونسی اپنے پاؤں کو رگھوور پرساد کی کمر میں لپیٹنا چاہتی تھی پر ساڑی کی وجہ سے وہ لپیٹ نہیں پا رہی تھی۔

"میرے پاؤں دُکھ رہے ہیں۔"

"تم تو نہیں چل رہی ہو تمہارے پاؤں کیوں دُکھ رہے ہیں؟"

"ہاتھ بھی دُکھ رہے ہیں۔"

"نہیں دُکھ رہے ہیں۔" رگھوور پرساد نے کہا۔

"پاؤں لٹکتے لٹکتے دُکھ رہے ہیں اور تمہارے ہاتھوں کی پکڑ سے ہاتھ ٹوٹ رہے ہیں۔"

"اچھا، ہاتھ چھوڑ نا نہیں۔" کہہ کر رگھوور پرساد نے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے لے جا کر سونسی کی ساڑی کو گھٹنے کے اوپر تک اُٹھا اور کہا،" اب کمر میں پاؤں لپیٹ لو" سونسی نے رگھوور کے کمر میں پاؤں لپیٹے تو رگھوور پرساد نے سونسی کے کولھے کے نیچے دونوں ہتھیلیوں کو باندھ کر دھیرے سے اوپر اُچھالا تو سونسی کے ہاتھ رگھوور پرساد کی گردن پر ڈھیلے ہو گئے۔ رگھوور پرساد اب بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔

"اب ٹھیک ہے؟" رگھوور پرساد نے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے" سونسی نے کہا۔

رگھوور پرساد تالاب کے کنارے کنارے چلنے لگے۔سونسی تالاب میں رگھوور پرساد کی پرچھائیں کے اوپر اپنی لدی پرچھائیں کو دیکھ رہی تھی۔رگھوور پرساد سونسی کو لادے ہوئے تالاب میں آہستہ سے اتر گئے۔گھٹنے تک رگھوور پرساد کی دھوتی بھیگ گئی۔تھوڑی دیر چپ چاپ تالاب میں کھڑے رہے۔تالاب سے نکلے تو اور اچھا لگا۔تالاب کے پاس ایک ٹیلہ تھا۔رگھوور پرساد سونسی کو لادے ٹیلے پر چڑھنے لگے۔یہ ٹیلہ خواب آور ٹیلہ تھا۔سونسی

نے کہا ''مجھے اُتار دو۔ تم بہت تھک گئے ہو گے۔ میں تمہیں بہت تھکاتی ہوں۔'' ٹیلے کے اوپر سوکھے پتوں کا ڈھیر تھا۔ اسی کے پاس سونسی کو رگھوور پرساد نے اُتارا۔ اُن پتوں کے اندر کے اندھیرے میں چار جگنوں پاس پاس چمک رہے تھے۔ سونسی نے پتوں کو ہٹایا تو جگنو ایک ایک کر اُڑ گئے۔ اُڑتے اُڑتے جگنوؤں کی چمک کی پرچھائیں اُنہوں نے تالاب میں دیکھی۔

سونسی رگھوور پرساد کی بانہہ سے سر ٹکائے کھڑی تھی۔ تالاب میں تاروں کی پرچھائیں تھی۔ کسی مچھلی کی وجہ سے تالاب کا پانی ہلا تو سونسی نے دیکھا کہ کچھ تاروں کی پرچھائیں تیرتے تیرتے آہستہ آہستہ پاس پاس ہوگئی۔ سونسی نے اوپر آسمان میں دیکھا کہ کچھ تارے پاس پاس نظر آئے جیسے پہلے دور تھے۔ سونسی رگھوور پرساد سے ٹکی ٹکی بیٹھتے ہوئے وہیں لیٹ گئی۔ سونسی کے پاؤں ڈھلان کی طرف تھے۔

''تمہارے کاندھے پر چاند بیٹھا ہے۔ سونسی نے لیٹے لیٹے ہاتھ اُٹھائے ہوئے کہا گویا وہ رگھوور پرساد کو بلا رہی ہو اور رگھوور پرساد بہت دور پر تھے۔ رگھوور پرساد کھڑے کھڑے سونسی کو دیکھ رہے تھے۔ سونسی کو لگا رگھوور پرساد کے کاندھے پر بیٹھا چاند قریب آ رہا ہے۔ سونسی نے قریب کے لُطف کی چمک کو سہنے کے لئے آنکھ موند لئے تھے۔

کھڑی ہو کر سونسی نے دیکھا کہ تالاب روشن تالاب تھا۔ تالاب کی داخلی سطح منوّر نظر آ رہی تھی۔

''کیا چاند تالاب میں ڈوب گیا ہے؟'' سونسی نے رگھوور پرساد سے پوچھا۔

''ہاں تالاب میں ڈوب گیا ہے۔''

''دیکھو ایک روشن مچھلی چاند کی طرف آ رہی ہے۔''

''تالاب کی کائی منوّر ہو رہی ہے۔''

''چاند، تارے تالاب کے پانی سے دھل گئے ہیں۔ آسمان میں اُن کو دیکھو تو یہ سب ٹھنڈے اور نمایاں ہیں۔''

"چاند ٹھنڈا اور نمایاں ہے۔"

"چلو" رگھوور پرساد نے کہا۔

"کہاں؟"

"روشن پانی میں ڈوبے ہوئے چاند کے قریب نہائیں گے۔"

"چاند کے پاس میں نہیں نہاؤں گی۔"

"اچھا، چاند سے دور نہائیں گے۔"

کپڑے اُتار کر چاند سے دور دونوں تالاب میں کود گئے۔ دیر تک ڈبکی لگا کر دونوں نہاتے رہے۔

"چاند تمہارے پاس چوری چوری آ رہا ہے۔" رگھوور پرساد نے کہا۔

"اوہ! ماں۔" سونسی نے کہا اور وہ تیرتے ہوئے چاند سے دور چلی گئی۔

"چلو باہر نکلو سب کے جاگنے کا وقت ہو رہا ہے۔" بوڑھی اماں غصے سے بولی۔ وہ تالاب کے کنارے کھڑی تھی۔

"بوڑھی اماں! چائے ہے؟" رگھوور پرساد نے پوچھا۔

"نہیں چائے پینے تک سب جاگ جائیں گے۔ جلدی بھاگو"

"اچھا" رگھوور پرساد نے کہا۔ بوڑھی اماں چلی گئی۔

"جلدی باہر نکلو" سونسی نے کہا۔

سونسی نے پچھم کی جانب دس تاروں کو پتنگ کی آ کرتی میں جاتے ہوئے دور دیکھا۔ پورب سے تارے الگ آ کرتیوں میں ایک کے بعد ایک پچھم کی طرف اکٹھے ہو رہے تھے۔ پورب سے آفتاب طلوع ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔

دونوں دوڑتے ہوئے گھر کی طرف لوٹ رہے تھے۔ گھر کے تھوڑا پاس پہنچے ہوں گے تو چڑیوں نے چہچہانا شروع کر دیا۔ کچھ اور پاس پہنچے تو کوئل کوکنے لگی۔ رگھوور پرساد کھڑکی کے اندر گئے تو گائے کے رمبھانے کی آواز آئی۔ سونسی کمرے کے اندر گئی تو

دھوپ کا پھیکا ٹکڑا بغیر آواز کئے کمرے میں گھس رہا تھا۔

اپنی جگہ رگھوور پرساد آنکھ موند کر لیٹ گئے۔ سونسی اپنی جگہ آنچل سے منہ ڈھائے کر سوگئی۔ تبھی چپکے سے پتا اٹھے اور آہستہ سے دروازے کا ایک پلاّ کھول کر باہر چلے گئے۔ دروازہ زیادہ کھولتے تو دروازے کا دوسرا پلاّ چھوٹو کے سر پر لگتا۔ پلے اندر کی طرف کھلتے تھے۔ اس کے بعد اماں اُٹھی۔ پھر چھوٹو اُٹھا۔ اماں نے رگھوور پرساد کو اُٹھایا۔ رگھوور پرساد دونوں پٹ کھول کر باہر چلے گئے۔ پتا سامنے نیم کے پیڑ کے نیچے پتھر پر بیٹھے تھے۔ سڑک پر گھاس سے لدی دو بیل گاڑی جا رہی تھیں۔ دوسری بیل گاڑی کے پیچھے ایک اونچی گائے بیل گاڑی پر لدی گھاس میں منہ مارنے کے لئے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔ گائے نے گھاس کا ایک چھوٹا موٹھا کھینچ کر سڑک پر گرا دیا۔ بیل گاڑی والے کو معلوم نہیں پڑا۔

اماں نے بہو کو اُٹھایا۔ وہ جاگ رہی تھی۔ سر سے آنچل کو ہٹا کر وہ اُٹھی۔ اماں نے دیکھا کہ بہو پولکا پہنے ہوئے نہیں تھی۔ اماں نے چھوٹو سے باہر، رگھوور پرساد کے پاس جانے کو کہا۔ چھوٹو چلا گیا۔ ''بہو پولکا نہیں پہنی اماں نے پوچھا۔ سنتے ہی وہ آنچل سے کاندھا ڈھانکتے ہوئے کھڑکی سے کودنے کو ہوئی تو اماں نے روکا۔''

''دوسرا پولکا پہن لے، رگھوور پرساد سے بول دے وہ اٹھا لائے گا'' کہہ کر اماں باہر آئی۔

''رگھوور دیکھ تو اندر کیا کام ہے؟'' رگھوور اندر گئے سونسی نے دھیرے سے کہا۔

''پولکا وہیں رہ گیا ہے۔ لے آؤ''

''پہنی تو ہو''

''یہ دوسرا ہے''

''کسی نے دیکھا ہے؟''

''اماں نے کہا ہے''

رگھوور پرساد کھڑکی سے کود گئے۔ بوڑھی اماں بیٹھے بیٹھے سینک کی جھاڑو سے

سامنے بہار رہی تھی۔ ایک ہاتھ تھک جاتا تو دوسرے ہاتھ سے بہارتی۔ رگھوور پرساد نے بھاگتے ہوئے کچھ نہیں کہا۔ پر بوڑھی اماں نے سنا کہ رگھوور پرساد نے کہا ''بوڑھی اماں! بہت محنت کرتی ہو''

لوٹتے وقت رگھوور پرساد نے کہا ''بوڑھی اماں! میں نے چائے ابھی تک نہیں پی'' بوڑھی اماں نے سنا رگھوور پرساد نے کہا ہے'' گھنٹے دو گھنٹے کے لئے سونسی کو کام کرنے کے لئے بلا لیا کرو'' اتنے میں رگھوور پرساد نے دیکھا کہ پولکا کے بدلے وہ تالاب سے کمل کا پھول توڑ لائے ہیں۔ پلٹ کر دوڑتے دوڑتے اُنہوں نے ٹیلے کے پاس دیکھا کہ وہاں بھی بوڑھی اماں پیڑوں کے نیچے کی ایک بہت چھوٹی جگہ بیٹھے بیٹھے بہار رہی تھی۔ رگھوور پرساد نے کہا ''بوڑھی اماں! کیا پورا جنگل بہارتی ہو؟'' بوڑھی اماں نے سنا کہ رگھوور پرساد نے کہا پوری دنیا بہارتی ہو۔''

''میں بہت بوڑھی ہو۔'' بوڑھی اماں نے کہا۔ رگھوور پرساد نے سنا ''ہاں''

رگھوور پرساد نے چھپ کر کھڑکی سے دیکھا کہ پتا جھولے سے مُرّا نکال کر تھالی میں رکھ رہے تھے۔ اماں نے رگھوور پرساد کو کھڑکی کے پاس دیکھ لیا تھا۔ رگھوور پرساد پتا کی وجہ سے اندر نہیں داخل ہو رہے تھے۔

''تم تھوڑا باہر جاؤ گے'' اماں نے کہا۔

''کیوں؟ تھوڑا نمک، مرچ اور سرسوں کا تیل دینا''

''اماں پتا کے پاس گئی اور مُرّا کی تھالی کھینچتے ہوئے آہستہ سے کہا'' کا ہے مبرایا کرتے ہو۔'' پتا جی بے دلی سے اُٹھے تو کھڑکی کے باہر کھڑے رگھوور پرساد کو دیکھ کر بولے ''وہاں کیا کر رہا ہے؟''

''کمل کا پھول توڑنے گیا تھا آپ کی پوجا کے لئے''

''اچھا ٹھیک ہے'' مٹھی میں رگھوور پرساد پولکا چھپائے ہوئے اندر کود گئے اور کمل کا پھول پتا کو دیا سفید کمل کا پھول۔

''بہو تم نہا لو'' اماں نے کہا۔

''اماں! میں نہالی۔'' سونسی نے کہا۔ سونسی کو لگا کہ کہیں پر غلطی ہوگئی۔

''کب نہائی؟'' اماں نے کہا۔ اماں بھول گئی، اُسے لگا نہیں کہنا تھا۔ رات کو اُٹھ کر اُس نے دیکھا تھا کہ سونسی اور رگھوور، دونوں کمرے میں نہیں تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ کھڑکی سے گئے ہوں گے۔ ''پہلے، تالاب میں نہائی تھی۔ میں سوچی کہ صبح ہوگئی ہے۔ نہانے کے بعد بھی صبح نہیں ہوئی تو پھر لیٹ گئی۔''

''دھیرے سے سونسی نے کہا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے''

''اچھا ہم لوگ نہانے جاتے ہیں'' پتا جھولے میں اپنے اور رگھوور کی ماں کے کپڑے۔ جما لئے تھے۔

''یہاں کھڑکی سے چلے جائیے۔ پاس ہی تالاب ہے۔ تنہائی رہتی ہے۔ رگھوور پرساد نے کہا۔

''ہماری عمر نہیں ہے۔ وہیں نہائیں گے جہاں ڈوبنے پر کوئی بچانے کے لئے ہو۔''

''میں بھی چلوں''

''تم بھی نہالئے ہونا''

''جی'' رگھوور پرساد نے کہا۔

پتا کو کھانسی آئی۔ کھنکھار کر کھڑکی سے باہر تھوکنے والے تھے تو اماں نے روکا ''ارے! ارے! یہاں نہیں تھوکو۔ باہر نالی میں جا کر تھوکو۔ بچے کھڑکی کے نیچے بیٹھے رہتے ہیں۔ رگھوور آنا جانا کرتا ہے۔ یہ گندی نالی نہیں ہے'' اماں نے کہا۔

پتا تھوکتے تھوکتے رُک گئے۔ دروازے سے باہر گئے۔ پتا تھوکتے تو کھڑکی سے دِکھائی دیتے آسمان پر چھینٹے پڑ جاتے۔

کپڑوں کا جھولا پتا کے ہاتھ میں تھا۔ رگھوور کی ماں چھوٹی سی دُبلی پتلی تھی۔ دونوں کے بال سفید ہو گئے تھے۔ چلتے چلتے پتا کبھی ماں کا سہارا لیتے کبھی ماں پتا کا سہارا لیتی۔

''چھوٹو تو بھی ماں کے ساتھ کیوں نہیں چلا گیا؟''

''اماں نے منع کر دیا۔ کہا یہیں بالٹی سے نہا لینا''

دونوں ننگے پاؤں گئے تھے۔ پتا کی چپل باہر تھی۔ کمرے کے اندر ایک مخصوص گوشہ تھا اس کے اندر جوتا چپل رکھے جاتے تھے۔ پتا کو چپل گھر کے اندر لانا اچھا نہیں لگتا تھا۔ رگھوور پر ساد جوتا باہر اُتار کر، ہاتھ میں لے کر اُس گوشے میں رکھ دیتے۔ اماں چپل نہیں پہنتی تھیں۔ گاؤں کے گھر کے باہر بالٹی رکھی ہوتی تھی۔ گھر کے اندر آنے کے پہلے پاؤں دھو کر آنا پڑتا تھا۔ چھوٹو چپل خرید لیتا پر بہت کم پہنتا تھا۔ چھوٹو کے سامنے سڑک کا ایک کتا پتا کی ایک چپل اُٹھا کر بھاگ گیا۔ چھوٹو ہٹ! ہٹ! کہتا کتے کے پیچھے دوڑا تو کتا اور زور سے بھاگا اور کھیت کی طرف جھاڑیوں میں کہیں گھس گیا۔ چھوٹو کی آواز سن کر رگھوور بھی دوڑے۔

''کیا ہوا''

''کتا پتا کی چپل لے کر بھاگ گیا''

''کدھر گیا''

''اُدھر کہیں جھاڑیوں میں گھس گیا''

دونوں نے جھاڑیوں میں چپل کو ڈھونڈا چپل کہیں نہیں ملی تو لوٹ آئے۔ ایک اکیلی چپل تھی۔ پتا آئے تو آتے ہی چھوٹو نے کہا۔

''کتا آپ کی ایک چپل لے گیا''

''ارے''

ہم دونوں نے ڈھونڈا چپل نہیں نظر آئی۔ آپ سے کہتا تھا اندر گوشے میں رکھ

دیجیے مانے نہیں۔ ''مل جائے گی'' اماں نے کہا۔ اماں کے کاندھے پر ڈھلے ہوئے کپڑے تھے۔ پتا چھوٹو کے ساتھ چپل ڈھونڈنے گئے۔ پیچھے پیچھے رگھوور بھی گئے۔ چپل نہیں ملی۔

چپل کا کھو جانا پتا کو اکھر رہا تھا۔ پھر بھی اُنہوں نے رگھوور کی ماں سے کہا ''چھ مہینے ہو گئے بہت پہن لیا'' جواب میں رگھوور کی ماں کہنا چاہتی تھی، ''چھ مہینے نہیں، دو مہینے ہوئے ہیں'' پر نہیں کہا۔ دوپہر کو اماں پڑوس میں چلی گئی تھی۔ پتا خالی جھولا لے کر چلے گئے تھے۔ پتا جب بھی باہر نکلتے تھے، خالی جھولا لے کر نکلتے تھے۔ اُنہیں لگتا تھا کہ بہت ضرورت کی چیز بہت سستے میں کبھی بھی اچانک نظر آئے گی تو خرید کر رکھنے کے لئے جھولا ہونا چاہئے۔ جھولا نہیں بھولتے تھے۔ پیسے بھول جاتے تھے۔ جب پیسے نہیں ہوتے تو یاد آنے پر بھی نہیں رکھتے تھے۔ کیسے رکھتے۔ ایسے میں جھولا ساتھ میں رکھنے کا کیا مطلب تھا۔ اُن کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ ضرورت کی چیز جھولے میں لے آئیں گے اور پیسے بعد میں دے آئیں گے۔ اُنہیں لگتا تھا کہ اُدھار لینے کا وقت اب نکل چکا ہے۔ جب ادا کرنے کا وقت نکل جاتا ہے تو اُدھار لینے کا زمانہ بھی چلا جاتا ہے۔ کتنی چیزیں ہوتی ہیں پر یہ جان جاتے ہیں کہ یہ ہمارے لئے نہیں ہیں۔ چھوٹا سا بچہ جان جاتا ہے۔ چھوٹو جان گیا تھا۔ دیکھ لینے سے چیزوں کے پا جانے کا لُطف مل جاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ مٹھائی کو دیکھتے ہی کھانے کا سرور۔ ایسا ہوتا تو دِکھانے کے لئے تھوڑی چیزیں ہوتیں اور سب کی ضرورت پوری ہو جاتی۔ انجانی خوشی، سوچ سمجھ کر ہوئے رنج کو بھی دور کر دیتی تھی۔ رگھوور پرساد نے کہا، ''سونسی! تمہارے پاس پیسے ہوں گے پتا کے لئے چپل لے آتے''

''ہیں، پچیس روپے ہیں۔ ہو جائے گا؟''

''ہاں! ہو جائے گا''

''میری ماں نے دئے تھے۔'' سونسی نے کہا۔

''رگھوور پرساد خوشی خوشی چھوٹو کے ساتھ لے چلے۔ ''پر ناپ کیلئے پتا کے ساتھ آتے۔'' چھوٹو نے کہا۔

''ناپ کے لئے پتا کی چپل ہے'' رگھوور پرساد پتا کی چپل پتلون کی جیب کے اندر گھسائے ہوئے تھے۔ چوتھائی چپل باہر نظر آرہی تھی۔ گول بازار میں چپل۔ جوتے کی دکانیں ایسی تھیں کہ چپل جوتوں کی دری کے اُوپر ڈھیری لگی تھی۔ دونوں نے مل کر پتا کے ناپ کی کالے رنگ کی چپل چھانٹی۔

جیب میں پتا کی پُرانی چپل رگھوور پرساد رکھے تھے۔ نئی چپل اخبار سے لپٹی چھوٹو کے پاس تھی۔ وہ ننگے پاؤں تھرک رہا تھا۔ سڑک پر ماچس کی خالی ڈبی پڑی تھی۔ چھوٹو نے چلتے چلتے اُسے ٹھوکر ماری آگے ماچس کے پاس پتھر کا ٹکڑا تھا۔ ''چھوٹو! پتھر کے ٹکڑے پر نہ لگے نہیں تو چوٹ لگ جائے گی۔'' لیکن ''نہیں پتھر بڑا ہے جوتا خراب ہو جائے گا'' رگھوور پرساد نے کہا۔ چپل دیکھ کر اماں، سونسی بہت خوش ہوئے۔ چپل کو کھڑکی کے نیچے چھوٹو نے رکھ دیا۔ اماں نے گاؤں کے گھر کی طرح بالٹی میں پانی باہر دروازے کے پاس رکھوا دیا تھا۔ بالٹی چھوٹے ڈھکن سے ڈھکی تھی۔ اب پاؤں دھوکر سب کمرے میں آنے لگے تھے۔ رات میں بالٹی کو اندر رکھ دیا جاتا تھا۔ پتا جھولے کو کاندھے پر رکھے پاؤں دھوکر آئے۔ پتا کا دھیان چپل کی طرف نہیں جا رہا تھا۔ سونسی سے رہا نہیں گیا۔ وہ چپل اُٹھائی اور سامنے پتا کے پاؤں کے پاس رکھ دی۔

''ارے کس کی چپل ہے؟'' پتا نے پوچھا۔ پھر غصہ ہوئے۔

''ناپ کے لئے میں جاتا تو ٹھیک تھا۔ چھوٹی نظر آرہی ہے''

''ناپ کے لئے آپ کی ایک بچی چپل لے کر گئے تھے۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔

اچھا'' کہہ کر پتا مسکرائے۔ اُنہیں چپل بالکل ٹھیک ہوئی۔ وہ چپل پہنے کمرے میں گھومتے کھڑے رہے۔ باہر سے تھکے آئے تھے۔ اماں نے کہا ''کھٹیا پر سستا لو''

''تھکا نہیں ہوں'' پتا نے کہا۔

''لیٹنا مت چپل پہنے۔ بیٹھے رہنا۔'' اماں نے کہا۔ رگھوور کی ماں کے مشورے کو پتا نے مان لیا۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گئے۔ چپل پہنے ہوئے اُن کے پاؤں اچھے لگ رہے تھے۔

اتنے میں رگھوور کی ماں پاس آ کر بیٹھ گئی اور چپل کو دیکھتے ہوئے پوچھی۔ ''اچھی ہے؟''

''ہاں'' تبھی اُن دونوں کا من کھڑکی سے اُس پار جانے کو ہوا۔

''چلو'' چپل اتار کر پتا نے کہا۔ سہارا دینے کے لئے رگھوور پرساد کھڑکی سے دوسری طرف چلا گیا تھا۔ پتا اسٹول کے سہارے کھڑکی کی چوکھٹ پر باہر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔

رگھوور پرساد نے اُنہیں نیچے اُتار لیا۔ اسٹول پر پاؤں رکھ کر اماں چڑھیں تو سونسی نے سہارا دیا۔ رگھوور نے ماں کو سنبھال کر نیچے اُتار لیا۔ وہاں اُتنے میں ہی اِتنا اچھا لگا کہ پتا آگے چل پڑے تھے۔ پیچھے پیچھے ماں تھی۔ ''رگھو! تم نہیں چلو گے؟'' پتا نے پوچھا۔

''رگھو نہیں جا رہا ہے۔'' رگھوور کی ماں نے کہا۔ پتا نے مُڑ کر دیکھا تو رگھوور سونسی کھڑکی پر کھڑے تھے۔ سونسی سر ڈھانکے ہوئی تھی۔ وہ رگھوور کا داہنا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑی ہوئی تھی۔ پتا مڑے تھے تب بھی سونسی اور رگھوور اُسی طرح کھڑے رہے۔ رگھوور کو بھی دھیان نہیں رہا۔ پتا نے کہا، ''پیچھے دیکھو تو'' رگھو کی ماں نے مُڑ کر دیکھا اور کہا ''دیکھ لیا'' آگے جا کر پتا نے پوچھا، چھوٹو کہاں ہے؟''

''کہیں کھیلنے چلا گیا۔ ابھی تک نہیں آیا''

''وہ بھی آ جاتا''

''رگھو کے ساتھ آ جائے گا''

''تم جھولا نہیں لائے'' رگھوور کی ماں نے پوچھا۔

''میں بھول گیا''

''ارے! یہاں کیا ملے گا۔''

''مکئی، بیر کا ندا کچھ تو ملے گا'' کچھ نہیں ملے گا تو تالاب سے جھولا دھو کر لے آئیں گے۔'' ''اسی پگڈنڈی سے چلو، دور برگد کا پیڑ نظر آ رہا ہے'' راستے میں ایک بڑا بندر ایک پیڑ سے اُتر کر دوسرے پیڑ پر چڑھ گیا۔

''دھواں اُٹھ رہا ہے اُدھر'' پتانے کہا۔

''بوڑھی اماں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی ہوگی۔''

ابھی تو سورج بھی نہیں ڈھلا۔''

''اُجالے، اُجالے کام کرنے میں اچھا رہتا ہے۔''

''ہاں''

بوڑھی اماں کی جھونپڑی دکھائی دی۔ جب وے وہاں پہنچے تو ایک بندریا پیٹ میں بچہ چپکائے اچانک کودتے ہوئے برگد کے پیڑ پر چڑھ گئی۔ ابھی ڈوبتے سورج کی روشنی تھی۔ اِدھر سورج اس طرح ڈوب ہو رہا تھا جیسے یہ پچھم کی جگہ ہے۔ پورا پچھم، ڈوبتے سورج سے ہلکا روشن تھا۔ اور اُس کا ڈوبنا بہت دیر سے ڈوبنا تھا۔ سورج کا ڈوبنا ٹھہرا ہوا ڈوبنا تھا۔ آس پاس اور دور دور سے پرندے اِدھر کے پیڑوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ یہ پوری جگہ ابھی بسیرے کی جگہ میں بدل رہی تھی۔

''یہاں جیون اتنا اچھا لگ رہا ہے کہ لگتا ہے کہ بہت جی گئے اور موت یہاں سے بہت قریب ہو'' پتانے کہا۔

''اتنا اچھا کہ بہت جینے کے بعد بھی بچا ہوا ہے۔ موت یہاں سے قریب ہو لیکن وہاں تک پہنچنے میں بہت دیر لگے گی۔''

''ٹھیک کہتی ہو۔ دیر کا جیون بچا ہے۔ کیا ہم یہاں سے موت کو دیکھ سکتے ہیں۔''

''بچے جیون کو دیکھ لینے کے بعد فرصت ملے گی تب۔ زندہ آنکھوں سے موت نہیں زندگی دیکھی جاتی ہے۔''

''ہاں''

اُن کی آواز سن کر بوڑھی اماں باہر آ گئی تھی۔ ہون کے دھوئیں کی خوشبو آ رہی تھی۔ بوڑھی اماں نے دونوں کو دیکھتے ہی ''جیتے رہو'' کہا۔

''چھوٹو نہیں آیا۔'' بوڑھی اماں نے پوچھا۔

"نہیں آیا"

بوڑھی اماں نے دونوں کے لئے چائے بنائی۔ رگھو کی ماں نے مدد کی۔ چائے جلدی بن گئی تھی۔ چائے پی کر دونوں پگڈنڈی پگڈنڈی گھومتے رہے۔ تھوڑی دور تک اُن کے آگے آگے ایک بندر دُم اٹھائے دوڑ رہا تھا۔ پھر کہیں چلا گیا۔ وے دونوں ڈوبتے سورج کے پچھمی حلقے میں تھے اس لئے اُجالے میں تھے۔ اُسی اُجالے میں دونوں جا رہے تھے۔ اُس کے باہر اُجالا کم ہو گیا تھا۔ ایک تالاب میں لال کنول تھا ایک چھوٹے تالاب میں سفید کنول تھے۔ پتا چھوٹے تالاب کے اندر گھُسے اور دو کنول کے پھول توڑے۔

"تم بھی توڑ لو"

"نہیں مجھ سے نہیں بنے گا"

"اسے توڑ دیہ پاس ہے" رگھو کی ماں اندر گھسی اور اس نے بھی ایک پھول توڑا۔ دونوں ٹیلے پر چڑھ گئے۔ پتوں کے ڈھیر کے پاس رگھو کی ماں کو سونسی کی ایک پاؤں پٹی ملی۔ دونوں لوٹنے لگے۔ راستے میں ایک بڑے پیڑ کے نیچے چوڑے پنکھڑیوں والے سفید پھول پڑے تھے۔ پیڑ پھولوں سے لدا تھا۔ پتا کو پھر جھولا کی یاد آئی۔

"جھولا ہوتا تو جھولے میں پھول بھر لیتے"

"یاد دلائی تو تھی"

"یاد کرنے کے بعد پھر بھول گئے۔"

رگھوور کی ماں کے من میں آیا کہ وہ ایک پھول چوٹی میں کھونس لیتی پر نہیں کھونسی۔ پتا کے من میں آیا کہ رگھوور کی ماں کی چوٹی میں وہ پھول کھونس دیتے پر نہیں کھونسے۔ پیڑ کے نیچے سے جب یہ آگے بڑھے تو پھولوں کی خوشبو ان کے ساتھ ہو گئی پر ان کو پتہ نہیں تھا۔ پہلے ایک پھول کی خوشبو ان کے ساتھ ہوئی پھر بہت سے پھولوں کی خوشبو ان کے ساتھ ہو گئی۔

سورج کے ڈوبنے کا پچھمی علاقہ ان کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ اس لئے ان کے ساتھ شام کا اُجالا تھا۔ وے دونوں کھڑکی کے پاس گئے تو دیکھا کہ رگھو کتاب پڑھ رہا

تھا۔ چھوٹو بھابی کے پاس منجرے پر لیٹا ہوا تھا وہ اپنی پیٹی کھول کر کچھ اُٹھانا، دھرنا کر رہی تھی۔ اتنے میں سب نے ایک ساتھ کھڑکی کی طرف دیکھا۔ شاید آہٹ آئی تھی۔ پر دونوں چپ چاپ آئے تھے۔ آہٹ نہیں تھی پر سب کو ایک ساتھ پھولوں کی خوشبو آئی تھی اُس خوشبو کی کوئی آہٹ ہوئی ہو۔ سب ایک ساتھ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آئے۔ اماں نے سر کو ڈھانک لیا تھا پتا نے کمرے کے اندر جانے کے پہلے کھڑکی کے باہر سے کنول کے پھول پکڑائے۔ سونسی کو لگا کہ اماں نے چوٹی میں پھول کھونسا ہے۔ اماں سر کو ڈھانکے ہوئی تھیں۔ اس لئے پتہ نہیں چلا۔ کمرے کے اندر آ کر پتا نئی چپل پہن کر کھڑے ہو گئے۔ اماں نے چپکے سے سونسی کے ہاتھ میں کچھ پکڑایا۔ سونسی نے دیکھا کہ اُس کی پاؤں پٹی تھی وہ ٹیلے پر بھول آئی تھی۔ رگھوور پرساد نے اماں کو پاؤں پٹی دیتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ بہت پھولوں کی خوشبو کے بعد ایک آخری پھول کی خوشبو اماں کے پاس بچ گئی تھی۔ اُس پھول کی خوشبو کو اماں کے پاس سے چلے جانے کی یاد نہیں تھی۔

اماں، پتا اور چھوٹو کو گئے ہوئے دو دن ہو گئے۔ چھوٹو کا رُکنے کا من تھا پر پتا کا من چھوٹو کو ساتھ لے جانے کا تھا۔ صبح جاتے وقت پتا پاخانے کا تالا اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے پر رگھو کی ماں نے منع کر دیا تھا۔ جب بہو نے اماں کے پاؤں چھوئے تب اماں نے اپنے کان سے سونے کی ایک چھوٹی پھُلّی اتاری اور کہا، ''بہو! اسے تو رکھ لے ایک کان میں پہن لینا، دوسرے کان کا چھوٹو کی دُلہن کے لئے ہے۔''

''جانے کا من نہ ہو تو تم رک جاؤ'' رگھوور کے پتا نے کہا۔ ''چلو'' اماں نے کہاں۔

''چھوٹو بھیا بھابی کے پاؤں چھوئے، رگھوور نے پتا اور اماں کے۔ سونسی نے پتا اور اماں کے دوبارا پاؤں چھوئے۔

بس کے جانے کے بعد بھی رگھوور پرساد وہیں آس پاس گھومتے رہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد گھر آئے۔

''سونسی تم نے اماں کی پھُلّی کان میں پہن لی؟''

''نہیں'' سونسی کے کانوں میں چاندی کی گول بالی تھی۔ اُس نے ایک بالی اتاری اور سونے کی پھلّی پہنی۔

''اس کو رکھ دوں۔'' اس نے اتاری ہوئی چاندی کی بالی کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔

''دوسرے کان میں اس کو بھی پہن لو''

''دو چاندی کی بالی ایک ساتھ''

''ہاں ایک ساتھ۔ ایک میں دو چاندی کی بالی اور دوسرے میں اماں کی سونے کی پھلّی''

''پاؤں پٹی پہن لی''

''ہاں'' سونسی نے رگھوور پرساد کو اپنے دونوں پاؤں دکھائے۔ کھڑکی کی چوکھٹ پر ایک سانولی لڑکی کھڑی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چوکھٹ پکڑے ہوئے کھڑی تھی وہ تیار ہو کر آئی تھی۔ چوکھٹ پر اُس کے دونوں ہاتھوں کی ایک ایک چھوٹی انگلیوں میں نیل پالش لگی ہوئی تھی۔ سونسی اُس کے پاس آئی۔

''اندر آؤ گی''

''نہیں'' اُس نے شرما کر کہا۔

''اچھا رُکنا'' سونسی نے کہا۔

سونسی نے اپنی پیٹی کھولی۔ ایک پُرانے ٹین کے ڈبے میں نیل پالش، بالوں کی کلپ، بندی ربڑ بینڈ اور ایک جوڑا نیا لال فیتہ تھا۔ سونسی نیل پالش کی شیشی لیکر کھڑکی کے پاس آئی۔ گھٹنے کے بل وہ بیٹھ گئی۔ ''ہاتھ مت ہلانا میں تمہاری سب انگلیوں میں نیل پالش لگا دیتی ہوں'' ہر لڑکی اُچک اُچک کر اپنی انگلیوں میں نیل پالش لگانا دیکھنا چاہتی تھی۔ سونسی نے اُس کی انگلیوں میں نیل پالش لگا دی۔

''پیر میں؟''

''ابھی پیر میں نہیں''

کھڑکی کی طرف دونوں نے آڑ کے لئے کھٹیا کو گھمایا۔ کھٹیا کی آڑ میں اُنہوں نے تہہ کیا ہوا بستر رکھ دیا تھا۔ کھٹیا کی یہ آڑ اُن کے کمرے کے اندر دوسرا کمرہ تھی۔ رگھوور پرساد کا کالج جانے کا دل نہیں تھا۔ ہاتھی نہ آئے تو اچھا ہے۔ چھوٹو دوبار ہاتھی پر بیٹھ کر کالج گھوم آیا تھا۔ پچھلے دو دنوں سے رگھوور پرساد کالج سے جلدی آرہے تھے۔ کھٹیا کی آڑ میں رگھوور پرساد بیٹھے ہوئے تھے۔ سونسی بھی وہاں آکر لیٹ گئی۔

''لیٹ جاؤ'' سونسی نے کہا۔

''ابھی ہاتھی کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔''

''جب ہاتھی آئے گا تب اُٹھ جانا''

''اچھا'' کہہ کر رگھوور پرساد لیٹ گئے۔

''دیدی! دیدی!'' دو تین بچوں کی زور زور سے چلانے کی آواز آئی۔

''کیا ہے؟'' سونسی نے کھٹیا کی آڑ سے جھانک کر کہا۔

''میری انگلی میں بھی نیل پالش لگا دو'' تینوں لڑکیوں نے کہا۔ تینوں ہاتھ منہ دھو کر آئی تھیں اُن کی انگلیاں چوکھٹ پر جمی تھیں۔

''رُکو ابھی آتی ہوں'' سونسی نیل پالش لے کر پھر بیٹھ گئی۔ یہ دیکھ رگھوور پرساد کھٹیا کی آڑ سے باہر آگئے۔ اُنہوں نے کالج جانے کی تیاری شروع کر دی۔ کپڑے پہن لئے۔

''کیا ہوا''

''اب کالج جا رہا ہوں'' سونسی جلدی جلدی نیل پالش لگاتی رہی تیسری لڑکی کا صرف ایک ہاتھ چوکھٹ پر تھا۔

''تمہارا دوسرا ہاتھ دو'' تیسری لڑکی سے سونسی نے کہا۔

''نہیں ہے'' لڑکی نے کہا۔ سونسی نے کھڑے ہو کر دیکھا کہ کہنی کے پاس اُس کا ہاتھ کٹا ہوا تھا۔

''میں تمہاری مانگ میں بندی لگا دیتی ہوں'' سونسی نے اُس کی پیشانی پر ایک بندی لگا دی۔ ''ہاں! ٹھنڈا ہے'' اُس لڑکی نے خوش ہو کر کہا۔

ہاتھی آیا۔ باہر آواز آ رہی تھی۔ رگھوور پرساد نے دروازہ کھولا۔ ہاتھی دور تھا۔ ''میں جاتا ہوں'' کہہ کر ہاتھ میں جوتا پکڑے نیم کے پیڑ کے نیچے جا کر کھڑے ہو گئے۔ ہاتھی آیا۔ رگھوور پرساد جوتا لئے ہاتھی پر بیٹھ گئے۔ ہاتھی چلا گیا تو سونسی اداس ہو گئی۔ وہ گھر کا کام کرنے لگی۔ جب تک رگھوور پرساد گھر میں رہتے سونسی کا کام رُکا ہوا ہوتا۔ وہ رگھوور پرساد کے آنے کے پہلے سب کام کر لینا چاہتی تھی۔

شام کو رگھوور پرساد جب لوٹے تو انہوں نے سادھو سے چائے پی کر جانے کے لئے کہا۔ رگھوور پرساد اندر آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد سادھو کو دیکھنے وہ باہر آئے تو سادھو نظر نہیں آیا۔ ہاتھی وہیں سونڈ ہلاتے ڈُلاتے کھڑا ہوا تھا۔ چوں کہ وہ ہاتھی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس لئے اُسے آس پاس ہی ہونا چاہئے تھا۔ جلدی آ جائے گا۔ ہاتھی بندھا ہوا نہیں تھا۔ ہاتھی کے آس پاس ایک دو بچے، بڑے اکٹھے ہو رہے تھے۔ رگھوور پرساد نے اُن کو ہوشیار کرتے ہوئے کہا، ''ہاتھی کھُلا ہوا ہے دور رہنا'' آس پاس کھڑے ہوئے لوگ دور چلے گئے۔ ہاتھی نیم کے پیڑ کی ڈال کو سونڈ سے پکڑ کر توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رگھوور پرساد ہاتھی پر دھیان رکھے بیٹھے تھے۔ ہاتھی پہلے وہیں پر ادھر اُدھر ہوتا رہا پھر تھوڑا آگے پیچھے چلنے لگا۔ رگھوور پرساد کو خوف معلوم ہو رہا تھا۔ پڑوسیوں کو بھی ڈر لگنے لگا تھا کچھ ہوتا تو ذمہ داری رگھوور پرساد کی ہوتی۔ رگھوور پرساد سوچ رہے تھے کہ وہ اب کبھی ہاتھی پر نہیں بیٹھیں گے۔ ہاتھی پر نہیں جائیں گے تو ہاتھی یہاں آئے گا بھی نہیں۔ کم سے کم اس طرح کا خطرہ نہیں ہوگا۔ سونسی دروازے کے پاس کھڑی تھی۔ ''سونسی تو اندر جا، دروازہ اندر سے بند کر لینا'' رگھوور پرساد نے کہا۔ سونسی کا اندر جانے کا من نہیں تھا۔ وہ رگھوور پرساد کے پاس کھڑے رہنا چاہتی تھی۔

''سونسی دروازہ بند کر دو کھڑکی سے ہوا آ رہی ہے۔''

''میں تمہارے پاس رہوں گی۔''

''اچھا گھر میں کوئی ڈنڈا ہے کیا؟''

''ڈنڈا کیا کرو گے؟''

''گھر کی طرف ہاتھی آئے گا تو اُسے ہٹ ہٹ کر کے بھگا تو سکیں گے۔ شاید وہ ڈر جائے۔''

''ہاتھی ڈنڈے سے ڈر جائے گا'' سونسی نے پوچھا۔

''اور کیا کر سکتے ہیں۔ تم ڈنڈا تو لے آؤ شاید ڈر جائے''

چھوٹو کے کھیلنے کا ایک چھوٹا ڈنڈا پڑا تھا اُسے لے کر وہ آئی۔ ''یہی ہے''

''اور بڑا نہیں تھا''

''نہیں، یہی ہے''

''ٹھیک ہے اسی سے کام چلائیں گے''

''تم جا کر آس پاس دیکھو سادھو کہیں بیٹھا ہوگا''

''کہیں اچانک چلا تو نہیں گیا''

''یہ دھوکا دے کر جانا ہوا''

''اچانک دھوکا دے کر'' پتنی نے کہا

''تم دروازہ بند کر لو گی''

''ہاں میں دروازہ بند کر لوں گی''

رگھوور پرساد سادھو کو دیکھنے گئے۔ پتنی دروازہ بند کر باہر آئی۔ وہ رگھوور پرساد کو دیکھ رہی تھی۔ رگھوور کو جاتے ہوئے ہاتھی نے بھی دیکھا۔ ہاتھی رگھوور پرساد کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔ اتنے دنوں میں ہاتھی رگھوور پرساد کو پہچاننے لگا تھا۔ رگھوور پرساد کو ہوشیار کرنے سونسی دوڑنے لگی۔ ہاتھی دھیرے دھیرے جا رہا تھا۔ ہاتھی کے پیچھے جاتی ہوئی ایک بھیڑ ڈر کر رُک گئی تھی۔ سونسی رگھوور پرساد کے پاس پہنچی۔ اُس نے کہا ''تمہارے پیچھے پیچھے ہاتھی آ رہا ہے'' سونسی رگھوور پرساد کو بھینچ کر نا قابل دید کر دینا چاہتی تھی۔

''کیا ہوا'' چونک کر رگھوور پرساد نے سونسی سے پوچھا۔

''تمہارے پیچھے ہاتھی آرہا ہے'' سونسی نے رگھوور پرساد کو پکڑے ہوئے کہا۔

''وہ تو آ گیا'' سونسی کے سر کی لٹ کو ہٹاتے ہوئے رگھوور پرساد نے کہا۔

سونسی کو لپٹاتے ہوئے وہ خوف زدہ تھے۔ ہاتھی اُن کے پاس کھڑا تھا۔ دونوں نے دیکھا اب سڑک پر کوئی نہیں تھا۔ سڑک خالی ہو گئی تھی۔ دروازے بند تھے۔ سیرس کے پیڑ پر ایک، بارہ تیرہ سال کا لڑکا بیٹھا تھا۔ وہ پیڑ پر بیٹھا بیڑی پی رہا تھا۔ وہ ہاتھی سے ڈر کر، پیڑ پر نہیں بیٹھا تھا۔ چھپ کر بیڑی پینے کے لئے پیڑ پر بیٹھا تھا وہاں ہاتھی سے محفوظ بیڑی پیتے بیٹھے رہنا اُسے اچھا لگ رہا تھا۔ اُس نے سیرس کی ایک ڈال توڑی اور ہاتھی کی طرف پھینکی۔ ہاتھی نے سونڈ بڑھا کر ڈال کو اٹھایا اور سونڈ کو ادھر اُدھر ڈلاتے ہوئے چھوڑ دیا۔ رگھوور پرساد جانے کو تھے۔

''آؤ چلیں'' رگھوور پرساد نے کہا۔ رگھوور پرساد اور سونسی کو لوٹتے دیکھ ہاتھی نے زوروں سے سر ہلایا پھر اُن کے پیچھے ہولیا۔ رگھوور پرساد سونسی کو گھر کے اندر لے گئے۔ ہاتھی پیڑ کے پاس کھڑا رہ گیا۔ اچھا ہوا وہیں رُک گیا۔ پیچھے پیچھے گھر کے اندر آ سکتا تھا۔ رگھوور پرساد نے دروازہ سٹا دیا تھا۔ تھوڑی دیر وہ سونسی کے ساتھ چارپائی کی آڑ میں لپٹے رہے، پھر اُٹھے۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''ہاتھی کو دیکھتے پتہ نہیں وہاں ہے یا نہیں۔ سادھو آ کر لے گیا ہو۔''

''کوئی گھر کے سامنے ہاتھی چھوڑ جائے گا تو ہم کیا کریں گے؟'' سونسی نے کہا۔

رگھوور پرساد نے دروازہ کھولا۔ ہاتھی وہاں نہیں تھا۔ ''ہاتھی نہیں ہے'' ان کے منہ سے نکلا۔ سونسی اُٹھ کر آئی۔

''کیا سادھو لے گیا؟''

''ہو سکتا ہے'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''ہاتھی خود چلا گیا ہوگا۔ تم بھی نہیں تھی دروازہ بند تھا۔ ہاتھی اکیلا پڑ گیا ہوگا اور وہ چلا گیا''

''ہاں! ہاتھی کے ساتھ باعزت برتاؤ کرنا چاہئے تھا۔ ہاتھی سے کہتے تم کہیں جانا نہیں ہم آتے ہیں تو شاید وہ ہمارا کہا سمجھ جاتا اور جانے کے پہلے ہمارا راستہ دیکھتا۔''

''سادھو ہاتھی کو پوچھے گا تو کیا جواب دیں گے؟''

''ہماری غلطی نہیں ہے۔ وہی چھوڑ گیا تھا۔ اُس کی ذمہ داری ہے۔ میں کسی سے پوچھتا ہوں کہ ہاتھی اکیلا گیا یا کوئی اُسے ساتھ لے گیا۔ کسی نے تو دیکھا ہوگا''

''سڑک میں سناٹا ہے کوئی نہیں نظر آرہا ہے''

''پھر بھی دیکھتا ہوں۔ کوئی نہ کوئی ہوگا۔''

رگھوور پرساد کو کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ سڑک کے کنارے کے پیڑ کے اوپر چھپ کر بیڑی پینے والا لڑکا پیڑ پر بیٹھا تھا۔

''کیا تم نے ہاتھی کو دیکھا ہے، کدھر گیا ہے؟'' رگھوور پرساد نے پیڑ پر بیٹھے ہوئے لڑکے سے پوچھا۔ ''ادھر گیا ہے'' اپنی بیڑی چھپا کر لڑکے نے پیڑ کے اُوپر سے اشارا کیا۔ پیڑ کے کھوکھلے میں بیڑی کا بنڈل اور ماچس وہ چھپا کر رکھتا تھا۔

''اکیلا ہاتھی تھا؟''

''نہیں ایک سادھو تھا۔'' پیڑ کے اُوپر سے اُس نے کہا۔

سادھو ہاتھی لے گیا۔ چائے پینے نہیں آیا۔ بتا کر بھی نہیں گیا۔ لگتا ہے سادھو بالکل اچانک نہیں جائے گا۔ دھیرے دھیرے اچانک جائے گا۔ پہلے آدھے گھنٹے کے لئے۔ پھر چار گھنٹے کے لئے دس دن کے لئے پھر دس بیس سال کے لئے۔ بیس سال کے بعد جیون کتنا بچے گا تا حیات چلا جائے گا جو تا حیات چلا جاتا ہو، کوئی کھوج خبر نہ ہو۔ موت کی خبر نہ ہو تو اپنے چلا گیا میں وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ نسل در نسل کے لئے پھیلا ہوا نہ ہو تو اس کے لوٹ آنے کا اندیشہ نسل در نسل بنا رہتا ہے۔ جیسے ہی یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ وہ مر گیا ویسے ہی اُس

کے لوٹنے کے لامتناہی وقت کا انتظار ختم ہو جاتا ہوگا۔

سڑک پر اکا دکا آدمی اب دکھائی دینے لگے تھے۔ ایک سائیکل دکھائی دی۔ پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بیل گاڑی آئی۔ آنے جانے کا جو منظر موقوف تھا وہ شروع ہو رہا تھا۔ یہ آتے جاتے کے منظر کی ابتدا بھی ایک ہی دو آدمی آتے جاتے نظر آرہے تھے۔ یہ شروعات بہت دیر تک شروعات بنی رہی جب کہ ایک آزاد شدہ ہاتھی بہت دیر سے قابو میں آچکا تھا۔ جب آزاد تھا تب ہاتھی اپنے پالتو پن میں اکیلا ہو گیا تھا۔ اس بستی میں وہ ایک سیدھا سادا قوی سبزی خور ذی روح تھا۔ وہ اتنا سیدھا سادا تھا جتنا ایک ہرن جنگل میں ہو سکتا تھا۔

پیڑوں کے ہر ہرانے کی آواز میں
چڑیوں کے چہچہانے کی آواز بیٹھی تھی

رگھوور پرساد سوکر اُٹھے تو وہ بھول گئے کہ آج کون سا دن تھا۔ سات دنوں کے ہفتہ میں ایک آدھ دن کون سا دن ہو جاتا تھا۔ یہ کون سا دن کبھی تھوڑا کبھی پورا گذر جاتا تھا۔ بغیر دن کا پتہ چلے کہ منگل ہے کہ جمعرات، کام ہو جاتا تھا۔ اگر چہ یہ کون سا دن کسی بھی دن جیسا تھا پر آج کا دن تھا۔ اس کون سے دن کی آج کی صبح تھی۔ کون سے دن کے آج کے پیڑ تھے۔ پر آج کے پیڑ وہی پیڑ تھے۔ سب کچھ وہی تھا اور دن معلوم نہیں تھا۔

کھڑکی سے جو ہوا اُنہیں لگی تھی وہ کسی نہ کسی چھوڑ سے چلی ہوگی۔ ہوا کے سمندر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تب بھی ہوا کی ایک اندرونی لہر کا جھونکا رگھوور پرساد کو لگا رگھوور پرساد ہوا کے احساس سے اُٹھے تھے۔ ہوا نے جھنجھوڑ کر احساس کرایا تھا۔

کالج جاتے وقت رگھوور پرساد افسردہ دل تھے۔ ہاتھی کے آنے کے وقت کے قریب آتے جانے کی وجہ سے اُن کی افسردگی بڑھ رہی تھی۔ ہاتھی سے جانے کا اُن کا دل نہیں تھا۔ اگر کوئی اُنہیں یہ خبر دیتا کہ کے آج ہاتھی نہیں آئے گا تو وہ چھٹکارا پا جاتے۔ اپنی خواہش کے مطابق کسی ایک ٹمپو پر مناسب جگہ دیکھ کر بیٹھ جاتے۔

''ابھی تک ہاتھی نہیں آیا'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''ابھی تو وقت ہے۔ تھوڑی دیر دیکھ لو'' سونسی نے کہا۔

''میں ٹمپو سے چلا جاتا ہوں''

''بھات بن گیا ہے۔ کھا کر جانا۔ تب تک ہاتھی آجائے گا''

''مجھے بھوک نہیں ہے'' رگھوور پرساد کو سچ مچ بھوک نہیں تھی تب بھی وہ تھوڑا بھات

کھا سکتے تھے۔ وہ گھر سے نکل جانا چاہتے تھے۔

''ہاتھی آجائے گا تو کیا میں ہاتھی سے کھانا لے کر آجاؤں گی؟'' سونسی نے جار ہے رگھوور پرساد سے پوچھا۔

''بھوک لگے گی تو میں وہاں گاؤں میں ٹوکری والی سے چنا لے کر کھالوں گا'' رگھوور پرساد نے کہا۔

لیکن سونسی نے سنا ''بھوک تو لگے گی۔ بھات لے کر آجاؤ گی تو میں وہاں کھالوں گا۔''

''ٹمپو کے لئے جب کھڑے ہوئے تو چار تاڑ کے پیروں کو دیکھتے ہوئے میں رگھوور پرساد ہاتھی کا انتظار نہیں کر رہے تھے۔ پہلے کی طرح ہاتھی کا آتے ہوئے دیکھنے کا ایک مستقل جیسا منظر ابھی تک نہیں نظر آرہا تھا۔ وہ منتظر ہاتھی کا انتظار کر رہا تھا کہ ہاتھی آئے تو وہ آتے ہوئے ہاتھی پر بیٹھا ہوا دیکھ پاتے۔ اُن کو ایک خالی ٹمپو مل گیا تھا۔

سونسی نے ہاتھی کے چنگھارنے کی آواز سنی۔ دروازہ کھول کر اُس نے دیکھا، ہاتھی کھڑا تھا۔ سونسی نے جلدی سے پیتل کے ایک قلعی کیے ہوئے ڈبے میں بھات، بھات کے اوپر بھاجی اور ایک اچار ڈال کر ڈبہ بند کیا۔ وہ نہائی دھوئی تھی پر اُس نے کنگھی نہیں کی تھی۔ ڈبہ لے کر وہ باہر آئی اُس نے تالا بند کیا۔

ہاتھی کے پاس جا کر اُس نے سر اُٹھا کر سادھو سے کہا۔ ''دیر ہوگئی اس لئے چلے گئے۔ بھات کھا کر بھی نہیں گئے ڈبے میں ہے۔''

''دیر تو نہیں ہوئی۔ کل کے مقابلے تو آج جلدی آیا ہوں۔ ڈبہ دے دو تو میں پہنچا دوں گا۔''

''میں ساتھ چل رہی ہوں'' سن کر سادھو نے ہاتھی کو بٹھایا۔ سونسی ہاتھی پر چڑھ گئی۔ ''چلوں؟'' سادھو نے پوچھا۔ ''ہاں چلو'' سونسی نے کہا۔ سونسی ایک ہاتھ سے ڈبہ گود میں سنبھالی ہوئی تھی۔ ایک طرف دونوں پاؤں ڈال کر وہ بیٹھی تھی۔ پنڈلی تک ساڑی کھینچ گئی

تھی۔ پاؤں میں چاندی کی پاؤں پٹی تھی۔ ٹمپو والی جگہ میں سادھو نے ہاتھی کو روکا۔ سونسی کی پیٹھ دُکانوں کی طرف تھی۔ اُسے لگا کہ رگھوور پرساد کو ٹمپو نہیں ملا ہوگا تو وہ بھی ہاتھی پر بیٹھ جائے۔ سادھو اُترا۔ وہ دیکھ نہیں پا رہی تھی کہ سادھو کیا کر رہا ہے۔ شاید چائے پینے لگا ہو۔ ایک ٹرک آ رہی تھی۔ سونسی نے ڈبے کو اور اچھے سے سنبھالا۔ وہ تاڑ کے پیڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہاتھی سر ڈلاتا ہوا کھڑا تھا ایک دو قدم وہ آگے پیچھے بھی ہو جاتا تھا۔ ایک ٹمپو پاس آ کر رُکا تو اُس کی سوچ میں آیا کہ کیا وہ ڈبہ سنبھالے ہوئے کود سکے گی۔ اگر کود جائے تو ٹمپو میں چلی جائے گی۔ اگر وہ ہاتھی کو چلنے کے لئے کہے تو کیا ہاتھی اُس کا کہنا مانے گا۔ سادھو آ گیا تھا۔ رگھوور پرساد بیٹھ گئے ہوتے تو وہ راستے میں ایک بار ضرور پوچھتی۔ ''بھوک لگی ہے بھات دوں۔''

''یہاں ہاتھی پر کھاتے بنے گا؟''

''ہاں کیا ہوا''

''کھاتے کھاتے گر نہیں جائیں گے!''

''میں کھلا دوں؟''

''کھلاتے کھلاتے تم گر جاؤ گی'' رگھوور پرساد کہیں گے۔

بس میں بیٹھے بیٹھے بھات کھایا جا سکتا تھا ہاتھی پر پوڑی کا چونگا ٹھیک رہتا۔ رگھوور پرساد کے لئے کھانا لے کر جاتے ہوئے سونسی خوش تھی۔ وہ اپنے گھر سے کالج تک کی آٹھ کیلومیٹر کی مسافت نہیں طے کر رہی تھی۔ وہ اپنی ایک تنہائی کا سفر کر رہی تھی جس کی انتہا رگھوور پرساد تھے جس کی دوری آٹھ کیلومیٹر تھی۔ وہ اکیلے پن کا سفر کر رہی تھی۔ رگھوور پرساد کے ملتے ہی یہ سفر ختم ہو جاتا۔ اس من ہی من کے سفر کے اتفاق میں سچ مچ کا ہاتھی مل گیا تھا۔

کالج کے سامنے بلّی گاڑنے کی جگہ کے پاس ہاتھی رُکا۔ ہاتھی وہیں رُکتا تھا۔ دو تین دن پہلے کے ہاتھی کی لید وہاں پڑی تھی۔ سونسی ڈبہ پکڑے سنبھل کر اُتر گئی۔

''میں کھانا کھلا کر ٹمپو سے گھر لوٹ جاؤں گی۔ رُک نامت'' اُس نے سادھو سے کہا۔ جاتے جاتے سادھو نے سونسی سے ''پرنام'' کہا۔

کلاس سے، پڑھاتے ہوئے رگھوور نے سونسی کو دیکھ لیا تھا۔ تب صدر شعبہ بھی کمرے سے نکلے تھے۔ ہاتھی سے اُترتے ہوئے سونسی کو اُنہوں نے پہچان لیا تھا۔ سونسی کے لئے وہ رُک گئے تھے۔ سونسی صدر شعبہ کی طرف بڑھی پاس آکر اُس نے صدر شعبہ کو پرنام کیا۔

پیڑ کے نیچے ٹوکری لئے چنا مُرّا والی عورت بیٹھی تھی۔ ایک بوڑھیا بیر کوٹ بسکٹ لیکر بیٹھی تھی۔ کالج کے لڑکے چنا، مُرّا زیادہ کھاتے تھے۔ پراتھمک شالا کے بچے بیر کوٹ بسکٹ لیتے تھے۔ سونسی نے سوچا وہ کھانا نہیں لاتی تو رگھوور پرساد چار آنے کا چنا، مُرہ لیتے اور ہینڈ پمپ سے پانی پیتے۔

''کیا بات ہے؟'' صدر شعبہ نے پوچھا۔

''کھانا کھا کر نہیں آئے تھے، سر!''

''کیوں! جھگڑا ہو گیا تھا!''

''کھانا بنا نہیں تھا۔ دیر ہو گئی تھی'' جھگڑا کیوں ہوگا کہ حیرت سے سونسی نے صدر شعبہ سے کہا تھا۔

''ڈبہ دے دو'' صدر شعبہ نے کہا۔

''میں رکوں گی'' کہتے ہوئے وہ ایک پیڑ کے نیچے بیٹھنے کے لئے بڑھی۔

''کمرے میں بیٹھ جاؤ'' صدر شعبہ نے کہا۔ لیکن سونسی نے نہیں سُنا۔ پاس ہی ایک برگد کا پیڑ تھا۔ اس پیڑ کی جڑیں زمین پر اُبھری تھیں۔ ایک موٹی اُبھری جڑ پر وہ بیٹھ گئی۔ بیٹھے بیٹھے وہ پورے کالج کو دیکھ رہی تھی۔ رگھوور پرساد کہیں سے بھی نکلتے تو کوئی اور دیکھ پاتا اسکے پہلے وہ دیکھ لیتی۔ اتنے میں پراتھمک شالا کے بچوں کی پانی پیشاب کی چھٹی ہوئی۔ جھنڈ کے جھنڈ بچے ہونٹوں پر اُنگلی رکھے نکلے۔ کچھ بچے بھاگتے ہوئے بیر کوٹ والی

بوڑھیا اور چنامُرا والی کی طرف دوڑے۔ سونسی کا دھیان بچوں کی وجہ سے بنٹ گیا تھا۔ اس بنٹے ہوئے دھیان کے بیچ رگھوور پرساد سونسی کے سامنے آ گئے۔ جب سونسی کو دھیان آیا تھا تب سونسی کے پاس بیٹھ گئے تھے۔

''کب آ گئے؟'' سونسی نے پہلے پوچھا۔

''کھانا لائی ہو؟''

''چلو، کھالو''

''یہاں نہیں۔ ابھی تو وقت ہے۔''

ہاتھ مُنھ دھولو، چوک لگی ہے۔'' دونوں ہینڈ پمپ تک گئے۔ ایک چھوٹا لڑکا پانی پی رہا تھا۔ اور ایک چھوٹی لڑکی اُچک اُچک کر ہینڈ پمپ چلا رہی تھی۔ رگھوور پرساد کو دیکھ، بچہ ہٹ گیا۔

''پانی پی لئے؟'' رگھوور پرساد نے پوچھا۔ سُن کر وہ بھاگتا ہوا جھنڈ میں مل گیا۔ چھوٹی لڑکی کا ہینڈ پمپ چلانا رُکا نہیں تھا کہ وے لوگ بھی پی لیں۔ ''میں چلاتی ہوں تم پانی پی لو۔'' سونسی نے لڑکی سے کہا۔ سُن کر لڑکی بھاگتی ہوئی چلی گئی۔ بھاگتے بھاگتے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی تھی۔ سونسی نے ہینڈ پمپ چلایا۔ رگھوور پرساد نے اچھے سے ہاتھ مُنھ دھویا، پھر پانی پیا۔ پرنسپل اور دفتر کے لوگ برآمدے میں کھڑے تھے۔ سونسی نے پونچھنے کے لئے اپنا آنچل بڑھایا تھا پر رگھوور پرساد نے نہیں پوچھا۔

دونوں کالج سے کچھ دور ایک ڈبرے کے پاس کی چٹان پر بیٹھ گئے تھے۔ وہاں بھی درخت کا سایہ تھا۔ ڈبرے میں چھوٹے چھوٹے چار پانچ پُرین کے پتے تھے ڈبرے کے کنارے ایک جگہ دُھونیاں اُگی تھی۔ ہرے ہرے گول پتے تھے۔ سونسی نے ڈبہ کھولا۔

''لال بھاجی ہے؟''

''ہاں بھات کے ساتھ اچھی لگے گی''

کھانا کھا کر رگھوور پرساد نے ڈبرے کے پانی سے ہاتھ دھویا۔ سونسی نے چٹان

کے اوپر گرے جوٹھوں کو اُٹھا لیا تھا۔ تھوڑی مٹی لگا کر جلدی سے اُس نے ڈبہ مانجا۔ ہاتھ میں پانی لیکر چٹان کی جوٹھن کی جگہ پر اس نے چھڑ کا اور اُسے لیپ دیا۔ رگھوور پرساد نے پتنی کے آنچل سے ہاتھ منھ پونچھا۔

''تمہاری ساڑی سے گھی کی مہک آرہی ہے''

''گھی کی مہک! پتہ نہیں کیسے آرہی ہے'' سونسی نے کہا۔

''تم دوسری ساڑی پہن کر آتیں''

''صاف دُھلی تو ہے'' گرہستی کے اتنے دن نہیں ہوئے تھے کہ روز کی پہنی ساڑی بھی پرانی ہو جاتی۔ ہینڈ پمپ تک دونوں آئے۔ سونسی نے ہینڈ پمپ چلایا۔ رگھوور پرساد نے پانی پیا۔

''میں بھی پیوں گی''۔ سونسی نے کہا۔

''رگھوور پرساد نے ہینڈ پمپ چلایا۔ سونسی نے منہہ دھویا اور پاؤں دھوئے۔''

''آج تم نے کنگھی نہیں کی'' رگھوور پرساد نے سونسی کے بکھرے بالوں کو دیکھ کر پوچھا۔

بندھی چوٹی میں سر پر کنگھی پھرا دو تو کام چل جاتا ہے۔ جلدی میں کنگھی پھرانے کی یاد نہیں رہی۔''

''کلاس کی طرف جاتے ہوئے آٹھ دس چھوٹے چھوٹے بچوں کا جھنڈ ہونٹوں پر انگلی رکھے پاس سے نکلا۔

''دھونیاں کے پتے توڑنا بھول گئی۔ جاتے جاتے توڑ لوں گی۔''

''توڑ لینا'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''میں جاؤں؟''

''تم کو سڑک تک چھوڑ دوں''

''نہیں تم جاؤ''

"جلدی آنا" زور سے سونسی نے کہا۔

جاتے ہوئے رگھوور پرساد پلٹ گئے تھے۔

"ہاں جلدی آؤں گا" رگھوور پرساد نے دھیرے سے کہا۔ "جلدی آنا" بولتے ہی سونسی کو لگا تھا کہ اُس نے زور سے بولنے کی غلطی کی۔ اُس نے اپنے، مسکراہٹ والے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی تھی۔ دھونیاں کی پتّی توڑنے کے لئے وہ ڈبرے تک گئی۔ بڑی بڑی آٹھ دس پتّی اُس نے توڑیں۔ وہ سڑک پر آ گئی۔ کچھ دیر کھڑے رہ کر اُس نے ٹمپو کا راستہ دیکھا۔ پھر گھر کی طرف جانے لگی۔ صدر شعبہ نے رگھوور پرساد سے کہا۔ "آپ کی پتنی چلی گئی؟"

"جی سر"۔

"کیا کھائے؟"

بھات اور لال بھاجی"

"کیا وہ ہاتھی سے لوٹ گئی؟"

"نہیں سر! ہاتھی شام کو لوٹے گا۔ وہ ٹمپو سے چلی گئی، اب تک تو ٹمپو مل گیا ہوگا۔"

"نہ ملا ہو، تم ابھی جاؤ گے تو راستے پر کھڑی وہ مل جائے گی۔"

"نہیں سر! ٹمپو دیکھتے ہوئے گھر کی طرف چلی گئی ہوگی۔"

"سائیکل سے جاؤ گے تو مل جائے گی۔"

"ٹمپو مل گیا ہوگا تو وہ گھر پہنچ رہی ہو۔"

"ٹمپو نہیں ملا ہوگا" صدر شعبہ نے کہا۔

"ابھی تیسرے سال والوں کا کلاس باقی ہے"

"میں پڑھا دوں گا۔ تم اپنی پتنی کو گھر چھوڑ دو رگھوور پرساد" صدر شعبہ نے زور دے کر کہا۔

"جی سر!"

''پرنسپل نہیں تھے، چلے گئے تھے پھر رگھوور پرساد اس طرف سے بیچ رہے تھے۔
''یہ کس کی سائیکل ہے سر!''
''کسی کی بھی ہو رگھوور پرساد! تم لے جاؤ۔ کل جلدی لے آنا۔ جس کی سائیکل ہوگی بتادوں گا۔''
''کل وقت پر ہاتھی آ گیا تب سر!''
''ہاتھی پر سائیکل لاد کر مت بیٹھنا رگھوور پرساد۔ ہاتھی آنے کے پہلے وقت پر سائیکل سے آجانا۔''
''جی سر!''

رگھوور پرساد سائیکل سے بھاگے۔ سونسی کو ٹمپو نہیں ملا ہوگا تو وہ سائیکل پر بیٹھا لیں گے۔ گھر پہنچ گئی ہوگی تو وہ بھی گھر پہنچ جائیں گے۔

سونسی جا رہی تھی۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ ساڑی نے پھر پھرانے سے آکرتی میں پہچان نہیں بن رہی تھی۔ اتنے میں آگے کے آدھے آکاش میں کالا بادل چھا گیا۔ رگھوور پرساد کھلی دھوپ میں سائیکل چلا رہے تھے۔ انہیں پہلے بادل کے سائے تک پہنچنا تھا، وہ کچھ پاس پہنچے ہوں گے۔ شاید سونسی تھی۔ بادلوں کے بیچ تھوڑی سی چمکدار دھوپ نکلی رہتی ہے، اُس طرح بدلی میں سڑک پر جاتی ہوئی سونسی کے ارد گرد چمکدار دھوپ کا اُجالا نظر آ رہا تھا۔

''سونسی رُکو'' رگھوور پرساد نے زور سے آواز دی
سونسی مڑی وہ دھوپ میں جگ مگ کھڑی تھی۔ دھوپ بھی ٹھہر گئی تھی۔ ہانپتے سے رگھوور پرساد سائیکل سے اُترے اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ ''بہت تیز چلتی ہو'' رگھوور پرساد نے کہا۔
''نہیں تو۔ تم کیوں آ گئے؟''
''صدر شعبہ نے چھٹی دے دی''

''کیوں؟''

تم کو چھوڑنے کے لئے۔ سائیکل بھی دی تاکہ میں تم کو پاسکوں۔ چلو سائیکل پر بیٹھ جاؤ'' کیریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رگھوور پرساد نے کہا۔

''میں پیچھے کیریر پر نہیں بیٹھ سکتی۔'' دھونیاں کی پتیاں بائیں ہاتھ میں پکڑی وہ سائیکل کے سامنے بیٹھ گئی۔ رگھوور پرساد آرام سے سائیکل چلا رہے تھے۔ گھر ابھی دور تھا۔ دونوں بازو کھیت تھے، جن میں دھان لگے تھے۔ سونسی کے بالوں کی وجہ سے رگھوور پرساد کی ناک میں زور کی سرسری ہوئی اور چھینک آگئی۔ چھینک آنے سے سائیکل ڈگمگا گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' سونسی نے پوچھا۔

تمہارے بالوں سے ناک میں سُرسُری ہوئی اور چھینک آگئی''

سونسی نے داہنے ہاتھ سے سر پر آنچل رکھ لیا کہ بال ڈھک جائیں۔

''اب ٹھیک ہے؟''

''چھینک آنے سے اچھا لگا تھا۔ ایک بار اور آجاتی تو ٹھیک تھا۔'' ایک ہاتھ سے رگھوور پرساد نے سونسی کے آنچل کو پیچھے کیا۔ سونسی کے بالوں سے رگھوور پرساد کی ناک میں پھر سرسری ہونے لگی۔ اب کی بار وہ بہت زور سے چھینکے۔ سائیکل زور سے ڈگمگائی۔ وہ لمبے تھا اس لئے پاؤں سے سائیکل سنبھل گئی۔

''ابھی گر جاتے'' سر کو ڈھانپتے ہوئے سونسی نے کہا۔

''کیسے گر جاتے'' رگھوور پرساد نے کہا۔

کالج کے چھوٹنے کے وقت سادھو رگھوور پرساد کو لینے گیا تھا۔ کالج کی چھٹی ہوئی، پر رگھوور پرساد نظر نہیں آئے۔ رگھوور پرساد کالج تو آئے تھے۔ کیا جلدی لوٹ گئے۔ صدر شعبہ ہاتھی کی طرف آرہے تھے۔ ہاتھی کے اردگرد کچھ طلبا، روز کی طرح اکٹھا ہو گئے تھے۔ صدر شعبہ، طلبا، کو ہاتھی سے دور ہٹنے کے لئے کہہ رہے تھے۔ پر تھمک شالا کی چھٹی پہلے ہو جاتی تھی، نہیں تو بھیڑ بڑھ جاتی۔

''رگھوور پرساد تو چلے گئے۔'' صدر شعبہ نے سادھو سے کہا۔

''ٹمپو سے گئے؟''

''نہیں سائیکل سے گئے''

''میں تو وقت پر آیا تھا۔'' اُداس ہو کر سادھو نے کہا۔

''کل بھی سائیکل سے آئیں گے'' صدر شعبہ نے کہا۔

''کیوں انہوں نے سائیکل خرید لی؟''

''خریدی نہیں۔ مانگ کر لے گئے ہیں۔ کل لوٹا دیں گے۔''

''اچھا پرنام۔ سادھو نے صدر شعبہ سے کہا وہ لوٹ گیا۔ ہاتھی چلا گیا تھا۔ تب بھی طلباء وہیں کھڑے تھے۔ وے سب صدر شعبہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ صدر شعبہ اُن سے کچھ بولیں گے ایسا طلباء کو لگ رہا تھا۔ صدر شعبہ نے طلباء کو اپنی طرف متوجہ کھڑے دیکھا تو اُن کا من ہو رہا تھا کہ وہ کہیں۔ پیارے طلبا! رگھوور پرساد کا عجیب چکر ہے اُن کی باقاعدہ ایک ہاتھی لینے آتا جاتا ہے۔ اُن کے کمرے کی کھڑکی سے ایک راستہ جاتا ہے۔ وہاں ایک سندر ندی بہتی ہے۔ جو لوگ وہاں جانا چاہیں ضرور جائیں!

''تم لوگ گھر جاؤ'' لیکن صدر شعبہ نے کہا۔

آدھی بدلی اور آدھی دھوپ کا موسم تھا۔ صرف آدھی بدلی اور آدھی دھوپ رہی آتی تب بھی ٹھیک ہوتا لیکن صرف بدلی ہو جاتی تھی پھر صرف دھوپ۔ تھوڑی دیر میں یہی ہو رہا تھا۔ یہاں ایک ہاتھی آیا اور چلا گیا تھا۔ ہاتھی نہ تو دھول اُڑاتا ہوا آتا تھا، نہ دھول اُڑاتا ہوا جاتا تھا۔ پراتھمک شالا کے چھاتروں کو رگھوور پرساد کا ہاتھی پر بیٹھکر آنا اچھا لگتا تھا۔ یہ چھاتر اگر ہاتھی کا چتر بناتے تو وہ صرف ہاتھی کا تصویر نہیں بناتے اُس کے اوپر سادھو بھی بنا دیتے اور رگھوور پرساد اُس میں بیٹھے ہوتے۔ اب تو سونسی بھی اُس میں بیٹھی ہوتی پراتھمک شالا اور کالج کے طلباء اچھے مصور ہوتے اور کسی آدمی کی تصویر بناتے جو رگھوور پرساد کے جیسی نظر آتی۔ لڑکی کی تصویر بناتے جو سونسی نظر آتی۔ سارے بچوں نے دیکھا تھا کہ ہاتھی اور

سادھور گھوور پرساد کے سائیکل سے چلے جانے سے اُداس ہو گئے تھے۔تبھی بچے ہونٹوں پر انگلی رکھے اُن کی اُداسی کو چُپ چاپ دیکھ رہے تھے۔

گھر پہنچتے پہنچتے رگھوور پرساد نے سونسی سے کہا۔''کالج آنے جانے کے لئے سائیکل ٹھیک رہے گی۔ پتا کی سائیکل لے آئیں گے اور درست کروالیں گے۔''

''کیا ہاتھی سے کہیں اور گھومیں گے؟''

''کہیں اور پیدل گھوم لیں گے'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''کالج آٹھ کیلومیٹر دور تھا، جہاں جانے کے لئے ہاتھی یا ٹمپو کی ضرورت تھی۔ گھومنے کے لئے سونسی رگھوور پرساد کا کہیں اور'' دور نہیں تھا۔ کہیں اور'' پیدل آ جا سکتے تھے۔ سائیکل رگھوور پرساد نے کمرے کے اندر رکھی۔ سائیکل میں تالا تھا۔ چارپائی کنارے ہٹا کر سائیکل کے لئے جگہ بنائی گئی تھی۔

رگھوور پرساد سوچ رہے تھے کہ کیا سائیکل کھڑکی کے اُس پار جا سکتی ہے۔انہوں نے سائیکل اُٹھائی اور کھڑکی سے سائیکل نکالنے کی کوشش کی۔

''کیا کر رہے ہو؟'' سونسی نے پوچھا۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ سائیکل کھڑکی سے نکل سکتی ہے یا نہیں'' سونسی نے بھی ہینڈل پکڑ کر کھڑکی سے سامنے کا چکا نکالنے کی کوشش کی۔ چکا اٹکا تھا۔کھڑکی تھوڑی اور بڑی ہوتی تو سائیکل نکل جاتی۔

''کھڑکی بڑی ہونی تھی''۔رگھوور پرساد نے کہا۔

کہیں اور کے علاوہ کھڑکی ''اور کہیں اور'' تھی۔

''شام کو دھونیاں کی پتی کا ساگ بنالوں گی'' سونسی نے دھونیا کی پتوں کو ٹوکری میں رکھتے ہوئے کہا، سونسی کھڑکی سے تالاب نہانے کے لئے گئی۔ بوڑھی اماں پایاب ندی میں سونے کے ذرّوں کے لئے ریت چھانتی ہوئی کھڑی تھی۔ جب جھاڑنے بہارنے جیسا کوئی کام نہیں ہوتا تب وہ پایاب ندی میں لکڑی کی تھالی لے کر کھڑی ہو جاتی تھی۔لکڑی کی

تھالی میں ریت بھر کر وہ ندی کے بہتے پانی میں ریت کو دھوتی اور چھانتی تھی۔ جھکے جھکے جب کمر دُکھنے لگتی تو ندی میں بیٹھ جاتی۔ وہ سونے کے ذرات چنتی تب ندی کے کنارے بندر اِدھر اُدھر چٹانوں میں بیٹھے رہتے۔ کبھی ایک دو بندر بوڑھی اماں کے پاس آ کر پانی میں ریت کھنگالنے لگتے۔ بوڑھی اماں پانی اُچھال کر یا ندی سے پتھر اُٹھا کر بندر کو بھگا دیتی تھی۔ بوڑھی اماں کو بندر پتھر اُٹھاتے دیکھ فوراً بھاگ جاتے تھے۔ بہت ریت کھنگالنے کے بعد سونے کا ایک ذرّہ مل جاتا تھا۔ کبھی کبھی گیہوں کے دانے برابر سونے کا ٹکڑا مل جاتا۔ جب بوڑھی اماں کو سونے کا ذرّہ مل جاتا تھا تو آس پاس پیڑ پر بیٹھے طوطے ٹیں۔ٹیں کرنے لگتے تھے۔ سونے کے ذرّے پا کر بوڑھی اماں گھر لوٹتی تب بھی طوطے ٹیں ٹیں بولتے اور ساتھ ساتھ اوپر اُڑتے۔ بوڑھی اماں کے گھر کی چھپر پر کچھ دیر بیٹھے رہتے۔ بندر بھی خوشی سے اُچھلتے کودتے لوٹتے تھے۔

''بوڑھی اماں! پانی میں زیادہ دیر کھڑی مت رہو'' سونسی نے جاتے جاتے کہا۔

''نہا کر گھر آنا'' بوڑھی اماں نے کہا جیسے تھک گئی ہو۔

''ہاں'' سونسی نے کہا۔

سونسی کے پاس دھونے کے لئے زیادہ کپڑے نہیں تھے۔ پہنی ہوئی ساڑی تھی، اور رگھوور پر سادی چڈّی تھی۔ کپڑے جلدی دھو کر وہ نہاتی تھی اُس نے ندی کی طرف سے اُڑتے طوطوں کی ٹیں ٹیں سُنی۔ بوڑھی اماں اب لوٹ رہی ہے سونسی نے سوچا۔ نہا کر وہ اماں کے پاس گئی۔ بوڑھی اماں چائے بنا رہی تھی۔ سونسی دُھلے کپڑے چٹان پر رکھ کر بوڑھی اماں کا ہاتھ بٹانے لگی۔ چائے پیتے پیتے سونسی نے دیکھا کہ ایک کالا بچھو ڈنک اُٹھائے کالی ہانڈیوں کے پیچھے چھپ گیا۔

''بچھو!'' سونسی نے کہا۔

''کہا'' بوڑھی اماں نے کہا۔

''ہانڈیوں کے پیچھے چلا گیا''

''رہنے دے چلا جائے گا۔ پہلے چائے پی لے۔ بوڑھی اماں نے کہا۔

''چمٹا لیکر سونی ہانڈیوں کو سرکا کر دیکھنے لگی۔ بچھو کونے سے سٹا تھا۔ چمٹا سے وہ ڈر کے مارے پکڑ نہیں پا رہی تھی۔ تبھی بوڑھی اماں نے موٹے جھاڑو سے بچھو کو باہر بہار دیا۔

''بچھو چلا گیا اب چائے پی لے'' بوڑھی اماں نے کہا۔

سونی جب تک پتھر پر پاؤں اوپر اُٹھائے بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ بوڑھی اماں سونی کو نہارتی رہی۔

چائے پی کر سونی بولی ''جاتی ہوں''

''ابھی رُکنا'' بوڑھی اماں نے کہا۔

بوڑھی اماں نے کالی چکٹ کٹوا کی پیٹی میں سے کپڑے کی بندھی ایک پوٹلی نکالی۔ وہ سونی کے سامنے نیچے بیٹھ گئی۔ اُس نے پوٹلی کھولی۔ ایک جوڑی سونے کے کڑے تھے۔ بوڑھی اماں نے سونی کو کڑے پہنائے۔ کڑے پہن کر چوری چوری کڑے کو دیکھتے ہوئے سونی نے پوچھا ''اب جاؤں''

''جاؤ'' سنتے ہی گیلے کپڑے اُٹھاتے ہوئے سونی اچھلتے کودتے بھاگ گئی۔ چوڑیوں کے ساتھ کڑے کھڑ کھڑ بج رہے تھے۔ ایک جگہ راستے میں رُک کر سونی نے اچھے سے کڑوں کو نہارا۔ وہیں جھاڑیوں پر اُس نے گیلے کپڑے پھیلا دئے بھاگتے ہوئے آ گئی۔

رگھوور پرساد بہت دیر سے اٹھے بیٹھے تھے اور کتاب پڑھ رہے تھے۔ سونی نے کڑے چھپا لئے تھے۔ اس نے سوچا سب کام کر لے تب رگھوور پرساد کو بتائے۔ کڑے کپڑے میں باندھ کر اُس نے کیلنڈر کے کھیلے میں ٹانگ دیا۔ جلدی جلدی اُس نے کھانا بنایا۔ کھا پی کر تیار گھوور پرساد ہاتھی آنے کے پہلے کالج چلے گئے۔ سائیکل چلاتے ہوئے انہیں اچھا لگ رہا تھا۔ تھکاوٹ نہیں لگ رہی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ پتا کی سائیکل وہ لے آئیں گے۔ آگے راستے میں ہاتھی ملے گا ایسا امکان نہیں تھا۔ پیچھے سے ہاتھی اُن تک نہیں

آ سکتا تھا۔

وہ کالج پہلے پہنچ گئے تھے۔ کالج کے دروازے کھولے جارہے تھے۔ صاف صفائی چل رہی تھی۔ پراتھمک شالا میں پڑھائی ہو رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں چلے گئے اور پڑھائی کرنے لگے۔ سونسی ابھی باورچی خانے کا دھرنا اُٹھانا کر رہی تھی۔ کھانا وہ بہت دیر سے کھاتی تھی۔ نہا دھو کر صبح تھوڑا باقی بچا کھالیتی۔ باسی نہیں بچا ہوتا تو بھوکی رہتی۔ دوپہر کو گھر کا سب کام کرنے کے بعد کھاتی۔ ابھی وہ کام کر رہی تھی کہ اُسے ہاتھی کی آواز آئی۔ دروازہ کھول کر وہ آئی سادھو رگھوور پرساد کو لینے آیا تھا۔

''وہ تو چلے گئے'' ہاتھی کے پاس جا کر اُس نے کہا۔

''کھانا کھا کر نہیں گئے؟'' سادھو نے پوچھا۔

''کھانا کھا کر گئے۔ ڈبہ نہیں پہنچانا ہے۔ کل سائیکل سے آئے تھے۔ آج سائیکل پہنچانے گئے ہیں۔

''چائے پئیں گے؟'' اُس نے سادھو سے پوچھا۔

''نہیں'' سادھو نے کہا۔ وہ لوٹ کر آ گئی۔ دروازہ بند کرتے کرتے اُس نے دیکھا شاید سادھو جانے کو تھا۔ کام ختم کرنے کے بعد وہ کھانے بیٹھی۔ کچھ دن پہلے کھاتے وقت ایک بھورے رنگ کی گائے کھڑکی کی طرف آ گئی تھی۔ اُس نے گائے کو دو روٹی دی تو گائے حاضری دینے کی عادی ہوگئی۔ گائے روز آنے لگی۔ ٹھیک وقت پر کھڑکی پر آجاتی تھی۔ گائے کیلئے دو روٹی تھی۔ اُس کے لئے بھات تھا۔ رات کی بچی دھونیاں کی بھاجی اور تھوڑا آلو تھا۔ دھونیاں کی بھانجی رگھوور پرساد نہیں کھائے تھے۔ بھاجی گلے میں کنکناتی تھی۔ رگھوور پرساد کے لئے اُس نے صبح آلو بنا لیا تھا۔ کھانا کھانے کے پہلے اُسے لگا کہ ہاتھی چنگھاڑا ہے۔ دروازہ کھول کر اُس نے دیکھا اکیلا ہاتھی کھڑا تھا۔ سادھو نہیں تھا۔ آس پاس ہوگا۔ وہ باہر آ گئی۔ سادھو نہیں نظر آیا تھا۔ وہ ہاتھی کے پاس گئی۔ تھوڑی دیر وہاں کھڑی رہی۔ اُس نے سوچا کہ وہ اُس پیڑ تک جائے جس پر چھپ کر بیڑی پینے والا لڑکا بیٹھا ہوگا۔ اُس

سے پوچھے کے سادھو کہاں گیا۔ سادھو کو بلا لانے کے لئے اُس سے کہے۔ رگھوور پرساد کو بُلانے میں بہت وقت لگے گا۔ لوٹ کر وہ چُپ چاپ کُھلے دروازے سے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ کھانا کھانے کا ابھی من نہیں ہو رہا تھا۔ کبھی اُس کو یہ وہم ہوتا کہ ہاتھی چل رہا ہے، سڑک کی طرف جا رہا ہے۔ کبھی دھوکا ہوتا۔ کمرے کی طرف آ رہا ہے۔ پر ایسا نہیں تھا۔

کھڑکی کی طرف گائے آ گئی تھی۔ وہ روٹی لینے گئی۔ دو روٹی دیتے دیتے اُسے لگا کہ ایک روٹی ہاتھی کو بھی دینا چاہئے۔ سونسی کے ہاتھ سے ایک روٹی کھا کر گائے کچھ دیر کھڑی رہی پھر چلی گئی۔ دوسری روٹی لے کر وہ ہاتھی کے پاس گئی۔ کچھ اور پاس گئی۔ روٹی پھینک کر دینا ٹھیک نہیں تھا۔ روٹی ہتھیلیوں میں رکھ کر اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا دئے۔ ہاتھی سونڈ پھیلا کر روٹی لیتا پر سونسی دور تھی۔ دو قدم سونڈ پھیلائے ہاتھی بڑھا تب سونسی نے آنکھ موند لئے تھے۔ روٹی منہہ میں ڈال کر ہاتھی پیچھے ہٹ گیا تھا۔ سونسی نے ہاتھی کو پیچھے ہٹتے آنکھ کھول کر دیکھا۔ ہاتھی کے سونڈ کی حس اُس کی ہتھیلیوں کو ہوئی یا نہیں اس کا پتہ اس کو نہیں چلا۔ وہ تھوڑی دیر وہاں کھڑی رہی۔ دونوں پڑوس کے لوگ کل سے نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ آج دونوں دروازوں میں تالے تھے۔ سونسی کو سادھو آگے ایک گلی سے نکل کر آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ سادھو کے آنے تک رُک گئی۔ ''ہاتھی چھوڑ گئے تھے؟'' سونسی نے کہا۔

''ہاں گلی میں ایک ملاقاتی کے پاس جانا تھا گلی میں ہاتھی نہیں جا سکتا تھا اس لئے چھوڑ گیا۔ ہاتھی کچھ نہیں کرتا۔ میں جاتا ہوں۔'' ہاتھی پر بیٹھ کر اُس نے پرنام کہا۔ وہ چلا گیا۔ اب وہ فرصت سے کھا سکے گی۔

شام کا وقت تھا۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔ سڑک کی بجلی چلی گئی تھی۔ گھر کے سامنے کے بجلی کے کھمبے کے نیچے منجرا بچھا کر رگھوور پرساد بیٹھے تھے۔ محلے کے دو لڑکے اور تھے۔ رگھوور پرساد انہیں ریاضی پڑھا رہے تھے۔

سونسی گھر کا کام نپٹا کر بیٹھی تھی۔ کیلینڈر کے کھلے میں ٹنگے پونگی کو وہ جب تب دیکھ لیتی تھی۔ دو بار اس نے ٹٹول کر دیکھا تھا۔ سٹے ہوئے دروازے کے پلّے کو کھول کر رگھوور

پرساد کو بھی دیکھتی تھی۔ کڑا دکھانے کا اُسے کو موقع نہیں ملا تھا۔ رگھوور پرساد اسی سائیکل سے آئے تھے۔ سائیکل کس کی تھی یہ بھی پتہ نہیں چلا تھا۔ صدر شعبہ نے رگھوور پرساد سے کہا تھا'' ایک دن اور اپنے پاس رکھ لو پھر دفتر میں جمع کر دیں گے'' لاوارث سائیکل کی خبر کالج اور پراتھمک شالا دونوں کو تھی۔ سائیکل کسی استاذ یا طالب علم کی نہیں تھی۔ رگھوور پرساد جلدی آ گئے تھے۔ سادھو ہاتھی لیکر، رگھوور پرساد کو لینے کالج گیا تھا۔ رگھوور پرساد کے نہ ملنے سے سادھو مایوس ہوا تھا۔ شام کو وہ نہیں آیا۔ سونسی نے رگھوور پرساد کو گھر کے سامنے ہاتھی چھوڑ کر چلے جانے کی بات بتائی تھی۔

امتحان کا وقت قریب آ رہا تھا۔ شام ہوتے ہی طلباء رگھوور پرساد کے پاس آنے لگے تھے۔ سونسی سمجھ گئی تھی کہ رگھوور پرساد سائیکل چلا کر اور پڑھائی سے تھک گئے ہوں گے۔ اُسے تنگ کرنا نہیں چاہیے۔ اُس نے دروازے سے دیکھا۔ پہلے تین لڑکے تھے اب پانچ لڑکے ہو گئے تھے۔ پر اُس سے رہا نہیں گیا۔ اُس نے منہ ہاتھ دھویا۔ کپڑے پہنے۔ کاجل کی ڈبی سے کاجل لگایا۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو اب دو لڑکے دکھائی دیے۔ دونوں لڑکے بھی تھوڑی دیر میں چلے جائیں گے۔ دروازہ اڑکا کر اُس نے پیٹی سے ایک پیلی ساڑی نکالی۔ اس ساڑی میں چاندی کے پلاسٹک جری تھے۔ کھٹیا کی آڑ میں اس نے ساڑی پہنی۔ تیار ہو کر اس نے سوچا کہ ایک گلاس پانی رگھوور پرساد کے لئے لے جائے۔ پیاس لگی ہوگی تو پی لیں گے۔

سونسی باہر سڑک پر آئی تو رگھوور پرساد آگے کے کھمبے کی طرف جا رہے تھے۔ وہاں بھی چار لڑکے روشنی کے نیچے پڑھ رہے تھے۔ پیڑ پر چھپ کر بیڑی پینے والے لڑکے نے سونسی کو رگھوور پرساد کے پیچھے آتے دیکھا ہوگا اُس نے رگھوور پرساد کو بتایا۔ رگھوور پرساد نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ رگھوور پرساد کو کھڑا دیکھ سونسی بجی دھجی پانی کا گلاس لئے بڑھی۔ سڑک پر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ادھر اُدھر کے دو تین کھمبے کے نیچے طلباء پڑھتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ بیچ سڑک پر سونسی نے رگھوور پرساد کو گلاس دیا۔ رگھوور پرساد نے پورا پانی پیا۔ تب بھی

گلاس کے پیندی میں کچھ بوند پانی بچا تھا۔ اُس پانی کو سونسی نے اوپر سے منہ میں ڈال لیا۔ رگھوور پرساد کے بچے پانی کو سونسی اس طرح پی لیا کرتی تھی۔ رات کے سنّاٹے میں سارا باہر ان کے گھر کی طرح لگ رہا تھا۔ جب سونسی نے پانی پیا تو رگھوور پرساد نے کڑے کو دیکھا اور سونسی کو دیکھا۔

''کڑا کس نے دیا؟''

''بوڑھی اماں نے''

''کیا تم نہائی ہو؟''

''نہیں بس منہہ ہاتھ دھویا ہے۔ گھر کب آؤ گے؟'' سونسی نے آہستہ سے پوچھا۔

''تم چلو، میں آتا ہوں''

''دیر تو نہیں کرو گے''

''نہیں''

''بھوک نہیں لگی؟''

''نہیں''

''مجھ کو بھوک لگی ہے''

''تم کھا لینا''

سونسی لوٹ گئی۔ سونسی کے جانے کے بعد رگھوور پرساد کا من گھر لوٹنے کا ہو رہا تھا۔ بجلی کے کھمبے کے نیچے پڑھ رہے لوگوں سے انہوں نے کہا، ''اب کل پڑھیں گے''

تیزی سے لوٹتے ہوئے گھر کے سامنے کے بجلی کے کھمبے کے نیچے پڑھ رہے لڑکوں نے کہا ''آج کی چھٹی ہے''

دروازہ اڑکایا ہوا تھا۔ کمرے کی روشنی جل رہی تھی۔ سائیکل سے وہ ٹکراتے ٹکراتے بچے۔ سونسی گھر پر نہیں تھی۔ دروازہ انہوں نے بند کیا اور وہ کھڑکی سے کود گئے۔

چاند نکلا نہیں تھا۔ بیچ کی پگڈنڈی میں کھڑکی سے کمرے کا اُجالا پڑ رہا تھا۔ سونسی

اِسی پگڈنڈی سے گئی ہوگی۔ اُس پگڈنڈی پر وہ تیزی سے چل پڑے۔ آگے بوڑھی اماں کے چھوٹے دئے کا اُجالا اُس گہرے اندھیرے میں دور تک گیا تھا۔ دئے کا اُجالا پھیکا ہوتے ہوتے جہاں ختم ہوا سا تھا وہاں تک رگھوور پرساد گئے۔ اس کے بعد بالکل اندھیرا تھا۔ سونسی کہاں گئی؟ رگھوور پرساد اندھیرے میں بڑھ نہیں پا رہے تھے۔ کہاں گئی ہوگی انہوں نے سوچا۔ آگے کچھ دور ہوا چلنے سے پیڑوں کے ہرہرانے کی آواز آ رہی تھی۔ اس طرف کے پیڑ خاموش تھے۔ ادھر ہوا نہیں چل رہی تھی۔ اُدھر ہرہرانے کی تیز آواز پھر آئی۔ رگھوور پرساد اُدھر بڑھ گئے۔ ایک جگہ گھنے پیڑ کی جگہ تھی۔ پیڑ وہاں ہوا سے ڈول رہے تھے۔ رگھوور پرساد وہیں کھڑے ہو گئے۔ رگھوور پرساد کے کھڑے ہوتے ہی ہوا جیسے خاموش ہو گئی۔ پیڑ بھی شانت ہو گئے۔ تبھی بڑا سا چاند نکلا۔ بہت بڑا چاند تھا۔ ایک بڑی، چورس، کالی، چکنی چٹان پر لیٹی ہوئی سونسی چاند کے نکلتے ہی دکھائی دی۔ پیلی ہلدی ساڑی کی چاندی کی پلاسٹک جری چاند کے پرکاش کی کنار لگی ساڑی لگ رہی تھی۔ چاندی کی پاؤں پٹی چاند کے پرکاش سے بنی پاؤں پٹی تھی۔ چاندی کے بالے چاند کے پرکاش سے بنے کان میں تھے۔ دوسرے کان میں چھوٹا سا کان کا پھول جو اماں نے دیا تھا وہ سنہرے پرکاش بندو کا پھول تھا۔ ہاتھ میں سونے کے کڑے بھاری سنہرے پرکاش سے بنے لگ رہے تھے۔ اس کے علاوہ بھی سونسی کا جسم کہیں کہیں اتنا رہ رہ کر روشن ہوتا تھا کہ وہ بھی چاند کے پرکاش کے گہنے سے سجا ہوا لگتا تھا۔ رگھوور پرساد نے دیکھا کہ چار چکنو سونسی کے پولکا کے اندر پھنسے ہوئے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پولکا پیلے چھینٹ کا تھا۔ اُس میں چھوٹے چھوٹے پھول بنے تھے۔ رگھوور پرساد سونسی کے کچھ قریب آ گئے تو اُس نے رگھوور پرساد کو آنکھ کھول کر دیکھا وہ آنکھ کھول کر گہری نیند میں جاگی ہوئی تھی۔

رگھوور پرساد سونسی کے پاس اس طرح آئے جیسے خواب میں آئے ہوں پھر خواب سے باہر آ گئے ہوں۔ خواب کے اندر اور باہر میں فرق نہیں تھا۔ سونسی نے رگھوور پرساد کو جان لیا تھا۔ رگھوور پرساد نے چھینٹ کے پولکا کو کھول کر چھینٹ کے پھولوں کو سب

طرف بکھیر دیا تھا۔ چار جگنو سونسی کے بے پردہ پستانوں میں جگمگ جگمگ ٹھہرے ہوئے تھے۔ رگھوور پرساد اُن کو چن کر اُڑا رہے تھے۔ جگنو اِدھر اُدھر، جگنو سے بھرے پیڑوں کے جگمگ میں چلے گئے تھے۔ رگھوور پرساد نے سونسی کے کڑوں کو دیکھا۔ انہوں نے داہنے ہاتھ سے سونسی کے بائیں ہاتھ کو پکڑا۔ سونسی نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی جس سے کڑا کالی چکنی چٹان میں کھر کھر گھستا گیا۔ صبح کی کرن نے جیسے ہی سونسی کو چھوا، سونسی گہری نیند کے باوجود بھی جاگ گئی۔ صبح کی کرن نے جھکجور کر سونسی کو چھوا تھا۔ اُٹھ کر اس نے دیکھا تو جگہ جگہ کالی چکنی چٹان پر چاندی اور سونے کی آڑی، ٹیڑھی لکیریں کھینچی ہوئی تھیں۔ سونسی نے رگھوور پرساد کو جگایا۔ رگھوور پرساد جاگے تو سونسی نے کہا "دیکھو"۔ رگھوور پرساد نے پوری چکنی کالی چٹان میں روپہلی اور سنہلی لکیریں دیکھیں۔ پاؤں پٹی کے کچھ نشان نصف قمر نما تھے۔ ایک نصف قمر نما کے بعد دوسرے نصف قمر نما۔ نصف قمر نما کے اوپر پاؤں پٹی کی ترچھی چھوٹی چھوٹی لکیریں تھیں۔ ہاتھ کے کڑے کے نشان بھی دونوں طرف نصف قمر نما اور ادھر اُدھر گڈ مڈ بنے تھے۔ کالی چورس چٹان کسوٹی کی چٹان تھی۔

بیٹھے بیٹھے، جھکے ہوئے رگھوور پرساد نشانوں کو پہچان رہے تھے۔ "یہ پاؤں پٹی کے نشان ہیں"

سونسی بھی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ پاؤں پٹی کے نشان کو انگلی سے رگڑ کر دیکھنے لگی۔ نشان مٹے نہیں "کان کے پھول کے نشان نہیں بنے ہوں گے" رگھوور پرساد نے سونسی کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا "کیسے نہیں بنے ہوں گے؟" کان کو چھوتے ہوئے سونسی نے کہا۔

چٹان کے اوپر کی طرف کے نشانوں میں دونوں، کان کے پھول کے نشان کو ڈھونڈنے لگے۔ "یہ کان کے پھول کے نشان ہیں" سونسی نے انگلی رکھ کر کہا۔ بہت چھوٹے چھوٹے نشان تھے۔ رگھوور پرساد نے سونسی کے کان کی طرف دیکھا۔

"تمہارے کان لال ہیں"

"کیا پتہ" اس نے کہا۔ ایک جگہ الگ تھلگ چاندی کی لکیریں تھیں۔ یہ کاہے کے نشان ہیں؟" سونی نے پوچھا۔

"یہ بھی پاؤں پٹی کے نشان ہیں"

"اچھا" آہستہ سے اُس نے کہا جیسے اُسے یاد نہیں۔ تبھی انہوں نے دیکھا کہ سامنے ایک پتھر پر دو کپ چائے رکھی تھی۔ چائے گرم تھی۔ ابھی ابھی بوڑھی اماں نے رکھی ہوگی۔ چائے سے بھاپ نکل رہی تھی۔ سونی پولکا پہننے لگی۔ چائے پی کر کپ ہاتھ میں لئے دونوں بھاگے۔ بوڑھی اماں کے گھر کے سامنے ایک پتھر پر کپ رکھ کر دے پھر بھاگے۔ بوڑھی اماں نے انہیں نہیں دیکھا۔ بوڑھی اماں گھنے پیڑوں کے نیچے، چٹانوں کی آڑ میں کسی جگہ، بیٹھے بیٹھے بہار رہی ہوگی۔

تھوری دیر بعد بوڑھی اماں آئی۔ سورج کی تیز کرنوں میں چٹان پر لکیریں کوندسی رہی تھیں۔ بوڑھی اماں چٹان کے کونے پر بیٹھ گئی۔ وہ ستا رہی تھی۔ وہ بہارنے کے کام سے تھکی ہوئی پر خوش تھی۔ گہرے لکیڑوں سے بھرے چہرے میں اُس کی خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ بچوں کی زندگی کے نشانوں کو چھو رہی تھی۔ تبھی اڑتے ہوئے پرندوں نے چٹان پر آلودگی کی۔ بوڑھی اماں نے غصہ سے اڑتے ہوئے پرندوں کو دیکھا جن پرندوں نے بوڑھی اماں کو دیکھا تھا۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ غلطی ہو گئی ہے اور بوڑھی اماں غصہ ہے۔ چٹان کے پاس ہی ایک پتھر گڈھے میں صاف پانی بھرا تھا بوڑھی اماں نے وہیں سے اُلچی کر چٹان پر پانی ڈالا اور پرندے کی آلودگی کو صاف کیا۔ پرندوں نے پھر کبھی اس چٹان پر آلودگی نہیں کی۔

سونی کو کمرے کی طرف لوٹتے ہوئے اچانک کچھ یاد آیا جیسے رُک کر کہا کہ بعد میں بھول نہ جائے۔

"جب جب میں آنکھ کھولتی تھی تو آکاش میں کبھی بجلی کی چاندی کی لکیر دکھائی دیتی تھی تو کبھی سونے کی۔"

''میں نے بجلی کے کڑکنے کی آواز بھر سُنی تھی''، رگھوور پرساد نے کہا۔
''میں نے آواز نہیں سُنی۔ آنکھ کھولنے سے ایک کوندسی دکھائی دیتی تھی''
''مجھے بجلی نہیں دکھائی دیتی تھی، پر بجلی کڑک رہی تھی''

دوسرے دن رگھوور پرساد سائیکل سے جانے کے لئے کھاپی کر پہلے سے تیار تھے۔ لیکن سادھو رگھوور پرساد کو لینے کہ رگھوور پرساد چلے نہ جائیں پہلے آگیا۔ جب وہ سائیکل باہر نکال رہے تھے تب ہاتھی کھڑا تھا۔ سادھو پیڑ کے نیچے بیٹھا تھا۔ آواز سُن کر وہ کھڑا ہوگیا گچھے کو جھٹکا کر اُس نے پھر سے کاندھے پر رکھا کہ جانے کے لئے تیار ہے۔

رگھوور پرساد سادھو کے پاس گئے۔ سونسی بھی چھوڑنے آگئی تھی۔ رگھوور پرساد نے ہچکتے ہوئے سادھو سے کہا، ''مجھے سائیکل چھوڑنے جانا ہے' اسلئے سائیکل سے نکل جاتا ہوں''

''سائیکل ہاتھی پر رکھ کر چھوڑ دیتے ہیں'' سادھو نے کہا۔
ہاتھی پر سائیکل رکھ کر بیٹھتے بنے گا یا نہیں، رگھوور پرساد نے سوچا۔
میں سائیکل چلا کر سائیکل چھوڑ دوں گا۔ اس میں آسانی ہوگی''
''چلئے ساتھ چلیں گے مجھے اُدھر جانا ہی ہے''
''سائیکل اوپر لادنے سے ہاتھی کو چوٹ لگ سکتی ہے''
''ہاتھی کو چوٹ نہیں لگے گی''

''اچھا میں چلتا ہوں سائیکل چھوڑنے کا انتظام بعد میں کرلیں گے۔ میں سائیکل کمرے میں رکھ کر آتا ہوں۔'' کچھ سوچ کر رگھوور پرساد نے کہا۔ کمرے میں سائیکل رکھنے گئے تو پیچھے سونسی بھی گئی۔

''ہاتھی سے چلا جاتا ہوں سائیکل کس کی ہے یہ پتا نہیں چلا۔ پہلے ہاتھی ہوا۔ اب سائیکل بھی ہوگئی۔''

رگھوور پرساد سونسی سے کہہ رہے تھے۔ وہ باہر نکلے تو سونسی نے کہا، ''جوتا اتار لو''

رگھوور پرساد جوتا ہاتھ میں لے کر ہاتھی پر سوار ہو گئے۔

''کھانا کھالیا ہے؟'' سادھو نے رگھوور پرساد سے پوچھا۔

''ہاں''

''ابھی وقت ہے، اس لئے پوچھا۔ آپ نکل نہ جائیں اسلئے بہت پہلے آ گیا تھا۔''

''میں پرسوں کے بعد چلا جاؤں گا۔'' رستے میں سادھو نے کہا۔

''پرسوں جاؤ گے۔''

''پرسوں کے بعد کبھی بھی'' رگھوور پرساد نے یہ پوچھتے پوچھتے کہ ہاتھی سے جاؤ گے، نہیں پوچھا۔

''میرے پاس ایک طوطا ہے۔ جا رہا ہوں اس لئے اسے پڑوس میں دے دیا ہے وہ طوطے کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں گے۔ لوٹوں گا تو پنجرہ لے لوں گا۔

''ہاں طوطے کی دیکھ بھال میں زیادہ خرچ نہیں ہے۔ اُسے تو ایک لقمہ دال بھات صبح اور شام چاہئے۔ کبھی ہری مرچ کبھی چنا۔ طوطا جگہ بھی نہیں گھیرتا۔ تھوڑی سی جگہ چاہئے۔ طوطا سے خطرہ بھی نہیں۔ کبھی طوطے کاٹتے نہیں۔ پنجڑہ کھول دو تو باہر گھومتا پھرتا ہے اور تھک کر پنجڑے میں لوٹ آتا ہے پنجڑے میں بلّی سے محفوظ رہتا ہے''

''کئی دنوں کے لئے دوسرے گاؤں جانا پڑے تو لوگ اپنا پالتو کتا کسی کو دیکھ ریکھ کے لئے دیدیتے ہیں۔''

''پالتو کتا، بہت جلدی ہل مل جاتا ہے۔ جس کے گھر میں رہے گا، گھر کی دیکھ ریکھ کرے گا۔ چور آئے گا تو بھونکے گا۔ کتا رہنے سے سہارا ہو جاتا ہے باسی بھات سے اس کا پیٹ بھر جاتا ہے۔ گھر کے کونے میں پڑا رہتا ہے گھر میں جگہ نہیں ہوتی تو باہر پڑا رہتا ہے'' رگھوور پرساد نے اُداسی سے کہا۔

''بنی نوع انسان کی دیکھ بھال اچھے سے کر سکتا ہے۔ گھر کے سامان کی طرح کتا،

طوطا کو تالے میں نہیں رکھ سکتے۔ گائے رہی تو گائے کو بھی دیکھ بھال کے لئے سونپنا پڑتا۔ سفر میں تو ایک مٹھو لے جانا مشکل ہوتا ہے تو گائے کیسے لے جا سکتے ہیں جبکہ کچھ دنوں بعد لوٹنا ہے۔ پالتو جانور سے محبت ہو جاتی ہے۔ گائے ایک بڑا جانور ہے رکھنے کے لئے زیادہ جگہ چاہئے۔"

"ہاں ٹھیک ہے گائے کو ثواب کے کام کی طرح بھی سیوا کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ گائے اگر دودھ دیتی ہے تو اچھا ہے۔" رگھوور پرساد نے کہا۔

"ثواب تو کسی بھی جاندار کی سیوا میں مل سکتا ہے" سادھو نے کہا۔

"گائے کے ساتھ بچھڑا ہو تو وہ بھی دینا پڑتا ہے" سادھو نے پھر کہا۔

"ہاں ایسا کہاں ہوتا ہے کہ ایک کو گائے دے دی اور ایک کو بچھڑا۔ ماں بیٹے کو ایک ساتھ رکھنا پڑے گا۔"

"نہیں بچھڑا بڑا ہو تو دیا جا سکتا ہے"

رگھوور پرساد نے صدر شعبہ سے پوچھا، "سر! سائیکل کس کی ہے یہ معلوم پڑا؟"

"معلوم نہیں کون چھوڑ کر چلا گیا۔ آس پاس کے گاؤں کی ہوگی۔ کوئی لڑکا چلاتا ہوا آیا ہوگا اور سائیکل بھول گیا۔"

"چوری کی سائیکل تو نہیں چھوڑ گیا۔"

"کیا پتہ۔" ہاتھی سے آئے ہو سائیکل سے کیوں نہیں آئے؟"

"سائیکل سے نکل رہا تھا کہ ہاتھی لیکر سادھو آ گیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ سائیکل چھوڑنے جانا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ سائیکل بھی ہاتھی پر رکھ لو"

"ہاتھی بڑا اور طاقتور ہے تو اُس پر کچھ بھی لا دلو ایسا تھوڑے ہوتا ہے۔ بیل گاڑی سے جا رہے ہوتے تو کیا کہتا کہ بیل گاڑی لا دلو۔"

"نہیں سر! میں نے سائیکل نہیں لادی۔ مجھے لگا سائیکل لادنے سے ہاتھی کو چوٹ لگ جائے گی۔ سائیکل گھر میں چھوڑ دی ہے۔ سائیکل میں دفتر میں جمع کرادوں گا۔"

''آج ہی کرادیتے تو اچھا تھا۔ پرنسپل کو لگے گا کہ پولس میں رپورٹ لکھانا ہے تو لکھادیں گے اور سائیکل تھانے میں جمع کرادیں گے۔''

''میں کل لے آؤں گا''۔

صدر شعبہ خاموش تھے۔ وہ لکھ رہے تھے۔

''سر! ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھئے''

''اگر آپ کا آشنا سفر پر جا رہا ہو اور اُس کے پاس ایک چھوٹا پالتو جانور ہو تو کیا آپ اُسے کچھ دن کے لئے رکھ لیں گے، اگر وہ کہے''

''کون سا جانور؟''

''نیولا'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''نہیں میں نہیں رکھوں گا۔''

''سانپ سے نیولا بچاتا ہے''

''ارے! نہیں! میں نہیں رکھوں گا۔''

''گائے''

''گائے رکھ لوں گا'' کچھ سوچ کر انہوں نے کہا۔

''بیل؟''

''بیل نہیں رکھوں گا۔''

''گائے رکھوں گا تو ایک راؤت رکھنا پڑے گا۔''

''راؤت لوگ بہت پریشان کرتے ہیں۔ کسی دن آئیں گے کسی دن نہیں آئیں گے۔ کام خود کرنا پڑے گا۔ پیچھے آنگن میں جگہ بھی ہے۔ گائے پالنے کی بات تو میں سوچ بھی رہا ہوں۔ اچھی گائے مل جائے تو خرید لوں گا۔

''کوئی ہے کیا؟''

''نہیں سر! میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔''

رات کو رگھوور پرسادسونسی سے کہہ رہے تھے،'' سادھو پرسوں کے بعد کبھی چلا جائے گا''

''ہاتھی چھوڑ کر تو نہیں جائے گا؟''

''یہ میں نے نہیں پوچھا۔ اسکے پاس ایک طوطا تھا۔ طوطا کو دیکھ ریکھ کے لئے پڑوس میں دے دیا ہے۔''

''ہاتھی بھی پڑوس میں دے دیتا''

''دینا ہوتا تو پہلے نہیں دے دیتا۔''

''تب تو وہ ہاتھی سے ہی جائے گا''

''اگر وہ اپنے سے کہے کہ ہاتھی رکھ لو تب منع کر دیں گے''

''منع کرنا ٹھیک رہے گا''

''یہاں اپنے پڑوسی بھی ہاتھی رکھنے نہیں دیں گے''

''ہاں بچے چل سکتا ہے، ہاتھی جان بوجھ کر تو نہیں کچلے گا''

''جیسے کالج میں کوئی سائیکل چھوڑ گیا ویسے گھر کے سامنے سادھو ہاتھی چھوڑ دے گا''

''تو وہ ہاتھی بھی لاوارث ہو جائے گا! پر ہاتھی سادھو کا ہے، یہ معلوم ہے۔ دو ایک دن رکھ کر دیکھیں گے۔ بعد میں چھوڑ دیں گے۔ جب ہم بھی ہاتھی چھوڑ دیں گے تب وہ لاوارث ہوگا''

''جب باندھتے بنے گا تبھی تو چھوڑ دیں گے''

''بھوکا پیاسا گھر کے سامنے رہے گا۔ دو روٹی دے سکوگی۔ پیڑ کی ڈال توڑ کر لے آئیں گے۔ دو بالٹی پانی دے سکیں گے''

''وہ ہاتھی رکھنے کے لئے کہے تو تم اُس سے کہنا پڑوسی کو طوطا دئے ہو وہ ہم کو دے

دو، ہاتھی اس کو دے دو۔" پڑوسی نے سوچ کر طوطا مانگا ہوگا۔ وہ اب راضی نہیں ہوگا۔" ہاتھی کھڑکی کے پیچھے چلا جاتا۔ وہاں جنگل میں گھومتا۔ وہاں کیلے کے جنگل ہیں۔ کتنے تالاب ہیں۔ تالاب میں گھس کر نہاتا۔ دونوں ہاتھی پر بیٹھ کر گھومتے۔"

"سائیکل تک کھڑکی سے نہیں جا سکتی۔ ہاتھی کیسے جائے گا۔ پر وہاں چلا جاتا تو اچھا ہوتا۔"

"جو ہوگا دیکھیں گے۔ ابھی سے چنتا کیوں کریں۔"

"ہاں" دونوں چُپ ہو گئے۔ دونوں کے چپ ہونے سے سناٹا ہو گیا۔ سونسی کے کڑے کھڑ کھڑ بجتے تھے۔

"دھرتی آسمان کی طرح لگتی تھی۔" اندھیرے میں سونسی نے رگھوور پرساد کے کان میں پھُس پھسا کہا۔

"کیا ہم اپنے آپ کھڑکی سے باہر جا رہے ہیں۔"

"نہیں، کھڑکی کا باہر، اندر آ رہا ہے"

"تالاب پہلے آیا پھر تالاب کا کنارا آیا۔"

"پگڈنڈی پہلے آئی پھر دھرتی آئی"

"تارے پہلے آئے، پھر آکاش آیا"

پیڑ کا ہرانا پہلے آیا پھر پیڑ آئے"

"پھر تیز ہوا آئی"

"مہک آئی"

"مہک کے بعد پھول کھلے"

"سائیکل کھڑکی کے باہر نہیں گئی۔ کھڑکی کا باہر سائیکل تک آ گیا۔ پر مَیں کیریر میں نہیں بیٹھونگی۔ سامنے تمہاری بانہوں کے بیچ بیٹھونگی" سونسی نے کہا۔

صبح کمرہ نہایا ہوا لگ رہا تھا۔ کمرے کی ہر چیز دُھلی لگ رہی تھی۔

رگھوور پرساد بستر سے سو کر ایسے اُٹھے جیسے نہا دھو کر اُٹھے ہیں۔ سائیکل دُھلی پونچھی تھی۔ رگھوور پرساد کے پہلے سونسی اُٹھ گئی تھی۔

''تم کب اُٹھیں؟''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے''

''گھر دُھلا دُھلا لگ رہا ہے''

''صبح میں اُٹھی تو مجھے لگا کہ تالاب کھڑکی سے باہر جا رہا ہے''

''میں بعد میں اُٹھا تب تالاب کا کنارا جا رہا تھا''

پیڑ چلے گئے، پر پیڑ کا ہر ہرانا ابھی یہاں رہ گیا ہے۔'' سونسی نے کہا۔

''مہک ہے کسی کونے میں پھول ابھی بھی کھِلا ہے''

''کونوں میں پھول کھلے ہوئے ہیں میں دیکھ چکی''

رگھوور پرساد نے کہا، مجھے کالج جلدی جانا پڑے گا۔ سائیکل پہنچانی ہے۔ نہیں تو ہاتھی پر لادنا ہوگا۔ سائیکل دفتر میں جمع ہوگی۔ تم ڈبے میں بھات دیدینا، میں وہیں کھاؤں گا۔''

''شام کو ٹمپو سے لوٹو گے؟''

''صبح سے جا رہا ہوں۔ کالج کے کھلنے تک اِدھر اُدھر گھومتا رہوں گا۔ صدر شعبہ سے چھٹی مانگ لوں گا۔ مل گئی تو ٹمپو سے، نہیں تو ہاتھی سے۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''کمرے میں پیڑوں کا ہر ہرانا چلا گیا۔ اب پیڑوں میں ہر ہرانے کی آواز باہر سے آ رہی ہے'' سونسی نے کہا۔

''پیڑوں کی ہر ہرانے کی آواز میں چڑیوں کی چہچہاہٹ بھی بیٹھی تھی۔ چڑیوں کی چہچہاہٹ بھی ساتھ چلی گئی'' رگھوور پرساد

''پیڑ کی آواز کے پہلے چڑیوں کی چہچہاہٹ اڑ کر چلی گئی ہو'' سونسی نے کہا۔

''پیڑ کی آواز کی شاخوں میں چڑیوں کی چہچہاہٹ بیٹھی ہوگی''

''اچانک اڑ گئی''

''چونک کر گئی''

''جب میں نے تمہاری چادر جھٹکاری تھی''

''تم جب اپنی چادر جھٹکاری تھی تب چونک کر چہچہاہٹ اُڑی؟''

''ہم دونوں ایک ہی چادر اوڑھے تھے۔''

''لیکن ٹھنڈ نہیں تھی''

''لیکن کھڑکی کے پلے کھلے تھے''

''لیکن چادر میں چڑیوں کی چہچہاہٹ تھی''

''لیکن کچھ یہ بھی ہوا''

سائیکل لوٹا نے رگھوور پرساد چلے گئے۔ راستے میں اس بار ان کا دھیان چار تاڑ کے پیڑوں پر گیا۔ پیڑ وہی تھی اور رگھوور پرساد وہاں کالج جانے کا انتظام کیے بغیر کالج جا رہے تھے۔ ہوسکتا ہے تاڑ کے پیڑوں کا اس طرح رگھوور پرساد کا کالج جانا اٹ پٹا لگا ہو۔ تاڑ کے پیڑوں نے رگھوور پرساد کو سائیکل سے جاتے ہوئے نہ بھی دیکھا ہو، ہاتھی سے جاتے ہوئے ضرور دیکھا ہوگا۔ سائیکل سرپٹ جاتی ہے۔ ہاتھی دھیرے دھیرے جاتا ہوا تھا۔ رُک کر انتظار کیے نہیں چلتے چلتے ہاتھی پر انتظار کر رہے ہیں۔ یہ فرق ہوگا۔ رگھوور پرساد جتنی تیزی سے آگے گئے تاڑ کے پیڑ اُتنی تیزی سے پیچھے چھوٹ گئے۔ جیسے کیریئر سے سامان گر گیا۔ معلوم نہیں پڑا اور سامان اور پیچھے پیچھے چھٹتا رہا۔ سائیکل سے جا رہے ہیں۔ ایسی ہمت نہیں۔ لوٹتے وقت چھوٹی ہوئی چیز جہاں چھوٹی تھی، ملتی جائے گی۔ سڑک بالکل خالی تھی۔ تب بھی انہوں نے گھنٹی بجائی۔ لگا تار بجائی کہ شاید جو بھی سامنے تھا ہٹتا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ سڑک کے دونوں کنارے کے پیڑ پہلے سڑک پر رہے ہوں۔ رگھوور پرساد کی گھنٹی بجانے سے دونوں کنارے ہو گئے اور سڑک خالی ہو گئی۔

...

سڑک پر پڑے ایک پتھر کے اوپر سامنے کا پچکا پڑا تو پھٹ سے ٹیوب پھٹ گیا۔ ٹیوب کے پھٹنے سے وہ چونک گئے۔ سائیکل کنارے کے پیڑ سے ٹکراتے بچی۔ کھانے کا ڈبہ جھولے میں تھا اور ہینڈل میں ٹنگا تھا۔ اسلئے گرنے سے بچ گیا۔ ٹمپو والی جگہ سے وہ بہت آگے نہیں آئے تھے۔ سائیکل پیدل لیکر لوٹنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ پنکچر سدھارنے والا وہیں تھا۔

رگھوور پرساد نے سائیکل پیڑ سے لٹکائی اور پتھر کو سڑک سے دور پھینکا۔ پھر وہ سائیکل لے کر لوٹ پڑے۔ یہ وقت ابھی بھی ہاتھی کے آنے کا نہیں تھا۔ اچھا ہوا کہ وہ آج بہت پہلے نکل آئے تھے۔ پنکچر سدھارنے والے کے پاس کام نہیں تھا وہ رگھوور پرساد کو پہچانتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''وقت لگے گا۔ اسپوک ڈھیلا ہے۔ سائیکل کا رِم کچھ سیدھا کرنا پڑے گا۔ چمٹا کی گولیاں بدلنی ہوں گی۔'' دوسرے کی سائیکل تھی۔ پنکچر اُن سے ہوا تھا۔ باقی خرابی پہلے کی تھی۔

''صرف پنکچر سدھاردو۔ دوسرے کی سائیکل ہے۔ پہنچانے جارہا تھا۔''

''اسپوک کسنا پڑے گا نہیں تو رِم اور ٹیڑھا ہو جائے گا۔''

''اچھا کس دینا''

سائیکل کھولتے ہوئے اُس نے پھر کہا، ''وقت لگے گا۔ ہاتھی نہیں تو ٹمپو سے چلے جائیے۔ بعد میں سائیکل لے جانا۔''

''سائیکل آج لوٹانی ہے۔ سائیکل ساتھ لے کر جانا ہے۔''

''گھنٹہ بھر لگ جائے گا''

رگھوور پرساد اِس ایک گھنٹے بھر میں کئی بار چار تاڑ کے پیڑ کو دیکھتے ہوں گے۔ کئی دنوں کا حساب ان پیڑوں کو دینا تھا جو اُن کو دیکھنے سے چُک رہا تھا۔ اِس منظر میں پھر پہلے کی طرح ہاتھی آتا ہوا رگھوور پرساد کو دکھائی دیا۔ ہاتھی وہاں رُکا۔ سادھو نے رگھوور پرساد کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ روز کی طرح اُترا تھا۔ رگھوور پرساد سادھو کو آتے دیکھ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"آپ تو سائیکل سے گئے تھے۔" رگھوور پرساد سے حیرت کے ساتھ سادھو نے کہا۔

"سائیکل سے آیا تھا۔ پر سائیکل پنکچر ہوگئی۔ بنوا رہا ہوں۔" تھکے ہوئے سے رگھوور پرساد نے کہا۔

"کتنا وقت لگے گا؟"

"آدھا گھنٹہ لگ جائے گا"

"کالج کو دیر ہو جائے گی" سادھو نے کہا۔

"ہاں دیر تو ہو جائے گی۔ دوسرے کی سائیکل ہے اس دفتر میں جمع کرنا ہے۔ لاوارث سائیکل ہے۔"

"اسے ایسے ہی لے چلتے ہیں۔ وہاں گاؤں میں بننے کے لئے دے دیں گے۔ بن جائے گی تو دفتر میں جمع کرا دینا"

"سائیکل کھلی پڑی ہے۔ آدھے گھنٹے کی بات ہے"

"میں رُک جاتا ہوں"

"میں سائیکل میں بیٹھ کر جاؤں گا۔ سائیکل ہاتھی پر لاد کر لے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ دوسرے کی سائیکل ہے۔ سنبھال نہیں پایا تو نیچے گر کر ٹوٹ جائے گی۔ ہاتھی کا پاؤں پڑ گیا تو چوڑ ہو جائے گی"

"اچھا آپ آگے چلنا۔ میں پیچھے پیچھے چلوں گا" سادھو نے کہا۔

پان کی دکان سے تمبا کو لے کر اُس نے کہا، "میں ابھی آتا ہوں۔ آپ ہاتھی کا دھیان رکھئے گا۔"

"رگھوور پرساد کچھ کہتے اُسکے پہلے اچانک وہ تیزی سے دکانوں کے پیچھے چلا گیا۔ رگھوور پرساد پریشان ہو اُٹھے وہ ہاتھی دکھا کر چلا گیا تھا۔ ہاتھی کا دھیان کیسے رکھا جائے گا۔ شاید پیشاب کرنے گیا ہو۔ جلدی آجائے گا۔ ہاتھی چُپ چاپ کھڑا تھا۔ اُس کی سونڈ بھی

نہیں ہل رہی تھی۔ جب کہ تاڑ کے پتے ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہوا چل رہی تھی۔ آس پاس کھڑے لوگوں کا ہاتھی کے وہاں اکیلے ہونے پر دھیان نہیں جا رہا تھا۔

ٹمپو آنے کے بعد بھی کسی کے دھیان میں ہاتھی نہیں آیا۔ وہ سونڈ بڑھا کر پیڑ کی ڈال توڑے تو بہتوں کے دھیان میں ایک ساتھ آ جائے گا۔ اکیلے رگھوور پرساد کے دھیان میں ہاتھی تھا۔ سادھو نہیں کہتا، تب بھی دھیان میں ہوتا۔

سائیکل بن گئی تھی۔ کیا ہاتھی کھڑے کھڑے سو رہا تھا۔ بھونپو بجاتا ہوا ایک ٹرک گیا، ہاتھی ویسا ہی کھڑا رہا۔ اس دھیان رکھنے کی ذمہ داری سے وہ بری ہونا چاہتے تھے۔ سادھو نے کہا تھا کہ پیچھے آئے گا۔ وہ پنکچر والے کو ہاتھی دکھا کر ابھی چلے جاتے تو ٹھیک تھا۔ سائیکل بنانے والے کی اُجرت ساڑھے چھ روپے انہوں نے دیے۔

''سنو! مجھے کالج میں دیر ہو رہی ہے۔ میں جانا چاہتا ہوں۔ سادھو پیچھے آئے گا۔

''پریشانی تو نہیں ہوگی''

''نہیں، پریشانی کیوں ہوگی''

''سائیکل بن گئی؟'' سادھو آ گیا تھا۔

''چلئے، پہلے آپ چلئے''

''زیادہ تیز نہیں چلاؤں گا'' سائیکل پر بیٹھتے ہوئے رگھوور پرساد نے کہا۔

''رگھوور پرساد آگے جا رہے تھے۔ سادھو اور ہاتھی بخوشی رگھوور پرساد کے پیچھے جا رہے تھے۔ کبھی کبھی رگھوور پرساد مُڑ کر دیکھ لیتے۔ تب سادھو اشارہ کرتا کہ آ رہا ہوں۔ ہاتھی سائیکل سے بہت پیچھے نہیں تھا۔ ایک بار جب رگھوور پرساد نے مُڑ کر دیکھا تب ہاتھی نے سونڈ اُٹھایا تھا۔ ٹھیک وقت پر رگھوور پرساد کالج پہنچ گئے تھے۔ سادھو سے رگھوور پرساد نے پوچھا، شام کو ملو گے؟ اب سائیکل نہیں ہوگی۔''

''ہاں'' ایک گہرے دوست جیسی خوشی سے سادھو نے کہا۔ سادھو چلا گیا۔ سائیکل برامدے میں لٹکا کر وہ اپنے کمرے میں گئے۔ صدر شعبہ بیٹھے ہوئے تھے۔

''سائیکل جمع کرنا ہے سر!'' رگھوور پرساد تھوڑا ہانپ رہے تھے۔

''بیٹھ کر ستالو بعد میں جمع کر دینا۔ میں نے پرنسپل سے بات کر لی ہے۔ اچھا تم بیٹھو۔ چپراسی کے ہاتھ سے بھیج دیں گے۔ کیا ہاتھی بھی پیچھے پیچھے آیا تھا؟''

''جی سر! میں آگے تھا اور ہاتھی پیچھے۔''

''شام کو ہاتھی سے جاؤ گے'' خاص بات کی طرح انہوں نے پوچھا۔

''جی سر!'' ایک عام بات کی طرح رگھوور پرساد نے کہا

''رگھوور پرساد! تم اپنے پتا کی سائیکل لے آنا''

''اب کی بار جاؤں گا تو لے آؤں گا''

''ایسا کرو جب تک پتا کی سائیکل نہیں آتی تم لاوارث سائیکل اپنے پاس رکھو۔ میں پرنسپل سے بات کر لوں گا۔ ہوسکتا ہے اِس بیچ سائیکل والا آجائے۔ سائیکل تھانے میں جمع ہو جائے تو مشکل سے واپس ملے گی۔ سائیکل والے کو سائیکل کا کباڑ واپس ملے گا۔ تھانے کے سامنے دیکھے نہیں، سو، پچاس سائیکل ایک لمبی چین سے بندھی، زنگ کھاتی، کھلے میں پڑی رہتی ہیں۔ وہاں سائیکلوں کی حالت دیکھ کر سائیکل لینے والا آتا نہیں۔ سائیکل کی پہچان بدل جاتی ہے۔ زنگ لگ جانے کے بعد سائیکل کا نمبر مشکلوں سے دکھائی دیتا ہے۔ زنگ ہٹاتے ہٹاتے سائیکل کا نمبر گھس جاتا ہوگا۔''

سائیکل تھانے میں جمع کرنا ٹھیک نہیں ہے سر! گھنٹی، اسٹینڈ، ٹائر ٹیوب نکال لیتے ہوں گے۔ چکا تک بدل دیتے ہوں گے''

''ہاں! تھانے کے سامنے سائیکل کی دکان ہے۔ سائیکل کے حصے وہیں بدلے جاتے ہوں گے''

''دفتر میں جمع کر دیتے ہیں، پڑی رہے گی۔''

''سائیکل کا اصول ہے، چلتی رہے گی تو ٹھیک رہے گی۔ پڑی رہے گی تو سدھارنے لائق نہیں رہے گی'' اتنے میں پرنسپل کا چپراسی آیا۔

''کیا ہے؟'' صدر شعبہ نے پوچھا۔

''پرنسپل آپ کو بلا رہے ہیں۔ رگھوور پرساد کی طرف اُس نے اشارہ کیا۔

''جاؤ رگھوور پرساد''

رگھوور پرساد پرنسپل صاحب کے پاس گئے۔ پرنسپل دفتر کے بابو کے ساتھ بیٹھے تھے۔

''آؤ'' پرنسپل نے کہا۔

پرنسپل بھی صدر شعبہ کی عمر کے ہوں گے۔ سر کے بال سفید اور سامنے جھڑنے لگے تھے۔ پر اُن کی بھوں اور کان کی بال بڑے تھے۔ سر، جس میں گنجے سر کا حصہ ملا تھا اور کان کا اوپر کا حصہ تیل سے چمک رہا تھا۔ تیل بہت لگاتے تھے۔ کرتا دھوتی پہنتے تھے۔ رگھوور پرساد بیٹھ گئے۔ رجسٹر بند کر پرنسپل اُٹھے، ''میں ابھی آتا ہوں رگھوور پرساد!'' بابو بھی اُٹھا کہ منجر تک سے پانی پینے جا رہے ہیں۔

''پانی پینے جا رہے ہیں؟'' بابو نے پوچھا۔

''ہاں'' پرنسپل نے کہا۔ ہینڈ پمپ چلانے کی ضرورت پڑے گی اسلئے بابو ساتھ ہو گیا۔ پرنسپل ہینڈ پمپ کے رستے تک کالج کے انتظامی معاملات کا ذکر کر رہے تھے۔ بلّی کے پاس ہاتھی کی پڑی ہوئی لید کی طرف بھی انہوں نے اشارا کیا تھا۔

بابو ہینڈ پمپ چلا رہا تھا۔ پرنسپل نے کرتے کی آستین چڑھائی۔ دھوتی سمیٹی، اچھے سے ہاتھ، منہہ، پاؤں دھویا پھر پانی پیا۔ پانی پی کر ہاتھ جھٹکارا تو اُس کے چھینٹے بابو پر بھی پڑے۔ پرنسپل نے سوچا ہوگا کہ پیشاب بھی کر لیں۔ وہ پیشاب کرنے بڑھ گئے۔ پیشاب کرنے کے بعد پانی پیتے تو اچھا تھا لیکن پیشاب زیادہ لگی ہوگی۔ بابو یہ سمجھ کر کہ پیشاب کرنے جا رہے ہیں، وہیں رُک گیا۔ اس خالی وقت میں بابو کو بھی پانی پینے کی خواہش ہوئی۔ اُس نے ہینڈ پمپ چلایا۔ ہینڈ پمپ چھوڑ کر جلدی چلّو میں پانی اکٹھا کیا۔ ڈیڑھ چلّو پانی پیا ہوگا کہ پانی نکلنا بند ہو گیا۔ دوبارا اس نے ہینڈ پمپ نہیں چلایا۔ پرنسپل نکل آئے

تھے۔ وہ دفتر کی طرف جا رہے تھے۔ ساتھ دینے کے لئے بابو تیز چل کر اُن کے پاس پہنچ گیا تھا۔

پرنسپل نے پوچھا، ''رگھوور پرساد! سائیکل کس کی ہے پتہ چلا؟''

''ابھی تک پتہ نہیں چلا سر!''

''آپ اسی سائیکل سے آتے جاتے ہیں؟''

''جی سر! آج دفتر میں جمع کر دوں گا۔ صدر شعبہ نے سائیکل لے جانے کے لئے کہا تھا'' میں نے اُن سے کہا تھا، آپ ہاتھی سے آتے جاتے ہیں اسلئے۔ رگھوور پرساد تمہارے ہاتھی کی وجہ سے ڈر لگتا ہے کہ بچوں کے ساتھ کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ بچے کھلے رہتے ہیں اُن کے بیچ ہاتھی چلا جاتا ہے''

''نہیں سر! ایسا نہیں ہے۔ ہاتھی آتا ہے تو بچے ہاتھی کے پاس آجاتے ہیں''

''ایک ہی بات ہے''

''اب میں سڑک کے کنارے اُتر جاؤں گا''

''صدر شعبہ کو آپ کا ہاتھی سے آنا جانا ٹھیک نہیں لگتا۔ انہیں لگتا ہے کہ آپ کسی دن جھنجھٹ میں نہ پڑ جائیں۔ سادھو کیسا آدمی ہے؟''

''اچھا آدمی ہے سر!''

''ایسا کرئے آپ ابھی سائیکل دفتر میں جمع مت کرائے۔ کچھ دن اور چلائے۔ شاید سائیکل کے مالک کا پتہ چل جائے۔''

''نہیں سر! یہ ذمہ داری کا کام ہے۔ سائیکل ٹوٹ پھوٹ جائے گی تو مجھے بھرنا پڑے گا۔''

''سائیکل دفتر میں رہے گی تو اس کا غلط استعمال ہوگا۔ آپ کے پاس اچھے سے رہے گی۔''

''سائیکل میں تالا لگا کر رکھ دیں گے''

''رکھے رکھے خراب ہو جائے گی''

''سائیکل والا بنوالے گا''

''سائیکل والے کا کب تک راستہ دیکھیں گے۔''

''کچھ دن اور دیکھ لیتے ہیں سر!''

''سائیکل تھانے میں جمع کرادینا ٹھیک ہوگا۔ زیادہ دن یہاں رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے، اس سائیکل کی چوری ہونے کی رپورٹ تھانے میں درج ہو۔ چور یہاں چھوڑ گیا ہو۔''

''ٹھیک کہتے ہیں سر!''

رگھوور پرساد نے سائیکل دفتر میں جمع کرادی۔ شام کو سادھو آیا تب ہاتھی پر چڑھتے ہوئے رگھوور پرساد نے کہا

''پرنسپل کالج کے پاس ہاتھی لانے کو منع کر رہے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ بچوں کے ساتھ حادثہ ہوسکتا ہے۔''

''وہ تو سائیکل سے بھی ہوسکتا ہے''

''سائیکل سے چوٹ لگے گی تو جان جانے کا خطرہ نہیں ہے۔ ہاتھی سے جان جاسکتی ہے۔''

''گائے، بیل، بیل گاڑی کالج کے پاس ہوتی ہے اس سے بھی جان جاسکتی ہے''

''سادھو کو ہاتھی کے احترام کے سلسلے میں چوٹ لگی ہوگی''

''لیکن ہاتھی بہت بڑا ہے اُس کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے''

''آپ کو بھی لگتا ہے؟''

''ہاں لگتا ہے پر پہلے سے کم۔''

''کچھ دن میں یہ ڈر چلا جائے گا۔''

''رگھوور پرساد ہاتھی کے اوپر بیٹھے بگلوں کے جھنڈ کو جاتے ہوئے دیکھ رہے

تھے۔ اُڑتے ہوئے بگلوں کے جھنڈ سے سڑک پر چلتے ہوئے لوگوں کو کسی حادثے کا ڈر نہیں تھا۔ پرندے دائیں بائیں آکر بیٹھ جاتے پر ڈر نہیں لگتا۔ اچھا لگتا ہے کہ اور پاس آجائیں۔ ہاتھ پر بیٹھ جائیں۔ رگھوور پرساد کا من ہوا کہ وہ سادھو سے کہیں کہ بگلے اُڑ کر گئے اور اُن سے کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ سادھو کو شاید اس منطق کا علم ہو کہ اُڑتا ہوا ہوائی جہاز گر جانے سے ایک بڑا حادثہ واقع ہوتا ہے۔ پر ہوائی جہاز پرندے سے بہت بڑا ہے۔ ایک بڑا ہوائی جہاز چھوٹے سے پرندے سے ٹکرا کر حادثہ پذیر ہو جاتا ہے۔ یہ منطق سادھو کو نہیں معلوم ہوگی۔ یہ سچ تھا کہ رگھوور پرساد کا ہاتھی سے ڈر کم ہو رہا تھا۔

رات کے گزرنے سے جاتا ہوا اندھیرا شاید ہاتھی کی شکل میں چھوٹ گیا تھا۔ جیوں جیوں صبح ہوگی ہاتھی کی شکل کا اندھیرا ہاتھی کی شکل کی صبح ہو کر باقی صبح میں گھل مل جائیگا۔

علی الصباح جب رگھوور پرساد کی نیند کھلی، سونی بستر پر سو رہی تھی۔ رگھوور پرساد اُٹھے۔ کمرے میں زیادہ اندھیرا تھا۔ کھڑکی سے باہر صبح کا کم اندھیرا تھا۔ رگھوور پرساد دروازہ کھول کر باہر آئے۔ سڑک کی روشنی بجھی تھی۔ رات سے نہیں جلی تھی۔ رگھوور پرساد دروازے کی دہلیز پر بیٹھ گئے۔ انہیں لگا کہ نیم کے پیڑ کے نیچے اندھیرا زیادہ ہے۔ نیم کے پیڑ کے نیچے کا زیادہ اندھیرا ہاتھی کے اندھیرے کی شکل کا تھا۔ رات کے گزرنے سے جاتا ہوا یہ اندھیرا شاید ہاتھی کی شکل میں چھوٹ گیا تھا۔ جیوں جیوں صبح ہوگی ہاتھی کی شکل کا اندھیرا ہاتھی کی صبح ہو کر باقی صبح میں گھل مل جائیگا۔ لیکن رگھوور پرساد نے دیکھا کہ جیوں جیوں صبح ہو رہی تھی اور اُجالا پھیل رہا تھا ہاتھی کی شکل کا گہرا اندھیرا ہو رہا تھا۔ صبح اِس اندھیرے کو بھول رہی تھی۔ اِس ہو رہی صبح کو کیا رگھوور پرساد یاد دلائیں چلّا کر کہ اِس ہاتھی کی شکل کے اندھیرے کو تم بھول گئی ہو پر رگھوور پرساد سوچتے رہے اور پوری صبح ہوگئی۔ پوری صبح میں وہ سچ مچ کا ہاتھی تھا۔ تب تک سونی اُٹھ کر آ گئی تھی اُس نے بھی ہاتھی کو دیکھا۔

''سادھو ہاتھی چھوڑ کر چلا گیا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' سونی نے کہا۔ اُسے ابھی پورا بھروسہ تھا کہ سادھو قریب کی گلی میں ہو۔ پھر اُس نے امید چھوڑ دی۔

''ایک نہ ایک دن یہی ہونا تھا۔''

''پڑوسیوں کو معلوم ہوگا تو غصہ ہوں گے۔''

''ابھی سادھو کے آنے کی امید ہے۔''

مجھے نہیں ہے۔''

''طوطے کا پنجڑہ اُس نے پڑوسی کو دیا۔ پنجڑہ ہم رکھ لیتے۔ ہاتھی کیسے سنبھالیں گے۔''

''ہاتھی کی دیکھ بھال میں کرلوں گی۔ تم فکر مت کرو۔'' سونسی نے کہا۔

''ہاں مگر دیکھ بھال کریں گے۔ پتہ لگا کر محکمۂ جنگلات کو ہاتھی دے دیں گے۔''

''محکمۂ جنگلات تک ہاتھی کیسے لے جائیں گے۔''

''محکمۂ جنگلات والے کو یہاں بلالائیں گے وہ ہاتھی لے جاسکیں گے۔''

''اچھا تم ہاتھ مُنھ دھوکر تیار ہو جاؤ۔''

''پہلے تم تیار ہو جاؤ۔ میں یہاں دیکھتا ہوں۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔ دیکھنا کیا۔ چلو اُٹھو۔'' سونسی نے رگھوور پرساد کو ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا۔ دروازہ کھُلا رکھا گیا تھا، تاکہ ہاتھی کو آتے جاتے دیکھا جاسکے۔ رگھوور پرساد باہر آکر ہاتھ مُنھ دھو رہے تھے۔ وہ سوچتے جارہے تھے کہ ابھی صبح ہاتھی کے لئے کیا کریں۔

''چائے بن گئی۔'' سونسی نے کہا۔ رگھوو پرساد اندر گئے۔ چائے لے کر وہ دروازے کے پاس دہلیز پر بیٹھ گئے۔

''دہلیز پر مت بیٹھو، اماں منع کرتی ہیں۔''

''شام کے لئے منع کرتی ہیں کہ نامناسب ساعت ہے۔ یہ تو سویرا ہے''

''ہاں''

''سادھو ہم لوگوں کو ہاتھی کی دیکھ بھال سکھا دیتا تو اچھا تھا۔'' چائے پیتے ہوئے رگھوور پرساد نے کہا۔ سونسی اپنی چائے لے کر وہیں بیٹھ گئی۔

''تم چار بالٹی پانی سے ہاتھی کو پہلے نہلا دینا۔'' سونسی نے کہا۔ ''پھر ہنسیا لے کر پیڑ

کی ڈال کاٹ لینا'''' آج کالج کی چھٹی لے لوں گا۔ سادھو کہاں رہتا ہے یہ بھی تو معلوم نہیں۔شاید بیمار ہو۔''

''بیمار ہوتا تو گھر پر ہاتھی رکھتا، یہاں کیوں چھوڑ کر جاتا۔''

''وہ اپنی دیکھ بھال کرلے گا پر ہاتھی کی دیکھ بھال کرتے نہیں بنے گا۔ چائے پی کر میں دیکھتا ہوں کہ پیڑ پر چھپ کر بیڑی پینے والا لڑکا بیٹھا ہے یا نہیں۔ اُس سے پوچھیں گے کہ اُس نے سادھو کو ہاتھی لاتے ہوئے دیکھا تھا۔ سادھو کدھر گیا۔''

''اتنی صبح لڑکا نہیں آیا ہوگا۔''

''بیڑی پینے کی خلش ہوئی ہوگی تو آیا ہوگا۔''

''اُس لڑکے سے کہنا کہ وہ یہاں نیم کے پیڑ پر بیٹھا رہے۔ یہاں ہاتھی کی دیکھ بھال ہو جائے گی۔''

''میں اُس سے پوچھوں گا ہاتھی کو تو وہ وہاں سے بھی دیکھ سکتا ہے۔''

''رگھوور پرساد ہاتھی کی نظر بچا کر چلنا چاہتے تھے۔ پیچھے ہاتھی آسکتا تھا۔ تبھی سونسی نے کہا۔''

''سنو!'' وہ رُک گئی۔

ہنسیا بھی ساتھ لے جاؤ۔ اُس سے کہنا کہ وہ پیڑوں کی ڈال ہنسیا سے کاٹ دے تو اچھا ہو۔ پیڑ پر تو چڑھا ہے، تم پیڑ کی ڈال یہاں لے آنا۔''

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا'' سونسی سے ہنسیا لے کر رگھوور پرساد سڑک کے کنارے سے بڑھے۔ پاجامہ بنیان پہنے تھے۔ لیکن ہاتھی نے اُن کو دیکھ لیا۔ ہاتھی دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اُن کے پیچھے ہولیا، سونسی دیکھ رہی تھی۔ وہ ڈری نہیں۔ پیڑ پر چڑھے ہوئے لڑکے نے رگھوور پرساد کو بتایا کہ ہاتھی اُن کے پیچھے آرہا ہے۔ رگھوور پرساد نے مُڑ کر دیکھا۔ وہ پیڑ کے نیچے گئے۔ انہوں نے لڑکے سے پوچھا۔ ''تم یہاں کب سے ہو؟''

''میں یہاں بہت پہلے سے ہوں نیند کھل گئی تھی۔''

''سادھو کو ہاتھی چھوڑ کر جاتے ہوئے دیکھے تھے؟''

''ہاں، اُس نے ہاتھی کو پیار کیا تھا۔''

''کدھر گیا؟''

''اِدھر'' اُس نے اشارا کیا۔

''اچھا تم ہاتھی کے لئے پیڑ کی پتلی ڈال توڑ سکو گے؟ ہاتھی بھوکا ہے۔ میں ہنسیا لایا ہوں۔''

لڑکا پیڑ سے تھوڑا نیچے اُترا۔ رگھوور پرساد نے ہاتھ اُونچا کر اُسے ہنسیا پکڑایا۔ وہ پھر چڑھ گیا۔ ہاتھی وہاں آ گیا تھا۔ لڑکا پیڑ کی ڈال کاٹ کر گرانے لگا۔ رگھوور پرساد پیچھے ہٹ گئے تھے۔ پیڑ کی ڈالوں کو دیکھ ہاتھی سمجھ گیا کہ یہ اُس کے لئے ہے۔ ہاتھی اُس کی طرف بڑھا۔ ہاتھی کو کھاتا دیکھ کر رگھوور پرساد خوش ہو گئے۔ پیڑ پر چڑھا لڑکا بھی خوش تھا۔ اُدھر سونسی بھی بہت خوش تھی۔ وہ گنگنا رہی تھی اور تھوڑا تھرک رہی تھی۔ سڑک ابھی تک سنسان تھی۔ دور سے بیل گاڑی کے آنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ صبح کا سب کچھ سنائی اور دکھائی دینے لگا تھا۔ ہاتھی کے کھانے کا جب تک جُگار نہیں تھا، صبح میں کمی تھی۔ سونسی وہاں آ گئی۔ ڈال کو اپنے ہاتھ سے ہاتھی کو کھلانے لگی۔

''بس ہو گیا۔'' رگھوور پرساد نے لڑکے سے کہا۔ لڑکا نیچے اُتر آیا۔ وہ اپنے ہاتھ سے ہاتھی کو کھلانے لگا۔ رگھوور پرساد بھی کھلانے لگے تھے۔

سونسی کو گھر کا کام کرنا تھا، وہ لوٹ آئی۔ رگھوور پرساد نے لڑکے سے پوچھا تھا۔

''تم ابھی پیڑ پر رہو گے نا؟''

''ہاں پیڑ پر رہوں گا۔ ہاتھی کے کھانے کے لئے ابھی بہت ہے۔''

''میں جاؤں۔'' انہوں نے لڑکے سے پوچھا۔

''ہاں'' لڑکے نے رگھوور پرساد کو ہنسیا لوٹا دیا تھا۔

گھر آ کر رگھوور پرساد پھر دہلیز پر دروازے سے ٹِک کر بیٹھ گئے۔ وہ ہاتھی کو آتا

ہوا دیکھ رہے تھے۔ سونسی کھانا بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔

"جاؤ تالاب سے نہا کر آجاؤ۔ میں کب کی نہا چکی ہوں۔"

"میں ہاتھی کو دیکھ رہا ہوں وہ کیا کرتا ہے؟"

"اُس کا پیٹ بھر گیا ہے۔ اُس کی چِنتا نہیں ہے"

"اِدھر اُدھر نہ چلا جائے۔ گڑبڑ تو نہیں ہوگی۔"

"نہیں ہوگی۔ ہاتھی سمجھدار ہے تم ٹمپو سے کالج چلے جانا۔"

"اچھا میں نہا کر آتا ہوں۔ ہاتھی کا دھیان رکھنا۔

"ہاں رکھوں گی۔"

"رگھوور پرساد کی چڈّی بنیان چارپائی پر رکھی تھی، کپڑے اور گچھے لے کر وہ کھڑکی سے کود گئے۔ گوبر سے لیپی پگڈنڈی پر وہ بھاگتے جا رہے تھے۔ جاتے وقت بوڑھی اماں دکھائی نہیں دی۔ لوٹ رہے تھے تب ایک پیڑ کے نیچے بیٹھی تھی۔

"بوڑھی اماں کیا کر رہی ہو؟" رگھوور پرساد نے پوچھا۔

"ٹھہر ٹھہر۔" بوڑھی اماں نے بھاگتے ہوئے رگھوور پرساد کو روکا۔ بوڑھی اماں نے تازی پتی سے بنا ایک دونا تھا۔ اُس میں دو بتاشے تھے۔ بوڑھی اماں نے گرم گرم اِسے چوآیا ہو۔ بتاشے سے تازہ مہک آ رہی تھی۔

"اِسے کھالے" بوڑھی اماں نے بتاشے توڑ کر رگھوور پرساد کو کھلایا۔ "لے جا سونسی کو دیدینا" دونا پکڑاتے ہوئے بوڑھی اماں نے کہا۔ رگھوور پرساد دونا لے کر بھاگے۔ آدھا بتاشا راستے میں کھایا پھر کمرے کے اندر گھستے ہوئے انہوں نے کھلے ہوئے دروازے سے دیکھا تھا، ہاتھی نیم کے پیڑ کے نیچے کھڑا تھا۔ سونسی کو دونا پکڑاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ بوڑھی اماں نے دیا ہے، کھالو۔ میں نے کھالیا ہے۔" سونسی نے آدھا بتاشہ کھایا اور آدھا بچا بتاشہ رگھوور پرساد کو دیا تو انہوں نے کھالیا۔

پڑوس میں تالا بند تھا۔ اسلئے اچھا تھا۔ گھر کے سامنے ایک آزاد ہاتھی سے خطرہ ہو

سکتا تھا۔ اُس کی ہلکی ٹکّر سے دیوار بھر بھرا کر گر سکتی تھی۔ جو سمجھداری تھی وہ سکھائی ہوئی سمجھداری تھی۔ اس سکھائی ہوئی سمجھداری پر ہی بھروسہ کیا جا سکتا تھا اِسکے علاوہ جو تھا اُس پر بھروسہ نہیں تھا۔ ہاتھی پیڑ کے نیچے چپ چاپ تھا۔ سادھو نہیں تھا۔

رگھوور پرساد تو نہا چکے تھے انہوں نے سونسی سے کہا، ''ہاتھی نہیں نہایا''

''تالاب لے جاتے تو اچھا تھا۔''

''کالج کے آگے کے تالاب میں وہ نہاتا ہے۔''

''اُس کا نہانے کا من ہو رہا ہوگا۔ اپنے من سے جا کر نہا کیوں نہیں لیتا۔ ہم اُسے روک تو نہیں رہے تھے۔'' سونسی نے کہا۔ یہیں کھڑا رہے تو اچھا ہے۔ چلا گیا تو فکر ہو جائے گی۔

''ہاں''

''کالج سے فرصت لے لیتا ہوں۔''

''ویسے میں ہاتھی کی دیکھ بھال کر لوں گا۔''

''تم سے نہیں بنے گا۔ چھٹّی کی درخواست صدر شعبہ کو دے آتا ہوں۔ وہ نہیں ملے تو درخواست دینے کے لئے کالج جانا ہوگا۔

''کیسے جاؤ گے؟ ہاتھی دیکھے گا تو پیچھے آئے گا۔''

''اُن کا گھر بھیڑ بھاڑ والے محلے میں ہے۔ ہاتھی کا جانا وہاں ٹھیک نہیں ہے۔''

''چھٹّی کی درخواست لکھنے کے بعد رگھوور پرساد نے دروازے سے جھانک کر ہاتھی کو دیکھا۔ ہاتھی گھر کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ سڑک کے اِکا دکا ہلچل پر اُس کا دھیان ہوگا۔ ''میں جا رہا ہوں۔'' انہوں نے دھیرے سے کہا۔ ہلکے سے دروازہ کھولا۔ پاؤں دبا کر گھروں کے کنارے کنارے وہ چلے۔ کچھ دور جانے کے بعد دیکھا کہ ہاتھی وہیں کھڑا تھا۔ تیزی سے صدر شعبہ کے گھر کی طرف وہ بڑھے۔ جی چاہا کہ دوڑتے جائیں تو وقت بچے گا۔ درخواست قمیص کی اُوپر کی جیب میں تھی۔ وہ دوڑنے لگے۔ جیب کی ریزگاری بج رہی تھی۔

دوڑنے سے گر نہ جائیں اسلئے بائیں ہاتھ سے جیب دبائے وہ دوڑ رہے تھے۔

صدر شعبہ جلیبی کا پوڑا پکڑے سڑک کی دوسری جانب سے گھر آرہے تھے۔ رگھوور پرساد کو انہوں نے دوڑتے ہوئے دیکھا۔ انہیں لگا کہ کیا بات ہے۔ رگھوور پرساد نے صدر شعبہ کو نہیں دیکھا تھا وہ صدر شعبہ کے گھر کی طرف مڑے تو صدر شعبہ نے آواز دی۔ رگھوور پرساد، رگھوور پرساد۔ رگھوور پرساد نے آواز نہیں سنی۔ پاس ایک آدمی جارہا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ دوڑنے والے کو آواز دی جارہی ہے۔ نہ تو وہ رگھوور پرساد کو جانتا تھا نہ صدر شعبہ کو۔ مدد کے خیال سے اُس نے رگھوور پرساد سے کہا، ''رگھوور پرساد'' سن کر رگھوور پرساد ٹھہر گئے۔ وہ حیرت سے آدمی کو دیکھ رہے تھے۔ ''آپ کو بُلا رہے ہیں'' اُس نے صدر شعبہ کی طرف اشارا کیا۔ رگھوور پرساد نے صدر شعبہ کو دیکھا تو صدر شعبہ نے ہاتھ اُٹھایا۔

''کیا بات ہے رگھوور پرساد'' فکر مندانہ انداز میں صدر شعبہ نے پوچھا۔

''آج کی چھٹی کی درخواست دینا تھا سر!''

''سب ٹھیک تو ہے نا؟''

''رگھوور پرساد کچھ کہتے کہتے رُک گئے''

''چلو گھر پر بیٹھتے ہیں۔ جلیبی ٹھنڈی ہو رہی ہے''

''نہیں سر! مجھ کو جلدی ہے۔''

''کس بات کی جلدی ہے!''

''کچھ نہیں سر! درخواست انہوں نے صدر شعبہ کو دی

''جلیبی نہیں کھاؤ گے؟''

''نہیں سر''

''چھٹی لیکر کیا کھڑکی کے پیچھے گھومنے جاؤ گے۔''

''نہیں سر!''

''اچھا تھوڑی دیر میں، میں تمہارے گھر آتا ہوں۔''

''نہیں سر! سب ٹھیک ہے۔''

''سب ٹھیک ہے تو چھٹی کیوں لے رہے ہو؟'' صدر شعبہ نے کہا۔

''ویسی بات نہیں ہے۔'' کہہ کر رگھوور پرساد تیزی سے مُڑے۔ مُڑ کر دو قدم بعد انہوں نے ''سر'' کہا۔

یہ ''سر'' انہیں پہلے کہی ہوئی بات کے ساتھ کہنا تھا کہ بات ہے پر ویسی بات نہیں ہے سر۔ جو کہنے سے چھوٹ گیا تھا بعد میں نکلا۔ بعد میں نکلے ''سر'' کی وجہ سے صدر شعبہ ٹھہر گئے تھے کہ رگھوور پرساد کچھ کہیں گے۔ اس سر کو انہوں نے کچھ کہیں گے کا پہلا کہا ہوا لفظ سمجھا۔ رگھوور پرساد بنا کہے چلے گئے۔ صدر شعبہ نے سوچا کہ رگھوور پرساد جھنجھٹ میں ہے۔ وہ پوچھیں گے کہ سر کہنے کے بعد انہوں نے آگے کہا کیوں نہیں۔

لوٹتے وقت بھی رگھوور پرساد کچھ دور تک تو دوڑے تھے۔ پھر تھک جانے کی وجہ سے نہیں دوڑے۔ بعد میں وہ دھیرے لوٹے انہیں ہاتھی دور سے نظر آ گیا تھا۔ وہ ابھی بھی کچھ چھپ کر لوٹ رہے تھے۔ ہاتھی نے رگھوور پرساد کو دیکھ لیا تھا۔ وہ رگھوور پرساد کی طرف نہیں بڑھا۔ شاید ہاتھی نے سوچا ہوگا کہ رگھوور پرساد اُس سے دور نہیں جا رہے ہیں پاس آ رہے ہیں۔

کتنے دن ہو گئے کو کتنے دن ہو گئے میں ہی رہنے دینا چاہئے۔ دن کو گنتی میں نہیں سمجھنا چاہئے۔ کسی کو بھی نہیں۔ گنتی چہار دیواری کی طرح ہے جس میں سب مٹ جاتا ہے۔ لا انتہا جیسے بھی گنتی میں انتہا ہو جاتی۔ جو گنا نہیں گیا اُس کا پھیلاؤ لا محدود میں رہتا تھا کہ وہ کبھی بھی کہیں بھی ہے چاہے کتنا چھوٹا یا کم کیوں نہ ہو۔ ابھی صبح سے گھر کے سامنے کا ہاتھی کب سے ہے، ہو گیا تھا۔ صبح بیتی تھی یہ ایسی بیتی تھی کہ روز کی صبح لگ رہی تھی۔ رگھوور پرساد ہاتھی کو ہمیشہ کی طرح دیکھ رہے تھے۔ ہاتھی نے رگھوور پرساد کو ہمیشہ کی طرح دیکھا ہوگا۔ سونسی ہمیشہ کی طرح گھر کا کام کرتے ہوئے ہاتھی کو دیکھ جاتی تھی۔ فطری طور پر اُس کی دلی حالت ایسی تھی کہ وہ خوشی سے بھری رہتی۔ ہاتھی کا سُکھ ہاتھی کی فکر سے بڑا تھا۔

رگھوور پرساد گھر کے اندر گھسے۔ اُن کے آتے ہی سونسی نے کہا'' کھانا تھوڑی دیر میں بن جائے گا''۔'' پر میں کالج نہیں جاؤں گا۔ چھٹی کی درخواست میں نے صدر شعبہ کو دے دی ہے''

''بھوک نہیں لگ رہی ہے؟''

''لگ رہی ہے''

''گرم گرم کھالینا''

''تم نہیں کھاؤ گی؟''

''میں تمہارے ساتھ کھاؤں گا''

''گھر کا سب کام تمہارے کھانے کے بعد ختم ہوتا ہے''

صدر شعبہ سے رہا نہیں گیا کہ رگھوور پرساد جھنجھٹ میں ہوں گے، کچھ کہا نہیں اور رگھوور پرساد کے گھر انہیں جانا چاہئے۔ کالج جاتے وقت وہ رگھوور پرساد کے گھر کی طرف مُڑے۔ رگھوور پرساد کے گھر کے سامنے کھڑا ہوا ہاتھی انہیں دکھائی دیا۔ انہوں نے سوچا تھا اگر خاص بات نہیں ہوتی تو وہ رگھوور پرساد کو اسکوٹر پر کالج لے جائیں گے۔ لیکن ہاتھی تھا۔ رگھوور پرساد چھٹی لیکر ہاتھی سے گھومنے جا رہے ہیں؟ رگھوور پرساد اور سونسی دروازے پر بیٹھے تھے۔ رگھوور پرساد نے صدر شعبہ کو دیکھا تو اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ سونسی بھی کھڑی ہو گئی۔ صدر شعبہ اسکوٹر کھڑا کر رہے تھے تو رگھوور پرساد نے چلاّ کر کہا،'' وہاں نہیں، دور رکھئے اور دور سنبھل کر آئیے۔ سادھو نہیں ہے اکیلا ہاتھی ہے۔ ہاتھی سے دور اسکوٹر کھڑا کر صدر شعبہ کنارے سے رگھوور پرساد کے پاس آئے۔

''سادھو کہاں گیا؟'' صدر شعبہ نے کہا۔

''نہیں ہے، ہاتھی چھوڑ کر چلا گیا'' رگھوور پرساد نے جھینپتے ہوئے کہا۔

''کیا اُسی لئے چھٹی لے رہے ہو؟''

''جی سر! ہاتھی کی دیکھ بھال کے لئے''

''کب تک دیکھ بھال کرو گے۔''

''دو ایک دن بس۔ پھر جنگل محکمہ کو دے دوں گا۔ کیا مجھے پولس کو خبر کرنی چاہئے''

''آگے فوجداری کا معاملہ بن سکتا ہے۔ ہاتھی توڑ پھوڑ کرے، لوگ تم پر معاوضے کا مقدمہ دائر کر سکتے ہیں۔ جھگڑا کر سکتے ہیں۔ لیکن سچ میں پریشانی ہے۔ بھول جاؤ، گھر کے سامنے ہاتھی ہے۔ ہاتھی تمہارے ذمہ داری کیسے ہوگئی؟''

''سڑک پر پڑا ہوا پتھر جب ذمہ داری ہے کہ اُسے ہٹا دینا چاہئے، یہ تو ہاتھی ہے سر! میرا آشنا ہاتھی۔ ایک بڑا جاندار ہے۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا دو ایک دن دیکھوں گا کہ سادھو آجائے۔''

''اچھا یہ بتاؤ تم نے درخواست دینے کے بعد جاتے جاتے 'سر' کہا اور کچھ نہیں کہا، چلے گئے۔''

''بات یہ ہے سر! پہلے بات کرتے وقت میں آپ کو سر کہنا بھول گیا تھا۔ بعد میں یاد آیا تو بھولا ہوا اکیلا 'سر' نکلا۔ میں نے سوچا کہ آپ پہلے کہے ہوئے کے ساتھ اسے جوڑ لیں گے۔'' ''تم تو کئی بار کہنا بھول جاتے ہو دن کے آخر میں اگر تم دس بار صرف سر، سر کہہ دو گے تو میں کہاں تک اُس سر کو کیا کیا کہنے کے ساتھ جوڑ کر پورا کرتا رہوں گا۔ اچھا فرض کرو کالج کا وقت پورا ہونے کے بعد گھر جانے کے پہلے تم میرے پاس آئے اور دس پندرہ بار تم صرف سر، سر کہہ کر چلے گئے۔ اب میں گھر جانا چھوڑ کر تمہارے 'سر' کا حساب لگاتا بیٹھا رہوں گا۔ اگر تم نے ضرورت سے زیادہ بار 'سر' کہہ دیا تو میں اُسے جمع رکھوں گا کہ آگے کی بھول میں حساب پورا کرلوں۔ نہیں رگھوور پرساد! تم مجھے 'سر' کہنا چھوڑ دو۔''

''جی'' رگھوور پرساد مسکرائے۔

سونسی چائے لے کر آگئی۔ رگھوور پرساد نے سونسی کو اپنی کپ سے چائے دی۔

''ہاتھی سے تم کالج نہیں جاسکتے۔ میرے ساتھ اسکوٹر سے چلو اور ہاتھی کو بھول جاؤ۔''

''میں نے ابھی کھایا نہیں ہے۔''

''ڈبّہ لے چلو'' صدر شعبہ نے کہا۔

سونسی نے ڈبّہ تیار کیا۔ رگھوور پرساد کا من نہیں ہو رہا تھا کہ سونسی مشکلوں میں نہ پڑ جائے۔

''میں نے چھٹی کی درخواست دی ہے'' رگھوور پرساد آخر میں سر! کہنا چاہتے تھے پر نہیں کہا۔

''میں اسے پھاڑ دیتا ہوں'' صدر شعبہ نے درخواست پھاڑ دی۔ پھر وہ کھڑکی کے پاس گئے۔

کھڑکی سے سر نکالا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ انہوں نے گہری سانس لی۔

''چلو'' صدر شعبہ نے کہا۔

''چلئے'' ڈبّہ لے کر رگھوور پرساد نے کہا۔

رگھوور پرساد کے جانے کے بعد کھڑکی کی طرف گائے آئی۔ ایک روٹی گائے کو دینے کے بعد ایک روٹی لے کر سونسی ہاتھی کے پاس گئی۔ دونوں ہتھیلیوں پر رکھ ہاتھ پھیلا اُس نے روٹی ہاتھی کو دی ہاتھی روٹی اُٹھا رہا تھا پر سونسی نے آنکھ بند نہیں کی۔ سونڈ کا احساس اُسے ہوا تھا۔ وہ کھانا کھانے بیٹھی تو پیڑ پر چھپ کر بیڑی پینے والا لڑکا آیا۔ سونسی پہلے اُسے پہچانی نہیں۔ وہ ہمیشہ پیڑ پر ہوتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے ہاتھی کو کھلانے وہ پیڑ سے نیچے اُترتا تھا تب زمین پر دیکھا گیا تھا۔

''ہاتھی کے لئے ڈال کاٹ دوں؟'' اُس نے سونسی سے پوچھا۔ بارہ تیرہ سال کا لڑکا تھا۔ قمیص اور خاکی ہاف پینٹیس پہنے ہوا تھا۔ دُبلا پتلا تھا آنکھیں بڑی تھیں۔ بال تیل سے چُپڑے اور کنگھی کئے ہوئے تھے۔

''کھانا کھائے گا؟'' سونسی کھانا لے کر بیٹھی تھی۔

''روٹی ہے'' اُس نے پوچھا۔

''بھات ہے'' سونسی نے کہا۔

ایک بڑی رکابی میں سونسی نے اُسے بھات، ہری مرچ، پیاز اور چٹکی بھر نمک دیا۔ یہی وہ اپنے لئے لے کر بیٹھی تھی۔ ساگ نہیں تھا۔ وہ ہر بر، ہر بر کھا رہا تھا۔

''دھیرے کھاؤ'' سونسی نے کہا۔ سونسی کی طرف دیکھ کر وہ دھیرے کھانے لگا۔ دروازہ کھلا تھا۔ سونسی جہاں بیٹھی تھی وہاں سے ہاتھی نظر آ رہا تھا۔ پھر ہاتھی نظر آنا کم ہو گیا، تھوڑا حصہ سونڈ کا دکھائی دے رہا تھا۔ سونسی کھاتے کھاتے سرک گئی۔ اب تقریباً آدھا ہاتھی اُسے نظر آ رہا تھا۔

''چھپ کر بیڑی کیوں پیتا ہے؟'' سونسی نے پوچھا۔

''ددا مارتا ہے''

''مت پیا کر'' سونسی نے سمجھایا۔ رکابی میں اُس کا بھات ختم ہو گیا تھا۔ وہ سر جھکائے نمک چاٹ رہا تھا۔

''بھات اور دوں؟''

''ہاں دے دو'' اُس نے کہا۔ اُسے بہت بھوک لگی تھی۔

جب تک اُس کا باپ گھر پر رہتا، وہ گھر نہیں جاتا تھا۔ گھر کے سامنے دروازے کے پاس، ڈنڈا دیوار سے لگا دیکھتا تو وہ سمجھ جاتا کہ باپ گھر میں ہے۔ جب ڈنڈا نہیں رہتا تب گھر میں گھستا۔ اُس کا باپ راوت تھا۔ وہ گھر گھر دودھ دوہتا اور گائے بیل چرانے دُور نکل جاتا۔ باپ کو یہ پتا تھا کہ اُس کے ڈر سے لڑکا گھر نہیں آتا۔ اس لئے وہ زیادہ سے زیادہ وقت گھر سے باہر رہنے کی کوشش کرتا بھول سے گھر آ جاتا اور لڑکا وہاں ہوتا تو لڑکا پیچھے آنگن کی دیوار پھاند کر بھاگ جاتا۔ اکلوتا لڑکا تھا۔ اُس کی دونوں لڑکی چھوٹی عمر میں مَر گئی تھی۔ لڑکے کے بھگانے کے بعد بھی اُس کا باپ گھر پر نہیں رُکتا تھا۔ اُسے لگتا تھا کہ لڑکا کہیں سے چھپ کر اُسے دیکھ رہا ہوگا کہ جب ددا گھر سے باہر جائے تو وہ گھر میں گھس سکے۔ باہر جاتے وقت وہ کھانستا، لڑکے کی دائی سے چلا کر کچھ بولتا۔ ''میں گھر دیر سے لوٹوں گا۔'' یہ

ضرور بولتا تھا۔ وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کو زیادہ سے زیادہ جتلاتا تھا کہ لڑکے کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ جا رہا ہے اور کھیلنے کے دھیان میں اُس کے جانے کو بھول نہ جائے۔ دروازے کے پاس وہ ڈنڈا جان بوجھ کر رکھتا تھا۔ اُس سے گھر میں اُس کا ہونا پہلے سے پتہ چلتا تھا۔ لڑکے کے بیڑی پینے سے وہ بہت چڑھتا تھا۔ اُس کی دائی کہ لڑکا کبھی بھی گھر میں آجائے گا گھر سے بیس بیس دن باہر نہیں نکل پاتی تھی۔ وہ جب تب گھر کے باہر رکھے ڈنڈے کو اندر چھپا دیتی، تا کہ وہ گھر آجائے۔ اگر وہ پوچھے ددا ہے تو کہے گی نہیں ہے۔ کچھ ایسا ہو جائے کہ سب ساتھ گھر میں رہنے لگیں۔

سونسی نے بھات ڈالا ''اور دوں''

سر ہلا کر اُس نے منع کیا۔ تب بھی سونسی نے تھوڑا بھات ڈال دیا۔

سڑک کے کنارے کچھ دور گولر کا پیڑ تھا۔ قمیص کے کالر میں پیچھے پیٹھ کی طرف ہنسیا لٹکائے وہ پیڑ پر چڑھ گیا۔ چڑھنے میں یہ آسان پیڑ تھا۔ اُس پیڑ کے بڑے کھوکھلے کو دیکھ کر لڑکے نے سوچا کہ بیڑی ماچس کے علاوہ بھی کچھ چھپا کر رکھا جا سکتا ہے۔ یہاں سڑک کے آدمی کی نظر سے وہ بچا رہ سکتا ہے۔ پہلے کا پیڑ اب راز نہیں رہ گیا تھا۔ پیڑ بدلتے رہنا چاہئے۔ یہ پیڑ گھنا تھا۔ اِس کا تنا موٹا تھا۔ اونچا زیادہ نہیں تھا۔ جب ڈالیاں کاٹ کر وہ گرانے لگا تو سونسی بھی وہاں پہنچ گئی۔ ڈال لیکر وہ ہاتھی کے پاس جانا چاہتی تھی۔ بھاری ہونے کی وجہ سے ڈال گھسیٹ کر لے جانے لگی۔ ڈال کے زمین پر گھسٹنے سے دھول اُڑ رہی تھی۔ ہاتھی تک وہ پہنچ نہیں پائی تھی کہ ہاتھی اُس کی اور آیا۔ ہاتھی کے لئے ڈال چھوڑ وہ ہٹ گئی۔ ہاتھی گولر کی ہری بھری ڈال رغبت سے کھا رہا تھا۔

''ددا آرہا ہے'' پیڑ کے اوپر سے لڑکے نے کہا۔

''کہاں ہے''

''ڈنڈا لیکر آرہا ہے''

سونسی نے دیکھا ایک کمزور دبلا پتلا آدمی تھا۔ سر پر گمچھا باندھے تھا۔ دائیں بائیں

اِدھر اُدھر دیکھتا جا رہا تھا۔ شاید اپنے لڑکے کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اگر اُسے معلوم ہوتا کہ اُس کا لڑکا پیڑوں میں بیٹھا رہتا ہے تو وہ پیڑوں کو دیکھتا۔ ایسے میں گولر پر بیٹھا ہوا اُس کا لڑکا نظر آ جاتا۔ سونسی کا من چاہا کہ اُسے بتلا دے۔ یہاں گولر کے پیڑ پر اُس کا لڑکا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں ڈنڈا نہیں ہوتا تو شاید بتا دیتی۔ سونسی کو کئی بار کا دیکھا ہوا وہ لگ رہا تھا۔

سونسی اپنا پھٹا پولکا اور سوئی دھاگے لیکر آئی تھی کہ گولر کے پیڑ کے پاس بیٹھ کر پولکا سیتی رہے گی اور ہاتھی کو دیکھتی رہے گی۔ گھر کا دروازہ اُس نے اُڑ کا دیا تھا۔ اپنے ددا کو گھر سے دور جاتے دیکھ لڑکے کا من گھر جانے کا ہو گیا تھا۔ اُس نے پیڑوں کے اوپر سے کہا، "ہو گیا اب نہیں کاٹتا۔" ہنسیا اُس نے نیچے گرا یا۔ نیچے اُترتے ہی وہ گھر کی طرف بھاگا اُس نے سونسی سے چلا کر کہا تھا "گھر جا رہا ہوں" سونسی زمین پر پڑا ہنسیا اُٹھا رہی تھی۔ ہاتھی گولر کے پیڑ کے نیچے ڈالوں کو کھا رہا تھا۔ سونسی ہٹ کر ایک پتھر پر بیٹھی پولکا سینے کا کام کر رہی تھی۔ ہاتھی کو دیکھتے ہوئے اُسے چھوٹو کی یاد آنے لگی۔ وہ ذمہ داری سے ہاتھی دیکھنے کا کام کر رہی تھی۔ دیکھنے کے علاوہ وہ کیا کر سکتی تھی۔

خالی وقت میں اُسے گھر کی یاد بہت آنے لگی تھی۔ یاد میں اُسے اپنے پتا رگھوور پرساد کے پتا جیسے نظر آتے تھے۔ وہ اپنی ماں کو یاد کر رہی تھی اور رگھوور پرساد کی ماں کو خیالوں میں پاتی۔ خواب میں وہ یہاں کے نیم کے پیڑ کے پاس بجن کا پیڑ دیکھتی۔ میکے کے آنگن میں سسرال کی درمیانی کوٹھری میں ہوتی تھی جس میں رگھوور پرساد اور چھوٹو کا جنم ہوا تھا۔ میکے کے آنگن میں لگی تروئی کی بیل سسرال کے چھپر پر پھیلی رہتی۔ رگھوور پرساد کے لئے اسی بیل کی تروئی کا ساگ یہاں بناتے ہوئے اپنے کو دیکھتی۔ دوپہر کو جگتی تو سب کی یاد آتی۔ نیند میں ہوتی تو خود یاد میں چلی جاتی۔ نیند میں اُسے یاد نہیں آتی تھی۔ نیند میں وہ یاد کو پا جاتی تھی۔ نیم خوابی میں اُسے لگتا تھا کہ اُسے بچیوں کی درسگاہ جانا ہے اور اب تک بستہ بھی درست نہیں ہے۔ وہ جاگتی ہو یا نیند میں سنسار میں جہاں تک اُس کا ہاتھ پہنچتا اُسے اپنے ہاتھ سے اور جہاں ہاتھ نہیں پہنچتا، اُسے من ہی من سنوارتی۔ گاؤں کے گھر کی بیچ کوٹھری

میں شادی کے بعد اُسے رگھوور پرساد کے ساتھ بسایا گیا تھا اُس بیچ کوٹھری کے دروازے میں اندر سے زنجیر یا ہوک نہیں تھی۔ دونوں کے درمیان اشتباہ کی ٹھوس دیوار رہتی تھی۔ اس دیوار کے درّے سے دونوں ایک دوسرے کو ٹٹول کر ایک دوسرے کا لمس چرا رہے تھے۔ لمس کا انجانا لطف اُس طرح تھا جو کسی اور طرح کا نہیں تھا۔ سونسی کو وسطی کوٹھری میں لے جاتے وقت رگھوور پرساد کی ماں نے بتایا تھا کہ دروازے کے اندر سے کلّی نہیں ہے پر وہ باہر سے زنجیر لگا دیگی۔ سونسی اس رات سے یہ بات بتانے بتانے کو ہو کر ابھی تک بتا نہیں پاتی تھی۔ پولکا کا سپنا کب کا ہو چکا تھا۔ ہاتھی کا پیٹ بھی بھر گیا ہو۔ وہ اُٹھی اور گھر آ گئی ہاتھی پیچھے پیچھے آیا تھا اور نیم کے پیڑ کے نیچے کھڑا ہو گیا تھا۔ یہ دیکھ وہ ایک چھوٹی بچی کی طرح مُسکرائی تھی۔

صدر شعبہ نے پرنسپل کو بتایا تھا کہ سادھو نے رگھوور پرساد کے گھر کے سامنے ہاتھی کو لاوارث چھوڑ دیا ہے۔

''لاوارث سائیکل سے رگھوور پرساد کو نجات مل گئی'' صدر شعبہ نے کہا۔

''رگھوور پرساد سائیکل رکھے ہوتے تو ہاتھی سے اُن کو پہلے نجات مل جاتی'' پرنسپل نے کہا۔

''جی ہاں'' صدر شعبہ نے کہا۔

''رگھوور پرساد سے کہیں گے کہ وہ ہاتھی کی رپورٹ لکھا دیں اور جب ہاتھی کی رپورٹ لکھائیں تو سائیکل کا بھی لکھا دیں۔

''کالج میں چھوڑی گئی سائیکل سے رگھوور پرساد کو الگ رکھنا چاہئے۔''

''ہاں ٹھیک کہتے ہو'' پرنسپل نے کہا۔

''دفتر کا بابو سائیکل کی رپورٹ لکھا دے گا''

''اور ہاتھی کی رگھوور پرساد''

''دونوں ساتھ چلے جائیں''

''اور الگ الگ رپورٹ لکھا دیں''

''رگھوور پرساد ہاتھی کو لاوارث نہیں مانتے''

''کس لئے''

''اُن کا کہنا ہے کہ ہاتھی سادھو کا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے''

''اُس نے تو ہاتھی کو لاوارث چھوڑ دیا ہے''

''سائیکل کے وارث کی جانکاری نہیں ہے'' سادھو نے ہاتھی کو رگھوور پرساد کے اعتماد پر چھوڑا ہے ایسا اُن کا کہنا ہے۔''

''دھوکے سے چھوڑا ہے۔''

''رگھوور پرساد مشکل میں پڑ گئے۔''

''اُن کی مدد کرنی چاہیے۔''

''رگھوور پرساد نے ہاتھی کی دیکھ بھال کے لئے آج کی چھٹی کی درخواست دی تھی۔ لیکن میں نے پھاڑ دی۔ ہاتھی رگھوور پرساد کی ذمہ داری کیسے ہوگئی یہ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''پوچھا نہیں تھا''

''رگھوور پرساد نے کہا کہ ہاتھی ایک جاندار ہے وہ کالج میں آنا جانا اُس پر کرتے رہے''

''رگھوور پرساد کو بلائے اُسی سے بات کرتے ہیں''

''رگھوور پرساد آدھے دن کی فرصت کی درخواست صدر شعبہ کے ٹیبل پر رکھ کر گھر چلے گئے تھے۔ صدر شعبہ اُس وقت پرنسپل کے کمرے میں تھے۔ صدر شعبہ درخواست لے کر پرنسپل کے کمرے میں آئے اور کہا، ''رگھوور پرساد آدھے دن کی چھٹی کی درخواست دے کر گھر چلے گئے ہیں۔ اس درخواست کا کیا کریں؟''

''رگھوور پرساد کی درخواست تو آپ پھاڑ دیتے ہیں'' پرنسپل نے کہا۔

''جی ہاں'' صدر شعبہ نے کہا۔

"درخواست انہوں نے پھاڑ دی۔ کاغذ پھینکنے کی ٹوکری صدر شعبہ کی طرف تھی۔ بیچ میں میز تھی۔

"لائیے مجھے دیجئے" پرنسپل نے ہاتھ بڑھایا تو صدر شعبہ نے پھٹے ٹکڑوں کو پکڑایا جنہیں ٹوکری میں ڈالکر وہ کام میں لگ گئے۔ لوٹ کر صدر شعبہ بھی اپنے کام میں لگ گئے۔ انہیں رگھوور پرساد کا بھی کلاس لینا تھا۔

ٹمپو رگھوور پرساد کو سڑک پر جاتے ہی مل گیا تھا۔ ٹمپو میں ایک بوڑھا تھا اور پانچ عورتیں تھیں۔ چار پانچ ٹوکریوں سے ٹمپو بھرا تھا۔ نیچے پاؤں رکھنے کی تھوڑی جگہ تھی۔ دو ٹوکریوں میں کریلے بھرے تھے۔ ایک المونیم کے ڈبے میں دودھ تھا جو قطرہ قطرہ چھلک جاتا تھا۔ ڈبہ بوڑھے کا تھا۔ گھر جلدی پہنچنا تھا اسلئے رگھوور پرساد کو ٹمپو میں بیٹھنا پڑا۔ لوٹتے وقت ملنے والے مناظر کی طرف اُن کا دھیان نہیں جا رہا تھا۔ صرف اتنا ہی دھیان جاتا تھا کہ اب گھر کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ ابھی ہاتھی کی وجہ سے باہر اُن کا دھیان تھا۔ اس دھیان میں وہ ٹمپو سے دونوں طرف کے مناظر کو بمشکل دیکھ پا رہے تھے۔

"ٹمپو سے اُترتے ہی وہ بھاگتے چلے۔ جب اُن کو نیم کے پیڑ کے نیچے ہاتھی نظر آ گیا تو وہ دھیرے دھیرے اور ستاتے ہوئے چلے۔ سونسی دروازے کے پاس بیٹھی تھی۔ چاول چُن رہی تھی۔ سونسی کو رگھوور پرساد کا آنا معلوم نہیں تھا۔ آنے کا امکان بھی نہیں معلوم تھا۔ وہ جلدی لوٹ آنے کی خوشی کو سونسی تک اپنے پہنچنے کے پہلے پہنچا دینا چاہتے تھے۔" سونسی" وہ چلاّئے۔ "سونسی!" پھر چلاّئے۔ سونسی نے اُن کی پہلی پکار کو بھی سُن لیا تھا۔ غیر متوقع خوشی کا اظہار لئے وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "ہاں" لمحہ بھر رُک کر اُس نے کہا۔ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ کیا وہ رگھوور پرساد تک دوڑ پڑے، ٹھٹھک گئی تھی۔ ٹھٹھک جانے کی دیری کی سبب اُس نے "ہاں" کہا تھا کہ اُس کے پہنچنے کے پہلے اُس کی "ہاں" رگھوور پرساد تک پہنچ جائے۔ دونوں پڑوسیوں کے گھر میں تالا بند ہونے سے آس پاس اُن کا کھلا ہوا گوشۂ تنہائی تھا۔

ہاتھی نے بھی رگھوور پرساد کی آواز سُنی ہو گی تبھی رگھوور پرساد کی نگاہ گلی میں پڑی۔ گلی سے سادھو ایک آدمی کا سہارا لیئے ہوئے آتا دکھائی دیا۔ رگھوور پرساد کی اُمید کے خلاف یہ تھا۔ یہ حیرت سے کھڑے رہ گئے تھے۔ سونسی بھی چاول کی تھالی لئے ہوئے اُن تک آ گئی تھی۔ گلی کے سامنے دونوں کھڑے تھے۔

سادھو نے سونسی کو ہاتھ جوڑ کر ''پرنام'' کہا۔

''رات کو جب آئے تھے تب طبیعت بہت خراب تھی۔ گھر میں چکّر کھا کر گر پڑے، بیہوش پڑے رہے۔ ہاتھی کی فکر تھی۔ اِن کے کہنے سے میں ہاتھی کو آ کر دیکھ جاتا تھا اور اُن کو بتاتا تھا کہ ہاتھی ٹھیک ہے۔ تشویش کی بات نہیں ہے۔'' سادھو کے آدمی نے کہا۔

''ہاتھی کو ایک مٹّھی چاول دے دوں؟'' سادھو نے سونسی سے پوچھا۔ سونسی نے تھالی آگے بڑھا دی۔ ''دے دو'' رگھوور پرساد نے کہا۔

ایک مٹّھی چاول اُٹھا کر رگھوور پرساد نے ہاتھی کے منہہ میں ڈال دیا۔

''اب طبیعت ٹھیک ہے؟'' سونسی نے پوچھا۔

''ہاں'' سر جھکائے ہوئے سادھو نے کہا۔ سادھو نادم تھا کہ وہ ہاتھی چھوڑ جانے کا مجرم ہے۔ وہ ہاتھی پر بیٹھکر جانے کو ہوا۔ اُسے جلدی، ہاتھی لے جانے کی تھی۔

''چائے پی کر جانا'' سونسی نے کہا۔

''چائے نقصان کرے گی'' سادھو کے ساتھی نے کہا۔

''سُستا لو! ۔ پانی پی لینا'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''اب طبیعت اچھی ہے۔ سادھو نے کہا۔ سادھو ہاتھی پر بیٹھ کر چلا گیا۔ ہاتھی دھیرے دھیرے جا رہا تھا۔ سادھو کا ساتھی آدمی بھی جانے کو تھا تب رگھوور پرساد نے پوچھا، ''کیا آپ سادھو کا علاج کرتے ہیں؟''

''نہیں میرے پتا وید ہیں''

''چائے پئیں گے''

"نہیں چائے نقصان کرتی ہے" کہہ کر وہ چلا گیا۔

سونسی اور رگھوور پرساد دھیرے دھیرے گھر جارہے تھے۔ چار قدم کی دوری کا باہر پورے باہر کو لوٹا رہا تھا کہ اُن کا گھر آخر ایک کنارے تھا۔ کمرے میں بھی ایسی تنہائی اکٹھا ہوگئی تھی کہ کب سے ایک ایک لمحہ کو جمع کیا گیا ہو۔ اِس تنہائی کو دونوں ایک ساتھ پالینا چاہتے تھے۔ یہ اکیلے کی تنہائی نہیں تھی۔ ساتھ کا تھا اسلئے کوئی آگے نہیں جارہا تھا، ساتھ جارہے تھے۔ رگھوور پرساد نے دروازہ بند کیا پر وہ اندر سے چھٹکلی لگانا بھول گئے۔ سونسی کو بھی یاد نہیں تھا۔ تنہائی پانے کی جلدی تھی اگرچہ رگھوور پرساد چھٹکلی لگانا بھول گئے تھے پر دروازہ انہوں نے اس طرح بند کیا تھا کہ دروازہ بند ہوتے ہی وے گھر سمیت دوسروں سے ناقابل دید ہوگئے۔ کمرے کے اندر کے پھول کی ایک کلی اتنی تنہائی کے ایک لمحے کو بھی وہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اُس باغیچہ کی ساری کلیوں کو چُن لینا چاہتے تھے کہ سونسی اُن کو گوندھے اور وہ سونسی کو آراستہ کریں۔ رگھوور پرساد اور سونسی لمحاتِ محبت پارہے تھے۔ سونسی ایک ایک لمحہ کو گوندھتی اور رگھوور پرساد سونسی کے کسی حد تک بے لباس جسم کو زیور آراستہ کرتے سونسی پوری طرح زیور آراستہ ہوکر نکلی تھی۔ رگھوور پرساد کچھ بولتے تھے پر سونسی اُن کو مفروضہ شجر کی طرح سُن رہی تھی۔ پیڑ کو سننے میں اُس نے پیڑ کی پھنگی کو، ایک ایک پتی کو ہرے پھلوں کو سونگھا۔ ایک ہرے پھل کا اُس نے پکنا سُنا۔ اُس نے پھل کا میٹھا ہونا سُنا۔ ایک کو اُس نے کچے آم کی طرح کھٹا سُنا۔ پل کے پکنے کے بعد اُس نے منجر کو سرور آور سُنا۔ وہ بار بار پھول کے کھلنے اور پھل کے پکنے کو سُن رہی تھی۔ سُننے کا میلہ لگا تھا۔ اپنے جسم کے اندر اُس نے پیڑ کی جڑ کو سُنا آخری میں اُس نے پیڑ کے بیج کو سُنا۔

"سُنو" سونسی نے کہا۔

"کیا ہے؟"

"بیچ کوٹھری کے دروازے میں اندر چھٹکلی نہیں لگی تھی" سونسی نے کہا۔ سُن کر رگھوور پرساد چونک اُٹھے۔ انہوں نے دیکھا دروازے میں اندر چھٹکلی نہیں لگی تھی۔ کھڑکی

کھلی تھی۔ کھٹیا کی آڑ تھی۔ رگھوور پرساد نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ دونوں پھر لیٹ گئے۔ لیٹتے ہی رگھوور پرساد نے ''ہاں'' کہا۔ سونسی کے تب کہنے کا یہ ''ہاں'' تھا۔

''اماں نے بتادیا تھا۔ کہا تھا وہ باہر سے چھٹکلی لگادیگی''

''تم مجھ کو پہلے بتائی کیوں نہیں؟''

'' کیسے بتاتی؟''

''کیا تم نے چھپاک کی آواز سُنی تھی؟'' سونسی نے پھر پوچھا۔

''پہلے تالاب چُپ تھا، پھر چھپاک! بولا تھا۔ تالاب نے مچھلی کا اچھلنا کہا ہوگا۔''

''پر مجھ کو تالاب میں پرچھائیں پڑنے کی لگاتار آواز آرہی تھی۔'' سونسی آسودہ حال سی رگھوور پرساد کے کان کے پاس کروٹ لیکر بولی۔

''ایک پرندہ تالاب کے اُوپر اُڑ رہا ہو''

''نہیں'' لگاتار پرچھائیں پڑنے کی آواز! رگھوور پرساد سوچنے لگے۔

''تالاب کے اُوپر ٹھہرا ہوا بادل ہوگا'' انہوں نے کہا۔

''نہیں''

''کنارے کا پیڑ ہوگا''

''نہیں''

''دھوپ کی پرچھائیں ہوگی''

''نہیں''

''دن کے پرکاش کی پرچھائیں ہوگی''

''نہیں''

''تالاب کے اندر سے نکلی ہوئی چٹان کی پرچھائیں؟''

''نہیں''

''کنارے کے پیڑ کے گھونسلے کی، اُس میں چڑیوں کے انڈے، بچّوں کی''

چیں، چیں'' پر چھائیں کی آواز۔

''ہوسکتا ہے''

''کنول کے پھول کی''

''ہوسکتا ہے'' سونسی نے دھیرے سے کہا۔

سونسی کے اندر ایک تالاب تھا، اُس میں رگھوور پرساد کی پرچھائیں ہو۔ ایسے میں اُسے نیند آ گئی۔ رگھوور پرساد بھی کچھ اور سوچ پاتے، وہ بھی سو گئے۔ دھیرے دھیرے کمرے کا اُجالا کم ہوتا جا رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کمرے میں تالاب کی پرچھائیاں ایک ایک کر اس لئے اُتر کر آ رہی ہوں کہ اُن کی چہچہاہٹیں بند ہو گئی، اس لئے جب کنول کی پرچھائیں وہاں آئی ہو تو کنول جیسا اُجالا کم ہوا ہو۔ پھر چڑیوں کے بچّوں کی، چڑیوں کا گھونسلوں میں لوٹنے کا وقت تھا۔ اس لئے چیں، چیں کی آواز بہت تھی۔ پھر پیڑ کی۔ پھر سورج کے ڈوبنے کے بعد گہرے ہو رہے آکاش کی۔ جب اُن کی نیند کھلی تو تالاب میں چاند کی پرچھائیں پڑی، شاید اِس چھپاک کی آواز سے اُن کی نیند کھلی ہو۔

''بہت دیر ہو گئی۔'' سونسی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''گ'' میں ''او'' کی ماترا گڑیا بہت دن سے نظر نہیں آئی۔ دوسرے بچّے بھی نہیں نظر آئے۔

''کھٹیا کی آڑ ہو گئی ہے۔ جھانکنے سے ہم لوگ نہیں دکھائی دیتے اس لئے اُن لوگوں نے جھانکنا بند کر دیا۔ میں کھٹیا گرا دیتی ہوں''۔ کہہ کر سونسی نے کھٹیا گرا دیا۔ زمین سے بستر اُٹھا کر کھٹیا پر ڈال دیا، صبح سونسی پہلے اُٹھی تھی۔ رگھوور پرساد سو رہے تھے۔ سونسی دیوار کی طرف تھی۔ رگھوور پرساد کے پیتانے سے وہ کھٹیا سے اُتری۔ کھڑکی پر سونسی کی نگاہ گئی۔ ایک سانولی چھوٹی بچّی کھڑی تھی۔ سونسی نے اُسے مُسکرا کر دیکھا۔ جاتے جاتے اُس نے بچّی کے سر پر ہاتھ پھرایا۔ جب وہ جھاڑو لگا رہی تھی تب اُس نے ''گ'' میں ''او'' کی ماترا گڑیا سُنا۔ سونسی نے جھانک کر دیکھا۔ گڑیا سلیٹ پٹی لئے کھڑکی کے نیچے پیٹھ ٹکائے

بیٹھی تھی۔ سونسی نے رگھوور پرساد کو جگایا۔ ''اُٹھو گڑیا آ گئی ہے'' آنکھ ملتے ہوئے رگھوور پرساد اُٹھے اور سیدھے کھڑکی کے پاس گئے۔ جھانک کر پوچھا، ''ب'' میں چھوٹی ''او'' کی ماترا بُڑھیا۔

''نہیں 'گ' میں چھوٹی اُو کی ماترا 'گڑیا'' گڑیا نے زور سے کہا۔

''رگھوور پرساد لوٹے میں پانی لیکر مُنھ دھونے باہر چلے گئے۔ باہر انہوں نے اِدھر اُدھر دور تک دیکھا انہوں نے اُوپر پیڑوں اور آکاش کی اُور بھی دیکھا۔ یہ سب دیکھ لینے کے بعد وہ فاضل کچھ اور دِکھائی دئے جانے کے خطرے سے آزاد تھے۔ انہوں نے مُنھ دھویا۔

خالی لوٹا دروازے کے پاس اندر رکھا، پیڑ کے پاس گئے۔ اِس دن کے آغاز میں بیڑی پینے والا لڑکا وہاں ہے یا نہیں، وہ اُس کی موجودگی کا پتہ لگا لینا چاہتے تھے۔ جو دِکھائی دے رہا تھا وہ دن کے شروعات کی بھرتی تھی۔ وہ حاضری لے رہے تھے۔ انہوں نے سورج کہا ہو اور کچھ چڑھ آ سے سورج نے حاضر کہا ہو۔ سورج کا حاضر کہنا، رگھوور پرساد کے اُوپر صبح کی دھوپ کا پڑنا تھا۔ اُوپر سیرس کے پیڑ کو انہوں نے سَر اُٹھا کر جھانکا۔ لڑکا وہاں نہیں تھا۔ وہ لوٹنے لگے، تب سُنا ''میں یہاں ہوں'' رگھوور پرساد نے آس پاس کے پیڑوں کو دیکھا۔ ''وہاں نہیں، یہاں''۔ انہیں لگا گولر کے پیڑ میں سے پکارا گیا ہے۔ تب بھی انہوں نے پوچھا ''کہاں ہو؟''

''گولر کے پیڑ میں۔''

''رگھوور پرساد سڑک سے نیچے اُتر کر گولر کے پیڑ کے پاس گئے۔ اُس پیڑ میں لڑکا چھپا ہوا تھا۔

''تم نے پیڑ بدل دیا؟'' رگھوور پرساد نے ایسے پوچھا جیسے اُس نے اپنی بنچ بدل دی ہو۔

''ہاں'' دن کے آغاز میں وہ کلاس کی حاضری لے رہے تھے پر یہ سب کو اپنی

حاضری دینے جیسا بھی تھا۔

''پیڑ بدلے کیوں؟'' انہوں نے پوچھا۔

''یہ والا پیڑ اچھا ہے'' لڑکے نے کہا۔

''پہلے میں کیا خرابی تھی۔'' رگھوور پرساد نے اس طرح کہا کہ ایسے میں تو نقصان ہو جائے گا۔

ایک پیڑ کا نقصان ہوا نا''

''پیڑ سب کو معلوم ہو گیا تھا۔ اونچا تھا۔''

''یہ پیڑ مجھ کو معلوم ہو گیا۔''

''کسی کو بتانا مت۔ بعد میں دوسرے پیڑ میں چلا جاؤں گا۔''

''میں نہیں بتاتا۔ میں نے پیڑ کو کسی کو نہیں بتایا۔ پر اس پیڑ کو نہیں بدلنا۔ تمہارا پتہ ہم کو معلوم ہونا چاہئے۔ پیڑ بدلو گے تو بتا دینا''

''بتا دوں گا'' لڑکے نے کہا۔

کتنا اچھا تھا کہ اسی شروع دن میں اماں اور چھوٹو رکشے میں آتے دکھائی دئے۔ اماں، چھوٹو نے رگھوور پرساد کو دیکھا نہیں تھا۔ پیڑ والا لڑکا اماں اور چھوٹو کو پہچانتا ہوگا۔ اگر رگھوور پرساد اُس سے بات نہیں کر رہے ہوتے تو وہ رگھوور پرساد کو پہلے بتا دیتا۔ رگھوور پرساد رکشا کی اُور بھاگے۔ وہ رکشا تک پہنچتے تب تک رکشا گھر کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ سونسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ چھوٹو ایک جھولا لیکر اُترا۔ چھوٹو پر غنودگی طاری تھی۔ بس میں اونگھتے آیا ہوگا۔ پھر اماں اُتری۔ چھوٹو نے رگھوور پرساد کو دیکھ لیا۔ رگھوور پرساد کو رکشے کے پاس پہنچتے ہی سونسی کو چلائے ''اماں آئی ہیں۔'' جب رگھوور پرساد اماں کے پاؤں چھو رہے تھے تبھی چھوٹو نے رگھوور پرساد کے پاؤں چھوئے۔ چھوٹو کا سر رگھوور پرساد کے سر سے ٹکرایا۔ رگھوور پرساد نے چھوٹو سے کہا پھر سے سر لڑاؤ نہیں تو سنگھ نکلے گی۔'' رگھوور پرساد تن کر کھڑے ہو گئے۔ چھوٹو کیسے سر لڑاتا۔ کود کر وہ رگھوور پرساد کے کاندھے سے لٹک گیا تب بھی

وہ رگھوور پرساد کے سر سے اپنا سر نہیں چھوا پایا۔ جب رگھوور پرساد جھکے تو سر چھوایا۔ رکشے والے کو پیسے دیتے دیتے اماں نے رگھوور پرساد کو آشرواد دیا تھا۔ رگھوور پرساد نے بھی چھوٹو کو خوش رہو کا آشرواد کہا تھا۔ اماں نے آشرواد میں جو کہا تھا وہ بُد بُدا کر کہا تھا۔ رگھوور پرساد سُن نہیں پائے تھے۔ اُن کا دھیان بھی نہیں تھا۔ سونسی آ گئی تھی۔ سونسی نے سر کو آنچل سے ڈھانک لیا تھا۔ اُس نے اماں کے پاؤں چھوئے۔ اماں نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ من ہی من آشرواد دیا۔ شاید سونسی نے سُنا ہو۔ اماں لنگڑا کر چل رہی تھی۔ اماں نے دیکھا، بیٹری کے گملے میں لگے شوبھا کے پودے گھنے ہو گئے تھے۔ تُلسی کم بڑھی تھی۔

"تُلسی بڑھی نہیں بہو۔ پانی ڈالنا رہ تو نہیں جاتا"

"برابر پڑتا ہے اماں! جب میں نہیں ڈالتی تب........"

"رگھوور ڈال دیتا ہے نا"

"ہاں اماں"

"پچھلے مہینے رگھوور ڈالا تھا؟"

"ہاں اماں"

"اب کب ڈالے گا۔" سونسی کو چھوٹی بچّی کی طرح گلے لگا کر اماں نے پوچھا۔

"ابھی وقت ہے" دھیرے سے سونسی نے کہا۔

"پتاجی نہیں آئے؟" سونسی نے پوچا۔

"وہاں کا کام بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ تم لوگوں کو دیکھنے کا من تھا۔ چھوٹو کے پتا نے بھیجا ہے۔ دو دن رہ کر چلے جائیں گے۔ تم لوگوں کو لڑکا بچّہ ہو جائے تو اُن کا من کام چھوڑ کر آنے کا کرے۔"

"اماں کم سے کم ہفتہ بھر رُک جاتی۔" رگھوور پرساد نے کہا۔

"نہیں تیرے پتا کو کھانے پینے کی تکلیف ہو جاتی ہے۔ چولھا میں بنائیں گے کھائیں گے۔ چھوٹو کی پڑھائی نہیں ہو رہی ہے اسکول بند ہے"

''کاہے کے لئے بند ہے'' رگھوور پرساد نے پوچھا۔

''چار یا پانچ دن سے روز ایک دو ایک دو سانپ نکل آرہا تھا۔ ایک لڑکے کے بستے کے اندر گھس کر بیٹھ گیا تھا۔ آخر ماسٹر نے چھٹی کر دی۔''

''سونسی نے بورا بچھا دیا تھا۔ اُس میں لیٹتے لیٹتے اماں نے پوچھا، ''ہاتھی آتا ہے'' کل پرسوں چھوٹو کو اُس پر ضرور بیٹھا دینا اسی لالچ میں ساتھ آیا ہے۔''

''کبھی کبھی آتا ہے۔ سادھو کی طبیعت خراب ہے۔ دو چار دن نہ آئے۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''دونوں پڑوسی کے یہاں تالا لگا ہے؟''

''ہاں کئی دنوں سے نہیں ہیں'' سونسی نے کہا۔

''آجاتے تو اُن سے بھی ملنا ہو جاتا''

''جتنا پوچھنا تھا اماں نے سب پوچھ لیا۔ سونسی چائے بنا کر لے آئی تھی۔ چائے پی کر اماں پھر لیٹ گئی۔ سونسی اماں کے پاس بیٹھ گئی۔ ''اماں لنگڑا کیوں رہی تھی۔ پاؤں دُکھ رہا ہے۔ دبا دوں؟''

سونسی دھیرے دھیرے پاؤں دبانے لگی۔ پر اماں نے منع کر دیا۔ سویرے سویرے پاؤں دبانا اچھا نہیں لگتا۔ گھٹنے میں درد ہے وہاں گھر سے نہا دھو کر نکلی تھی۔ تین بجے رات کو نہالی تھی۔ پہلی بس پکڑنی تھی۔ تم باورچی خانے کا کام کرو۔ میں تھوڑی دیر میں لیٹوں گی۔ بہو! چولھے میں دو چھوٹی لوکی رکھی ہے ساگ کے لئے نکال لینا۔'' سونسی کو یاد آیا۔ وہ کپڑے میں بندھے سونے کے کڑے لے آئی۔ اماں کے پاس بیٹھ گئی۔

''اماں! سو گئی کیا؟'' سونسی نے پوچھا۔

''نہیں! کیا ہے؟''

''سونسی نے اماں کے ہاتھ میں کڑے پکڑا دئے۔

''کیا ہے؟''

''کپڑے ہیں۔ بوڑھی اماں نے دئے ہیں۔'' اماں نے کپڑے دیکھے۔ وہ بہت خوش ہوگئی۔

''اچھا ہے سنبھال کر رکھ دے۔''

''سونسی کپڑے کی پوٹلی کلنڈر کے کھول میں پھر ٹانگنے جا رہی تھی، پر اماں نے سنبھال کر رکھنے کو کہا تھا۔ تو پیٹی میں رکھنے لگی۔

''بہو! کپڑے پہن کر تو دکھا'' اماں نے لیٹے لیٹے پھر کہا۔ سونسی نے کپڑے پہنے۔

''پہن لئے؟'' کچھ دیر بعد اماں نے پوچھا۔

''ہاں اماں''

''تو دکھاتی کیوں نہیں؟'' اماں نے کہا۔ وہ اماں کے پاس کھڑی ہوگئی۔ اماں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ سونسی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اماں نے کپڑے دیکھے۔ کپڑے کے علاوہ بھی جو کچھ روز کی کنگھی چوٹی کا سامان اور اسباب آرائش تھا، اماں نے دیکھا۔ سورج روز نکلتا تھا، آج بھی نکلا تھا۔ سونسی نت نئی صبح تھی آج کی صبح بھی نت نئی صبح تھی۔

''اب کپڑا مت اُتارنا پہنی رہنا'' اماں نے کہا۔

''کھڑکی سے ہَوَن کی خوشبو آ رہی تھی۔ جدھر برگد کا پیڑ تھا اُدھر سے ہوا آ رہی ہوگی۔ تیج تہوار کی ہوا تھی۔

''ہَوَن کی خوشبو آ رہی ہے'' اماں نے کہا۔ سانس کھینچ کر سونسی نے کہا ''ہاں اماں'' رگھوور پرساد نے بھی گہری سانس لی۔ چھوٹو وہاں آ گیا تھا۔ دیکھا دیکھی اُس نے بھی گہری سانس لی۔

''آج کوئی تہوار ہے کیا بہو؟'' کلنڈر دیکھا۔

''نہیں ہے اماں'' سونسی نے کلنڈر دیکھ کر کہا۔

ہَوَن کی خوشبو سے رگھوور پرساد کو بڑ کا پیڑ یاد آیا۔ سونسی کو بھی یاد آیا کہ بڑ کے پیڑ کے پاس شیولنگ کی طرح پیڑ تھا۔

چھوٹو اور رگھوور پرساد نے کھانا کھالیا تھا۔ چھوٹو باہر چلا گیا۔ بیماری کے باوجود سادھو آ گیا تھا۔ سادھو نے چھوٹو کو ہاتھی پر بیٹھا لیا تھا۔ جب کالج جانے کے لئے رگھوور پرساد نکلے تو پیچھے سونسی بھی آئی۔ چھوٹو ہاتھی سے اُترا۔ رگھوور پرساد ہاتھی پر بیٹھ گئے۔ اُنہوں نے سادھو سے کہا۔ ''نہیں آنا تھا۔ ٹمپو سے چلا جاتا۔''

''ہاتھی کو نہلانے دھلانے نکلا تھا۔ راستے میں تو کالج ہے۔ میری طبیعت ٹھیک ہے۔''

رگھوور پرساد اور سونسی دھیان دینے لگے تھے کہ سادھو ہاتھی کو اُٹھنے، بیٹھنے چلنے کے لئے کیا کہتا ہے۔ ہاتھی چلا گیا۔ چھوٹو کچھ دیر وہیں کھڑا رہا، سونسی اندر گئی تھی۔

شام کو جب رگھوور پرساد آئے تب سونسی اماں کے ساتھ باہر بیٹھی تھی۔ سونسی نے چائے کی تیاری پہلے سے کر لی تھی۔ ہاتھی کو آتا دیکھ وہ چائے چڑھا آئی۔ اماں نے کہا تھا کہ سادھو کو بغیر چائے پیئے مت جانے دینا۔ رگھوور پرساد اُترے۔ چھوٹو پھر ہاتھی پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ رگھوور پرساد نے منع کر دیا۔ اماں نے سادھو سے چائے پی کر جانے کے لئے کہا۔ سادھو کو جلدی تھی پر سونسی نے کہا چائے بن گئی ہے۔ وہ تھوڑی دیر میں چائے لے آئی۔ رگھوور پرساد اور سادھو نے چائے پی۔ پھر سادھو چلا گیا۔ رات کو چھوٹو کھا پی کر کھٹیا پر پہلے سے سو گیا تھا۔ اماں نے کہا'' جاؤ تم لوگ کہیں گھوم آؤ۔''

''نہیں اماں، جانے کا من نہیں ہے۔'' سونسی نے کہا۔ سونسی اماں کے پاس زمین پر بیٹھی تھی۔ رگھوور پرساد کھٹیا پر لیٹ گئے۔ سونسی نے سونے کے لئے نیچے بچھا دیا تھا۔ اُسی پر اماں آنکھ مند پڑی تھی۔

تھک گئی تھی۔ وہ تین بجے رات کو اُٹھی تھی۔ دوپہر کو پانچ منٹ کے لئے آنکھ لگی تھی۔ سونسی اور اماں دوپہر بھر بات کرتے رہے تھے۔

رگھوور پرساد اور سونسی چپ تھے۔ کچھ دیر کی مسلسل خاموشی میں سونسی اُٹھی اور کھٹکا دبا کر روشنی بجھا دی۔ اماں کے پاس سونسی لیٹ گئی۔ دونوں چپ تھے تب بھی سونسی کو لگا کہ

رگھوور پرساد نے کہا ہے۔ ''تمہارا جانے کو من نہیں تھا پر میرا من تھا۔''

سونسی نے کروٹ لی تو پیٹھ رگھوور پرساد کی اور ہوگئی۔ سونسی کی خاموشی میں رگھوور پرساد کو سُنائی دیا۔ ''اماں کو اکیلے چھوڑ کر جانا ٹھیک نہیں تھا'' سونسی سوگئی۔ تب بھی سوتے میں اُس نے سُنا ''اکیلی کہاں؟'' ''چھوٹو تو تھا۔''

رگھوور پرساد بھی سو گئے۔ پھر بھی انہوں نے سونسی کو سُنا ''اماں کے ساتھ رہیں گے تو اماں کو اچھا لگے گا۔''

کیا تم ابھی اُٹھ سکتی ہو؟''

''نہیں، میں گہری نیند میں سو رہی ہوں۔ تم جگاؤ گے تو اُٹھ جاؤں گی۔''

''میں بھی گہری نیند میں سو رہا ہوں۔ تم جگاؤ گی تو اُٹھ جاؤں گا۔''

''تم جگا دو''

''اماں اُٹھ گئی تو۔ میں نہیں جگا سکتا۔ تم ہی جگا دو۔''

''مجھے جگانے کو کیوں کہتے ہو؟''

رات کو رگھوور پرساد پانی پینے کو جب اُٹھے تو اماں کی نیند کھلی۔

''رگھوور پرساد ہے کیا۔ مجھ کو بھی پانی دیدے بیٹا'' اماں نے کہا۔ رگھوور پرساد نے اماں کو پانی دیا۔ سونسی سو رہی تھی۔ رگھوور پرساد کھٹیا پر جا کر سو گئے تبھی اماں کے پاس سوئی سونسی نیند میں بولی ''اماں میرا بستہ کہاں ہے؟'' سونسی اسکول جانے کا سپنا دیکھ رہی تھی۔ ''سویرے لے لینا ابھی سو جا۔'' اماں نے دیکھا چھوٹا کا پاؤں کھٹیا سے نیچے لٹک رہا ہے۔ چھوٹو کے سونے کو بر براتے ہوئے اماں اُٹھی۔ چھوٹو کے لئے کھٹیا میں جگہ نہیں تھی۔ رگھوور پتہ نہیں کیسے سوتا ہے۔

''رگھوور! رگھوور! اُدھر سرک کر سو۔'' انہوں نے طاقت سے رگھوور کو سرکا کر تھوڑی جگہ چھوٹو کے لئے بنائی۔ چھوٹے کے لٹکے پاؤں کو کھٹئے میں رکھا تو چھوٹو نے پھر پاؤں لٹکا لیا۔ اس سے تو اچھا تھا چھوٹو زمین پر سو جاتا۔ کھٹیا سے گر نہ جائے اماں نے سوچا۔

''چھوٹو نیچے زمین پر سو۔ زمین پر سو جا بیٹا'' اماں نے دو تین بار سونے کے لئے کہا۔ چھوٹو نہیں اُٹھا۔ پر رگھوور پرساد کو نیند میں لگا کہ اماں اُسے نیند میں نیچے سونے کے لئے کہہ رہی ہیں۔ وے اُٹھے اور نیچے سونی کے پاس سو گئے اماں ! ارے ! ارے ! کہتی رہ گئیں۔ اماں کو سمجھ میں نہیں آیا کیا کریں۔ ہار کر وہ کھٹیا پر چلی گئیں۔ پھر دیوار کی طرف کروٹ لے کر سو گئیں۔ سونی سکوڑی سمٹی سوئی تھی کہ اماں کو کڑا والا ہاتھ نہ لگ جائے۔ گہری نیند میں جب اُس نے کروٹ لی تو کڑا والا ہاتھ رگھوور پرساد کے مُنھ میں لگا وہ چونک کر بیٹھ گئے۔

''کیسا سونی ہے؟'' سونی کو دیکھ کر انہوں نے کہا۔ پر سونی اُن کے پاس کہاں آ گئی؟ سونی تو اماں کے پاس سوئی تھی، اور اماں کھٹیا پر سو رہی ہیں۔ وہ بالکل بھول گئے کہ وہ کھٹیا پر سو رہے تھے۔ انہیں لگا کہ وہ زمین پر چھوٹو کے ساتھ سو رہے تھے۔ سونی کھٹیا سے اُٹھ کر نیچے آ گئی۔ چھوٹو کو اماں کے پاس جگہ نظر آئی ہوگی تو وہ اماں کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے سونی کو پھُس پھُسا کر اُٹھایا۔

''سونی ! اے سونی ! اُٹھو تو''

''کیا ہے!'' اُٹھ کر سونی بیٹھ گئی۔

''دھیرے بولو۔ تم تو اماں کے پاس سو رہی تھی یہاں میرے پاس کیسے آ گئی۔''

ہاں میں اماں کے پاس سو رہی تھی۔ چھوٹو کہاں گیا؟'' سونی حیرت زدہ تھی۔

''چھوٹو اماں کے پاس چلا گیا''

''اب کیا کریں؟'' سونی نے کہا۔

''تمہارا کڑا مُنھ میں لگ گیا تھا اسلئے نیند کھل گئی نہیں تو صبح تک سوتے رہتے۔''

''پانی پیئو گے؟'' دھیرے سے سونی نے پوچھا۔

''ہاں پی لوں گا'' رگھوور پرساد بیٹھے ہوئے تھے وہ پانی لائی۔ کڑے، چوڑیوں

کے ساتھ نہ بجیں اس لئے اوپر سر کا لیا کہ کیسے ہاتھ میں رہیں گے۔ پانی پی کر رگھوور پرساد لیٹ گئے۔ ''تم بھی لیٹ جاؤ''

''میں نہیں لیٹتی۔ اماں دیکھیں گی تو کیا سوچیں گی۔ کہاں لگی؟''

''سر میں۔'' سونسی نے رگھوور پرساد کے سر کو چھوا جیسے لمس کی لیپ چڑھائی ہو۔ رگھوور پرساد نے ہاتھ ہٹا دیا۔

''دور دور لیٹ جاتے ہیں۔'' سونسی نے کہا وہ رگھوور پرساد سے دور کھسک کر لیٹ گئی۔ رگھوور پرساد بھی اُس سے کچھ دور سرک گئے۔ رگھوور پرساد لا بنے تھے۔ سونسی کے پاؤں سے انہوں نے اپنا پاؤں جان بوجھ کر چھوایا تو سونسی نے اپنا پاؤں ہٹا لیا۔ رگھوور پرساد کو ہلکا سا خیال آ رہا تھا کہ وہی کھٹیا پر سو رہے تھے۔ ایسا ہوتا تو سونسی کہتی۔ اماں گہری نیند سو رہی تھیں۔ رگھوور پرساد سوچ رہے تھے کہ لمبی چوڑی دھرتی ہو اور دونوں ــــــ دھرتی پر سوئے ہوں تب بھی یہی لگے گا کہ دونوں ساتھ ساتھ سو رہے ہیں چاہے وہ قطب شمالی کی دھرتی پر ہوں اور سونسی جنوبی قطب کی دھرتی پر کیا شمالی قطب اور جنوبی قطب الگ الگ کھٹیا نہیں ہو سکتے۔ شمالی اور جنوبی قطب کے درمیان چھوٹو کو سُلا دیا جائے تو ٹھیک رہے گا۔ وہ اُٹھے۔ انہوں نے چھوٹو کو دونوں ہاتھوں سے اُٹھایا بیچ میں چھوٹو کو سُلا دیا۔

''تم چاہو تو اماں کے پاس سو جاؤ۔'' دھیرے سے انہوں نے کہا۔ سونسی اندھیرے میں آنکھ کھولے دیکھ رہی تھی۔ کھڑکی سے چاند کا اُجالا کمرے میں تھا۔ سونسی نے چھوٹو کو چادر اُڑھا دی تھی۔ کروٹ لیتے ہی رگھوور پرساد کا پاؤں سونسی سے چھوایا تھا۔ سونسی نے اپنا پاؤں نہیں ہٹایا۔ رگھوور پرساد کو نیند آ گئی۔ دونوں سو گئے۔ سوتے میں سونسی نے سُنا ''تم نے پاؤں نہیں ہٹایا'' سوتے ہوئے رگھوور پرساد نے سُنا ''ہاں'' دونوں گہری نیند سے اور گہری نیند میں سو رہے تھے۔ صبح جب اماں اُٹھی تو اُس نے اپنے سوا سب کو زمین پر سوتے ہوئے پایا اُس نے سوچا اب کی رات کھٹیا اُٹھا دیں گے اور سبھی زمین پر پھیل کر سو سکیں گے۔ اماں کو کسی کو اُٹھانے کا من نہیں ہوا۔ جب تک سوئیں سونے دو۔ اماں نے نہیں اُٹھایا تھا پر صبح

کے اُجالے نے سونسی کو اُٹھا دیا۔ سونسی کے اُٹھتے ہی اماں نے کہنا شروع کیا۔ ''چھوٹو کھٹیا سے پاؤں لٹکا کر سوتا ہے۔ زمین پر سُلانے کے لئے اُسے اُٹھانے لگی۔ وہ تو نہیں اُٹھا۔ رگھو نے سوچا کو اُس کو اُٹھایا جا رہا ہے وہ اُٹھا اور زمین پر سو گیا۔ سونسی دونوں ہتھیلیوں سامنے کے بالوں کو سمیٹتے، جوڑا بناتے ہوئے ہنس پڑی تھی۔ چھوٹو کب زمین پر نیچے آ گیا۔ کھٹیا سے گرا تو نہیں؟'' سونسی کچھ نہیں بولی۔

''بہو! چھوٹو کھٹیا سے گرا تو نہیں تھا؟''

''نہیں گرا تھا۔ یہ اُٹھا کر نیچے لائے تھے'' سونسی نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے۔ کھٹیا پر اس کو دیوار کی طرف سُلانا چاہئے۔ نیچے گرنے کا ڈر نہیں رہے گا۔ رگھوور پرساد کو اُٹھا دو بہو۔ دونوں آدمی تالاب سے نہا دھو کر آنا۔ چھوٹو اُٹھے گا تب میں جھاڑو لگا دوں گی''

''اچھا میں رگھوور پرساد کو اُٹھا دیتی ہوں'' اماں نے کہا اور رگھوور پرساد کو اُٹھایا۔ کھڑکی پر بچے نہیں آئے تھے۔ ابھی ان کے آنے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ سونسی، رگھوور پرساد کے کپڑے لئے تھی، کھڑکی سے دونوں کودے۔ سونسی پہلے کودی تھی۔ رگھوور پرساد پگڈنڈی میں سونسی کے پیچھے چل رہے تھے۔ سونسی کے پیچھے چلنا انہیں اچھا لگ رہا تھا۔ سونسی کسی سمت میں نہیں جا رہی تھی، اسلئے لگتا تھا کہ ساری سمتیں سونسی کے پیچھے چلی آئی تھیں صرف ایک سمت رگھوور پرساد کے لئے آگے جاتے ہوئے خود سونسی تھی۔ سامنے اور دائیں بائیں کا منظر سونسی کے پیچھے آنے کے لئے اپنی باری میں کھڑا تھا۔ سونسی کے آگے نکلتے ہی اُدھر کی دھرتی، پیڑ پتّی سونسی کے پیچھے آ جاتے۔ جب ایک تالاب جو سفید کنول سے بھرا تھا پیچھے چھوٹ گیا تو رگھوور پرساد نے پوچھا۔ ''کس تالاب میں نہائیں گے؟''

''اسی تالاب میں'' سونسی نے کہا۔ تالاب وہاں تھا۔ جیسے ہو گیا تھا کہ سونسی وہاں نہائے گی۔ یہ تالاب کی آرزو تھی، ایسا بھی سمجھنا چاہئے۔

رگھوور پرساد اور سونسی تالاب کے کنارے پتھر پر کھڑے رہے۔ تالاب ان کے

پاؤں کے پاس راستہ دیکھتا ہوا تھا۔ پانی میں لکیروں جیسی لرزش تھی۔ وہ کودنے والے ہوں گے کی امید میں تالاب سہما ہوا تھا، یا انکے عکس پڑنے کی چھپاک سے لکیروں جیسی لہر اُٹھی ہوگی۔ تبھی پلک جھپکتے ہی ساڑی اُتار سونسی تالاب میں لیٹی ہوئی سی کودی اور پانی میں لیٹی ہوئی سی چھپاک ہوئی کہ پانی کا بستر تھا۔ سونسی کے پیچھے تالاب میں رگھوور پرساد گرے سے کودے کہ سونسی کے ساتھ کسی نا قابل دید رسّی سے بندھے تھے۔ سونسی کودی تو وہ کھنچ گئے۔

''ارے کپڑے نہیں اُتارے'' تیرتے تیرتے سونسی نے پوچھا۔

''کپڑے اُتارنے کا موقع نہیں ملا۔ تم کود گئی تھیں''۔ دونوں پاس پاس آرام سے تیر رہے تھے۔ زیادہ گہرے میں نہیں تھے۔ صاف گہرے پانی کا لمبا چوڑا اچھا ہوا تالاب تھا۔ سانس روک کر دونوں ڈبکیاں لگاتے۔ ڈبکی سے باہر نکل کر بَن کی خوشبو سے بھری ہوا میں گہری سانس لیتے ہوا کی خوشبو کا احساس اُن کو پانی کے اندر سانس روکے ہونے کے باوجود بھی ہوتا تھا۔ نہا دھو کر دونوں بڑ کے پیڑ کی طرف چلے۔ وہاں ''شیولنگ'' کی طرح پیڑ تھا۔ پیڑ کے بالائی حصے سے لتاؤں کی ڈال نکلی تھی۔ ان لتاؤں میں مختلف رنگوں کے پھول تھے۔ ہوسکتا ہے پیڑ میں جب پھول چڑھائے جاتے ہوں تو وہ پیڑ میں اُگ جاتے ہوں۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ الگ الگ وقت میں پھول کے رنگ بدل جاتے ہوں۔ اس وقت سفید رنگ کے پھول تھے۔ پھول پیڑ سے مرجھانے سے پہلے گر کر بکھر جاتا تھا۔ جس کے پاس یہ پھول ہوتا اُسی کے لئے یہ نذر ہوتا۔ سونسی کے پاس بہت پھول پڑے تھے سونسی نے پھول چُنے اور آنچل میں لپیٹ کر کمر میں کھونس لیئے۔

راستے میں، بیٹھے بیٹھے بہارتے ہوئے بوڑھی اماں ملی۔ بوڑھی اماں کو دیکھ کر رگھوور پرساد کو یاد آیا کہ سونسی کے ہاتھ میں کڑے نہیں ہے۔ ''کڑے کہاں ہیں؟''

''تمہارے کپڑے نکالتے وقت میں نے پیٹی میں رکھ دیئے تھے۔''

''بوڑھی اماں سُستا لو۔'' سونسی نے کہا۔ بوڑھی اماں سے جھاڑو لیکر سونسی وہاں جھاڑو لگانے لگی۔ جلدی جلدی اُس نے آس پاس پورا بہار دیا تھا۔

"بس بس اتنی جگہ بھر بچی تھی" بوڑھی اماں نے کہا۔

"نہادھو لئے؟" بوڑھی اماں نے پھر پوچھا۔

"ہاں اماں" دونوں نے کہا۔ بوڑھی اماں کے پاس ایک چھوٹی ٹوکری مکئی سے بھری تھی۔ مٹھی مٹھی انہوں نے لیا۔

"چھوٹو بھی تو آیا ہے" بوڑھی اماں نے پوچھا۔ سونسی نے کچھ اور مکئی لیکر آنچل میں باندھ لیا۔ دُھلے ہوئے کپڑے سونسی کے کاندھے پر تھے۔ اُسی پر سونسی نے بندھے پھول اور مکئی کی پوٹلی کو لٹکا لیا تھا۔ ایک جگہ پیڑوں سے بندھے دو جھولے تھے۔ جھولوں میں چھوٹے چھوٹے بچے کانوں کے پاس مٹھی باندھے سو رہے تھے۔ ایک چھوٹی لڑکی بچوں کی نگرانی کے لئے وہاں تھی۔ پاس ہی ایک سوکھا نالہ تھا۔ اُس نالے میں پیڑ سے جھڑے ہوئے سوکھے پتے تھے۔ نالے میں بھورے رنگ کی کئی چڑیاں پتوں کو چونچ سے پلٹا کر کیڑوں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ لڑکی کا دھیان چڑیوں کی طرف تھا۔ ہوا سے جھولے دھیرے دھیرے ہل رہے تھے دو پیڑوں پر تنی رسی پر پُرانی ساری کو تہہ کر کے بنایا گیا جھولا تھا۔

"تو ردائی کہاں ہے؟" (تمہاری ماں کہاں ہے؟)

"مکئی بیننے گئی ہے (مکئی چُننے گئی ہے) لڑکی نے شرما کر کہا۔ پیڑ کے نیچے ٹکری بھر مکئی رکھی تھی۔ ایک پھٹے کپڑے سے ٹوکری ڈھکی تھی۔ سونسی کا من ہوا کہ وہاں دونوں بچوں کو اٹھا کر اپنی گود میں بیٹھا لے۔ پگڈنڈی پر رگھوور پرساد سونسی کے پھر پیچھے ہو گئے۔ جیسے نقشِ قدم چھوٹتے ہیں اُسی طرح آگے چل رہی سونسی کے پیچھے سونسی کے رفتار کی لَے کے چھوٹے ہوئے نقوش کی طرح سب کچھ سب طرف تھا۔ لَے کا منظر تھا۔ تالاب لَے کا تھا۔ پیڑ کے شگفتہ پھول لَے تھے۔ لَے کی پگڈنڈی تھی۔ رگھوور پرساد کے پیروں میں چلتے ہوئے تھرکن تھی۔ آکاش سے لیکر دھرتی تک سونسی اور رگھوور پرساد کا گھرانہ تھا۔ اُس کا جھومنا چاند جھومنا تھا۔ ایک بڑی چٹان جھومتے ہوئے چاند نظر آ رہی تھی۔ رگھوور پرساد سونسی کی چال دیکھتے ہوئے چل رہے تھے۔

"تم میرے پیچھے پیچھے کیوں چل رہے ہو؟" سونسی نے من ہی من سب جان کر پوچھا۔

"تمہارا چلنا دیکھتے ہوئے چل رہا ہوں" رگھوور پرساد نے چپ رہ کر من ہی من جواب دیا۔

جھاڑیوں میں کپڑے سکھانے کے بعد سونسی کمرے میں کودی۔ رگھوور پرساد پہلے کود گئے تھے۔

"اماں کہاں گئی؟"

"باہر بیٹھے ہوں گے" دیر ہوگئی۔

"ہاں دیر ہوگئی" جھاڑو لگی تھی۔ اماں نے بہار دیا تھا۔

"دونوں باہر آئے۔ چھوٹو اماں کے پاس بیٹھا تھا۔ چھوٹو رُکنے کی ضد کر رہا تھا۔ اور اماں کل صبح کی بس سے جانے کو کہہ رہی تھی۔ چھوٹو کہہ رہا تھا کہ اماں بس سے اکیلی چلی جائے۔

"اسکول کھل گیا ہوگا۔" اماں چھوٹو سے کہہ رہی تھی۔

"اماں! ایک دو دن رُک جاؤ" تب سونسی نے کہا۔

"جانا پڑے گا۔ رگھوور پرساد کے پتا کو اکیلے دقت ہوگی۔ دو دن کا کہہ کر آئی تھی۔" اماں جانتی تھی کہ چھوٹو ابھی رُکنے کو تیار ہے کل جانے کے وقت رکشے میں سب سے پہلے بیٹھ جائیگا۔ اماں مان گئی کہ چھوٹو رُک جائے گا۔ چھوٹو نے کہا کہ وہ اماں کو چھوڑنے بس اسٹینڈ تک جائے گا۔

"تو کس کے ساتھ گاؤں جائے گا؟"

"اکیلے چلا جاؤں گا" چھوٹو نے کہا۔

"چھوٹو نے رگھوور پرساد سے پوچھا" آج ہاتھی آئے گا؟"

"آج نہیں آئے گا، آج اتوار ہے۔ سادھو کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے"

''وہ رہتا کہاں ہے؟'' چھوٹو نے پوچھا۔

''خیراگڈھ باڑا میں، کل میں نے اُس سے پوچھا تھا۔ وہاں راجہ کا کھنڈر مکان ہے۔ مکان کی دالان میں وہ رہتا ہے اور ہاتھی پیڑ سے بندھا رہتا ہے۔''

''اُدھر گھومنے چلیں گے؟'' چھوٹو نے پوچھا۔

''تم تو رُک رہے ہو۔ پھر کبھی چلیں گے۔''

چھوٹو نے کچھ نہیں کہا۔ اماں اندر چلی گئی تو سونسی نے رگھوور سے کہا ''اماں رُک جاتی تو اچھا تھا۔'' چھوٹو کا بھی من ہے۔ پیڑ پر چھپنے والے لڑکے کا پتا سڑک پر ڈنڈا لئے سونسی کو نظر آیا۔ سونسی نے رگھوور کو بتایا، ''وہ آدمی بیڑی پینے والے لڑکے کا پتا ہے''

جو ڈنڈا لئے ہے؟ اُسے تو کئی بار دیکھا ہے''

ڈنڈے والا آدمی اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جا رہا تھا۔ ''اپنے لڑکے کو ڈھونڈ رہا ہے تاکہ پکڑ کر گھر لے جائے۔'' پکڑ کر لے جانے کے لئے نہیں، لڑکے کو نظر آ جانے کے لئے ڈھونڈ رہا ہے۔ لڑکا اُسے نہ دکھائی دے پر چھپا ہوا لڑکا اُسے دیکھ لے جس سے اُسے معلوم ہو جائے کہ اُس کا ددا گھر پر نہیں ہے۔ لڑکا بتا رہا تھا کہ جبتک ددا گھر پر رہتا ہے وہ گھر نہیں جاتا۔''

اپنے گھر سے دور جا رہا ہے کہ لڑکا سمجھ لے کہ وہ بہت دیر تک نہیں لوٹے گا۔'' رگھوور پرساد نے کہا ڈنڈے والا ہوشیاری سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ لڑکے کو اگر وہ دھوکے سے دیکھ لے تو لڑکے کو پتہ نہ چلے کہ اُس نے دیکھا ہے۔ رات میں جب رگھوور پرساد لڑکوں کو پڑھاتے تھے تب وہ ڈنڈا لئے سڑک پر گھومتا ہوا دکھائی دے جاتا تھا۔ بجلی کے نیچے پڑھنے والے لڑکوں کے پاس یوں ہی کھڑا ہو جاتا تھا۔ رگھوور پرساد۔ سڑک پر پڑھاتے تھے اس لئے اُسے کچھ کہہ نہیں سکتے تھے سڑک سب کے آنے جانے کے لئے تھی۔ وہاں لڑکوں کے چاروں طرف کچھ لوگ بھیڑ لگا لیں تو کیا کر سکتے تھے۔ منع تو نہیں کر سکتے تھے۔ کلاس میں پڑھاتے ہوتے تو منع کرتے۔ سڑک پر گائے آکر کھڑی ہو جاتی تھی۔ پگوراتے ہوئے

وہیں بیٹھ جاتی تھی۔ لڑکوں کے پاس گوبر یا پیشاب کرنے لگتی تھی تب وہاں سے ہٹنا پڑتا تھا۔ بجلی کے کھمبے کے نیچے مناسب حد تک روشنی رہتی تھی۔ روشنی کے انتظام کے بغیر پڑھائی ہو جاتی تھی اور مٹی تیل کی بچت ہو جاتی۔ بجلی کے کھمبے کو ٹیبل لیمپ کی طرح اِدھر اُدھر لے جاسکتے تو اُس کو کسی کنارے اور الگ جگہ پر لے جاتے۔ اتنے سارے کھمبوں میں ایک دو کھمبے کم ہو جاتے تو فرق نہیں پڑتا۔ سڑک پر اندھیرا ہوتے ہی سناٹا ہو جاتا آدمیوں کا شور وغل بالکل نہیں تھا۔ سڑک کے کتوں کے بھونکنے سے کبھی کبھی بہت شور وغل ہوتا تھا رات کو آتی جاتی بیل گاڑی کا دھیان رکھنا پڑتا تھا۔ گاڑی چلانے والے جب اُونگھتے تب بیل اگر چہ سڑک پر اپنی مرضی سے ٹھیک ٹھیک چل رہے ہوتے، پر کبھی ایک دم کنارے ہو جاتے۔ پھر اُس کنارے سے ہٹتے ہٹتے سڑک کے دوسرے کنارے کی اور بڑھنے لگتے۔ ایسے میں سنبھالنا پڑتا تھا۔ بجلی کے کھمبے کے پاس پیڑ تھے۔ پیڑ پر اُجالے میں کیڑے کھانے اُلّو اور اُس طرح کے دوسرے پرندے بیٹھے ہوتے۔ اُلّو سن نہ لیں اس لئے لڑکے آپس کی بات چیت میں کسی کا نام نہ لیتے تھے۔ لڑکوں کا کہنا تھا کہ اگر اُلّو نام سُن لے تو اس نام کو وہ یاد کرتا تھا۔ جس کا نام وہ یاد کرتا وہ دھیرے دھیرے دُبلا ہو کر مر جاتا تھا۔ دھوکے سے نام نکل جانے پر رام کا نام لیتے تھے اور بچ جاتے تھے۔ ڈنڈے والا آدمی رگھوور پرساد کو پہچاننے لگا تھا۔ اور رگھوور پرساد کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتا تھا۔

رگھوور پرساد اور سونسی نے دیکھا کہ گولر کے پیڑ سے لڑکا کودا اور بھاگ گیا۔ وہ گھر گیا ہوگا۔ اُس نے ددا کو دیکھ لیا تھا۔ رگھوور پرساد نے کہا، ”لڑکے کے ددا کو بلا کر بات کرتا ہوں“

”بات کرنا، پر گولر کے پیڑ کے بارے میں مت بتانا“

”ہاں“ رگھوور پرساد نے کہا۔ لیکن رگھوور پرساد کے بلانے کے پہلے چھوٹو نے اُسے آواز دے دی۔

”ڈنڈے والے بھیا! او ڈنڈے والے بھیا“ آدمی نے پلٹ کر دیکھا۔ چھوٹو

ہاتھ ہلا کر بُلا رہا تھا۔ پاس آکر اس نے رگھوور پرسادا اور سونسی کو رام رام کہا۔

''اپنے لڑکے کو ڈھونڈ رہے ہو؟'' سونسی نے پوچھا۔

''ہاں ماں! گھر نہیں جاتا۔ میرے کو باہر گھومتے دیکھ لے گا تو گھر چلا جائے گا۔

''اُس کو مارنا مت پیار سے سمجھا دینا''

''بس ایک بار مارا تھا ماں! بیڑی پیتا ہے۔ اس کے بعد وہ بھاگتا رہتا ہے۔ ملے تو سمجھاؤں۔ گھر نہیں آتا۔ چھپ کر دور سے دیکھتا رہتا ہے۔ گھر پر رہتا ہوں تو ڈنڈا دروازے پر چھوڑ دیتا ہوں۔ ڈنڈا دیکھ لے گا تو جان جائے گا میں گھر پر ہوں۔''

''تمہارا لڑکا خاکی پینٹ پہنتا ہے نا۔ دس بارہ سال کا۔ اُس کو جانتا ہوں۔ وہ کبھی کنگھی نہیں کرتا۔''

''وہی ہے مہاراج۔ دس سال کا ہے'' چھوٹو کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اسکے برابر۔''

''تم کل صبح چھپ کر میرے گھر آجانا تمہارے لڑکے کو میں سمجھا دوں گا۔ سمجھ جائے گا تو اپنے ساتھ گھر لے جانا''

''گھر سے نکلنا تو ڈنڈا مت لانا۔ دروازے پر چھوڑ دینا۔ لڑکا گھر نہیں جائے گا۔ لڑکے نے بھی بتایا تھا کہ ددا کا ڈنڈا دیکھ کر وہ گھر آتا جاتا ہے۔''

''سونسی جب اس کو پیڑ پر چڑھا دیکھتی تو کبھی کبھی اُس سے بات کر لیتی تھی۔ سونسی سے آنکھ ملا کر وہ بات نہیں کر پاتا تھا۔ سونسی پیڑ کے نیچے کھڑی ہو جاتی اور کھود کھود کر اُس سے پوچھتی، تب بتاتا تھا۔ پیڑ کے اوپر دیکھتے ہوئے سونسی کو بات کرتے کوئی دیکھتا تو وہ یہی سوچتا کہ سونسی یا تو پیڑ سے بات کر رہی ہے یا چڑیوں سے۔ گلہری سے بھی سوچ سکتا تھا۔ کس لڑکے سے بات کر رہی ہے یہ کبھی دھیان میں نہیں آتا۔ دوپہر کو جب کھانے بیٹھتی تب پیڑ کو دیکھ لیتی تھی۔ لڑکا نظر آجاتا تو اُسے کھانے کے لئے بُلا لیتی۔ کبھی وہ خود آجاتا۔ سونسی کو کھانے میں دیر ہوتی تو اُسے پہلے کھانا دے دیتی نہیں تو وہ کونے میں کھانے کے لئے سر جھکائے بیٹھا رہتا۔

رات کو سب کے زمین پر سونے کے لئے اماں نے کھٹیا دیوار سے سٹا کر کھڑی کر دی تھی۔ زمین پر بستر بچھا دیا گیا تھا۔ اماں کو صبح پانچ بجے کی پہلی بس سے جانا تھا۔ اماں نے یاد کر سونسی کو کڑا پہننے کے لئے پھر کہا تھا۔ سونسی کڑا پہنی ہوئی تھی۔ کھٹیا کے پاس رگھوور پرساد لیٹے تھے پھر اماں، چھوٹو اور سونسی۔ سب جلدی لیٹ گئے تھے کہ صبح جلدی اُٹھنا ہوگا۔ سونسی نے پوڑی بنالی تھی۔ صبح کھانے کے لئے اور راستے میں چھوٹو کے لئے۔

''ماں ابھی کڑا اُتار دیتی ہوں سوتے میں چھوٹو کو لگ نہ جائے'' سونسی نے کہا۔

''تو میرے پاس آجا چھوٹو کنارے چلا جائے گا۔ چھوٹو سونسی کے بائیں طرف تھا۔ سونسی اماں کے پاس چلی جاتی تو چھوٹو سونسی کے داہنے طرف رہتا۔ چھوٹو کو تب بھی کڑا لگ سکتا تھا۔ ''اماں! چھوٹو کو ابھی بھی کڑا لگ جائے گا۔'' سونسی نے کہا۔ ''میں اُدھر آجاتی ہوں تو میری جگہ آجانا'' اماں نے کہا۔ ایسے میں سونسی رگھوور پرساد کے پاس چلی جاتی۔ اماں کو یہ دھیان نہیں تھا۔ اماں اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی کہ سونسی ادھر آجائے۔

''ادھر آجا'' اماں نے پھر کہا۔ سونسی کا من ہوا چپ چاپ چلی جائے۔

''وہاں اماں؟'' دھیرے سے پھر بھی سونسی نے کہا۔ اماں کو تب دھیان آیا۔

''اچھا چھوٹو کو رگھوور کے پاس کر دیتے ہیں'' اماں نے کہا۔ چھوٹو کو رگھوور کے پاس سرکا دیا گیا۔

''اماں سونسی کے پاس چلی گئی۔ اب اماں کو کڑا نہ لگ جائے۔ اُس سے رہا نہیں گیا۔

اماں تم کو نہ لگ جائے۔ کل بس میں جانا بھی ہے۔'' اماں سونسی سے کچھ دور سرکتی ہوئی جھلا کر بولی۔ ''نہیں لگے گا اتنی جگہ تو ہے کسی کو کڑا لگا تھا کیا؟'' سونسی نے چُپ چاپ دوسری طرف کروٹ لے لی۔

''اچھا کڑا اُتار دے صبح پہن لینا'' اماں نے کہا۔ سونسی نے کڑا اتار کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیا۔ رگھوور پرساد چُپ چاپ آنکھ موندے پڑے سوچ رہے تھے کہ پہلے سونسی سو جائے،

تب سوئیں۔

چھوٹو سوگیا۔ سونی اور اماں دیر رات تک بات کرتی رہیں۔ بیچ میں بات کرتے کرتے چُپ ہو جائیں تو رگھوور پرساد سوچتے کہ دونوں سوگئیں۔ سونی تب پوچھتی، "اماں سو گئیں۔"

"سوئی نہیں، تیرے کو نیند آ رہی ہو تو سو جا میرا بات کرنے کا جی کر رہا ہے۔ پر کیا بات کروں کچھ پوچھو تو بتاؤں۔

"اماں تمہاری شادی ہوئی تھی تب تم کتنی بڑی تھیں۔ سونی نے پوچھا۔

"گیارہ سال کی تھی۔ سسرال میں کھیل نہیں پاتی تھی۔ ماں باپ ک بہت یاد آتی تب رونے لگتی۔ رگھوور پرساد کے پتا چودہ سال کے تھے۔ چُپ کراتے کراتے وہ بھی رونے لگتے تھے۔"

"اماں تم پاٹھ شالا جاتی تھیں؟" سونی نے پوچھا۔ تو اماں ہنسی۔ آنکھ موندے ہوئے رگھوور پرساد بھی مُسکرائے۔ اماں کی ہنسی سُن کر نیند میں چھوٹو بھی ہنسا ہوگا۔

"دوسرے درجہ تک پڑھی۔ بہو! تیرا اور پڑھنے کا من ہو تو رگھوور پرساد سے ضرور پڑھ لینا۔ رگھوور کے پتا چھپ کر مجھے پڑھاتے تھے۔ میرے پتا، بھائی تپ دق سے جلدی مرگئے۔ ساس سخت دل تھی۔ سسر، میری شادی کے چار ماہ بعد مر گئے۔"

"کیسے مرگئے اماں؟"

"سویرے حوائج بشری سے فراغت پا کر لوٹ رہے تھے۔ رستے میں ایک پیپل کا پیڑ تھا۔ پیڑ کے نیچے سے نکلے تو کسی نے نام لے کر آواز دی۔ اکڑ کر بولے کون ہے تو کہا رُک جا۔ نہیں رُکتا کہہ کر چلے آئے۔ بڑی بڑی مونچھ تھی۔ ڈنڈا رکھتے تھے۔ پگڑی باندھتے تھے۔ صبح صبح کا اندھیرا تھا۔ روشنی لیجانا بھول گئے تھے۔ گھر آئے تو بخار تھا۔ پھر اُٹھے نہیں۔" اماں چُپ ہوگئی۔ سونی بھی کچھ نہیں بولی۔ تھوڑی دیر بعد اماں نے پوچھا۔ "بہو سوگئی؟"

''نہیں اماں۔''

''رگھوور سے بڑی ایک بیٹی اور تھی۔ سانولی تھی پر رگھوور سے رنگ صاف تھا، سُندر تھی۔ چیچک سے وہ بھی مرگئی۔''

''کتنی بڑی تھی اماں؟''

''تین سال کی تھی۔ رگھوور تب ہو گیا تھا چھوٹا تھا مہینے بھر کا۔ کالا دُبلا پتلا۔ رگھوور ہوا تو ساس بہت خوش ہوئی۔ اچھا نہیں نظر آتا تھا۔ دیکھ کر ساس نے کہا تھا کہ لڈو گول نہیں ہے تو کیا لڈو تو ہے رگھوور کو دیکھ کر ساس کی ساری بیماری دور ہو گئی۔ پراگا کے دکھ سے بیمار پڑ گئی تھی۔ پراگا ان کے ساتھ سوتی تھی۔

''پراگا کون اماں؟''

''میری بڑی لڑکی بیٹی،'' اماں چپ ہو گئی۔ سونسی سوچ رہی تھی کہ اماں نے پراگا کو بیٹی کہا تھا کہ اُسے۔ سونسی سے رہا نہیں گیا۔ وہ پوچھ بیٹھی،''اماں تم نے بیٹی کس کو کہا تھا۔''

''ہاں بیٹی! دونوں کو۔'' اماں نے پھر کہا۔ اس بار بھی اماں ہنسی۔ سونسی کا من رگھوور کے بارے میں پوچھنے کا بہت تھا۔ سوچ رہی تھی کہ کیسے پوچھے۔ بہت دیر تک چُپ رہی تو اماں نے پھر پوچھا''سو گئی کیا؟''

''نہیں اماں!''

''ایسے ہی بات کرو اچھا لگ رہا ہے''

''اماں ان کے پاؤں کے گھٹنے کے نیچے چوٹ کا نشان کیسے ہوا؟''

''ارے رگھوور کو ملائی، کُھرچن اچھی لگتی تھی۔ ایک بار کڑاہی میں دودھ اونٹ رہی تھی۔ اُس کی کُھرچن تھی۔ رگھوور کو میں بلائی کُھرچن کھالے۔ وہ دوڑتے آیا اور چوکے رکھے سامنے سِل سے ٹکرا گیا۔ گوشت چھِل گیا تھا۔ ہڈی دکھائی دیتی تھی۔ رو رہا تھا۔ منہہ میں تھوڑی کُھرچن ڈال دی تو کچھ دیر کیلئے چُپ ہو گیا۔ رگھوور کے پتا اسپتال سے پٹی بندھوا لائے تھے۔ اونٹایا ہوا دودھ جو تھوڑا رگھوور کے پتا کیلئے تھا رگھوور نے پیا تھا۔ اُس کی جانگھ

میں بھی کٹنے کا نشان ہے۔"

"ہاں اماں!" بولتے بولتے سونسی رُک گئی۔ بائیں جانگھ میں لمبا کٹے کا نشان تھا۔

"سوئی تو نہیں؟"

"نہیں اماں"

"سُن رہی ہونا؟"

"ہاں اماں"

"گاؤں میں سرکس آیا تھا۔ لوہے کے تار کا گھیرا بنا تھا۔ سب لوگ سرکس دیکھنے گئے۔ چھوٹو نہیں ہوا تھا۔ رگھوور بہت شرارتی تھا۔ سیدھے تو چلتا نہیں تھا۔ تار کے نیچے سے نکلنے لگا تو پھنس گیا۔ لوہے کے کانٹے سے چرا گیا تھا۔ بہت خون بہا۔ سرکس نہیں گئے۔ سیدھے اسپتال گئے۔ رگھوور روتا، اسپتال نہیں، سرکس چلو کی ضد کرتا تھا۔"

"اماں چپ ہوگئی۔ بہت دیر تک چپ رہی۔ سونسی نے پوچھا بھی "اماں سوگئی" تو اماں نے کچھ نہیں کہا۔ اس بیچ سونسی سوگئی۔ اماں سوئی نہیں تھی۔ بیتے ہوئے میں چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد پوچھا "بہو سوگئی" سونسی نے جواب نہیں دیا۔

"اچھا سو جا" کہہ کر اماں سونسی کی طرف کروٹ لئے سوگئی۔ اماں کا بایاں ہاتھ سونسی کے اوپر تھا۔ رگھوور پرساد بھی سو گئے۔ سونسی نے رگھوور پرساد کو نیند میں سُنا "تم سوگئی؟"

"ہاں تم نہیں سوئے؟"

"میں بھی سوگیا"

"کتنی دیر ہوگئی؟"

"تم سوئی اُس کے بعد"

"سوئے رہو۔ سویرے جلدی اُٹھنا ہے۔"

"ہاں رکشالا نے پہلے موٹر اسٹینڈ جانا پڑے گا"

سب گہری نیند میں سو گئے۔ دور بجلی کڑکنے لگی تھی۔ پھر پاس بجلی کڑکی۔ کسی کی نیند نہیں کھلی۔ پہلے دھیرے دھیرے پانی گرا۔ پھر زور سے۔ رگھوور پرساد نے سونسی کو نیند میں سُنا، ''لگتا ہے پانی گر رہا ہے۔''

''ہاں گر رہا ہے'' گہری نیند میں سونسی نے سُنا۔

''پیڑ پر لڑکا بیٹھا ہوگا۔ بھیگ رہا ہوگا''

''ہاں بھیگ رہا ہوگا''

''تم اُٹھو اس کو یہاں بلا لو'' بجلی پھر کڑکی۔ رگھوور پرساد اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ ٹٹول کر انہوں نے کھٹکا دبایا۔ سونسی بھی اُٹھ گئی۔ اماں نے پوچھا، ''تین بج گئے کیا؟''

''نہیں اماں دو بجا ہے سو جاؤ''

''میں سوتی ہوں تین بجے اُٹھا دینا''

''اچھا'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''بجلی پیڑ پر نہ گر جائے'' سونسی نے کہا۔ رگھوور پرساد بڑ کی چپل پہنے چھتا لے کر دروازے کا پلّا ہوشیاری سے کھول کر باہر نکلے۔ دوسرا پلّا کھولتے تو اماں کے سر سے ٹکراتا۔ سونسی نے دروازہ اڑکا دیا تھا۔ پانی کے چھینٹے اندر آ رہے تھے۔ باہر بجلی کے اُجالے میں گرتی ہوئی پانی کی بوندیں زندہ بوندوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ پتنگوں کی طرح بوندیں تھیں۔ جھُنڈ جھُنڈ پتنگوں کی طرح بوندیں بجلی کی اُجالے میں دھرتی کے طرف آتیں یا ہوا کے جھونکو سے جھنڈ جھنڈ ادھر یا اُدھر ہو جاتی جو بوچھاڑیں تھیں۔

❀❀❀

رات بھر اندھیرے کا اتنا ساتھ تھا کہ دن کا اُجالا بہت اُجالا لگ رہا تھا۔ لگا کہ ایک سورج سے اتنا اُجالا نہیں ہوسکتا دو سورج ہوں گے۔

رگھوور پرساد چھپ! چھپ! پانی سے ڈوبی سڑک پر جارہے تھے۔ ڈبکی لگاتے قدم تھے۔ برسات کی سڑک پانی کی سڑک ہوگئی تھی۔ سڑک سے اُتر کر گولر کے پیڑ کے نیچے کیچڑ ہوگیا تھا۔ بجلی کے کھمبے کا اُجالا گولر کے پیڑ پر بھی تھا۔ لڑکا بھی پیڑ پر تھا۔ لڑکے نے رگھوور پرساد کو آتے دیکھ لیا تھا۔

''پیڑ میں بیٹھے ہو'' رگھوور پرساد نے پوچھا۔

''ہاں، بیٹھا ہوں''

''گھر چلو، بھیگ جاؤ گے''

''پیڑ پر رہوگا۔ نہیں جاتا''

''تم میرا چھتا رکھ لو''

''کھمری ہے۔ کھمری پہن کر بیٹھا ہوں۔ منجر اوڑھا ہوں''

''گھر نہیں آ ؤ گے؟''

''نہیں، اب صبح ہونے والی ہے''

''پیڑ پر بجلی گر سکتی ہے'' رگھوور پرساد نے اُس کو ڈرایا۔ ڈر کر گھر آ جائے۔

''پانی کم ہوگیا۔ بند ہو رہا ہے''

''پانی سچ مچ کم ہوگیا تھا۔ لڑکا کچھ نیچے بیٹھا ہوتا تو رگھوور پرساد ہاتھ پکڑ کر اُس کو

نیچے اتار لیتے۔

"نہیں اُترو گے؟"

"نہیں" رگھوور پرساد لوٹ آئے رگھوور پرساد نے دروازہ بند کیا۔ چھتے سے پانی ٹپک رہا تھا۔ چھتا بند کر رگھوور پرساد نے سنبھال کر سونسی کو چھتا اور چپل پکڑا دیا تاکہ اماں پر پانی کی بوندیں نہ پڑیں۔

"مُہری کے پاس ٹکا کر رکھ دو" سونسی نے مُہری کے پاس چپل چھتا رکھ دیا۔ گمچھے سے ہاتھ پاؤں پونچھ کر رگھوور پرساد لیٹ گئے۔ روشنی بجھا کر سونسی بھی لیٹ گئی۔

"لڑکا پیڑ پر نہیں ہے کیا؟"

"کھُمری پہن کر بیٹھا ہے۔ منجرا بھی اوڑھا ہے۔ بہت کہا پر نہیں آیا"

"اب تو پانی بند ہو گیا۔ تم سو جاؤ میں اُٹھا دوں گی۔" اماں کی نیند پھر کھُلی۔ "وقت ہو گیا؟" اماں نے پوچھا۔

"نہیں اماں، تھوڑی دیر اور سوئی رہو"

رگھوور پرساد سو گئے تھے۔ کھٹ پٹ میں رگھوور پرساد کی نیند کھُلی۔ جانے کی سب تیاری ہو چکی تھی۔ چار بجا تھا اماں۔ سونسی نے نہا، دھو لیا تھا۔

"ہاتھ منہ دھو لے۔ چائے بن رہی ہے" اماں نے رگھوور پرساد سے کہا۔ اُٹھ کر رگھوور پرساد کھڑکی تک گئے۔ کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر دیکھا پانی نہیں گر رہا تھا۔

"یہ والی بس ٹھیک ہے۔ چھوٹو اسکول بھی چلا جائے گا"

"چھوٹو کا رُکنے کا من ہے اماں!" سونسی نے کہا۔

"نہیں رُکے گا اُس کو اٹھا دے" اماں نے کہا۔ اماں اپنا جھولا جما رہی تھی۔

"میں اٹھا دیتا ہوں" رگھوور پرساد نے کہا۔

"چھوٹو اُٹھ اماں جا رہی ہے" رگھوور پرساد نے چھوٹو کو اُٹھا کر بٹھا دیا۔ چھوٹو بیٹھے

بیٹھے سویا رہا۔ لڑھکنے کو ہوتا تو رگھوور پرساد لڑھکنے نہیں دیتے۔ سونسی یہ دیکھ رہی تھی۔

''مت ستاؤ'' سونسی نے کہا۔ وہ چھوٹو کو اُٹھانے لگی۔ بڑی مشکل سے چھوٹو اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اماں نے اُس کا ہاتھ مُنھ دُھلایا تبھی سونسی رگھوور پرساد کے پاس آئی۔ رگھوور پرساد کو کچھ یاد دلائی۔ رگھوور پرساد اُٹھے اور اماں کو پچھتّر روپے دیے۔ ستّر روپے تو اماں نے رومال میں باندھ کر جھولا کے نیچے تک گُھسا دیا۔ پانچ کا نوٹ اپنے پاس رکھے رہی۔

رگھوور پرساد رکشا بُلانے موٹر اسٹینڈ چلے گئے۔ صبح کے سناٹے میں رکشے کے پینڈل میں بندھے گھنگھرو کی آواز دور سے آئی۔ اُوبڑ کھابڑ رستوں میں گھنگھرو کی آواز تیز ہو جاتی تھی۔ سونسی نے کہا ''اماں رکشا آ رہا ہے'' اماں نے چھوٹو کو اس طرح تیار کر لیا تھا کہ وہ بھی جا رہا ہے۔ پر چھوٹو اماں کے ساتھ جائے گا یا نہیں جائے گا وہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ سڑک کی روشنی کا اُجالا تھا۔

اماں اور سونسی باہر نکلے۔ دونوں کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔

''اچھے سے رہنا بہو'' اماں نے کہا۔

''ہاں اماں'' سونسی نے پاؤں چھوئے۔ رکشے میں پہلے اماں بیٹھی، اماں کے بیٹھتے ہی چھوٹو جھٹ رکشے میں چڑھ گیا۔ یہ دیکھ کر رگھوور پرساد بھی چڑھ بیٹھے، چھوٹو سامنے کے پٹّے پر بیٹھ گیا۔ اماں کا جھولا لے کر رگھوور پرساد چڑھے۔ ابھی تک چڑیوں نے چہچہانا شروع نہیں کیا تھا۔

رکشا چلا گیا۔ جاتے وقت اماں نے سونسی کو سر گھما کر پیچھے دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ اتنا سر گھما نہیں سکیں کہ سونسی کو دیکھ پاتیں۔ اُنھوں نے رگھوور پرساد سے کہا ''دیکھ تو بیٹا سونسی باہر کھڑی ہے یا چلی گئی'' رگھوور پرساد نے سر گھما کر دیکھا سونسی کھڑی تھی۔

''کھڑی ہے اماں''

''اندر چلی جاتی تو اچھا تھا'' اماں نے کہا۔

رکشا تھوڑا اور چلا ہوگا کہ اماں نے پھر پوچھا۔

''دیکھ تو ہے کہ چلی گئی'' رگھوور پرساد نے دیکھا تو سونسی ابتک کھڑی تھی۔ بجلی کے کھمبے کا اُجالا پڑ رہا تھا وہ کہنے والے تھے کہ شاید چلی گئی پر تبھی چھوٹو نے کہہ دیا ''نہیں گئی اماں''

چھوٹو نے پھر کہا ''ابھی کھڑی ہیں'' چھوٹو نے پھر کہا، ''ابھی بھی کھڑی ہیں'' ٹھیک سے دیکھنے کے لئے چھوٹو رکشے پر کھڑا ہو گیا چھوٹو کو ٹھیک دکھائی نہیں دے رہا تھا پر اُس نے کہا۔ اماں نہیں جا رہی ہیں۔ رگھوور پرساد نے مُڑ کر کہا ''چلی تو گئی'' چھوٹو نے کہا ''نہیں گئی اماں'' اتنے میں رکشا مُڑ گیا۔ جب رکشا مُڑا تبھی چڑیوں نے چہچہانا شروع کیا تھا۔ چڑیوں کی چہچہاٹ تک سونسی وہاں کھڑی رہی۔ سڑک کی روشنی بجھ گئی تھی۔ سڑک کی روشنی جب تک جلتی رہی، صبح کا اُجالا اُس کی آڑ میں رہا۔ اُس کے بجھتے ہی آڑ چلی گئی تھی۔ صبح کا اُجالا دکھائی دینے لگا تھا۔ صبح کے سناٹے میں موٹر جانے کی آواز تھی۔ اُسے لگا اماں بس اسٹینڈ تک نہیں پہنچی ہوں گی اور بس چھوٹ گئی۔ وہ کچھ دیر اور کھڑی رہ گئی کہ رکشا لوٹ رہا ہوگا۔ اُس میں چھوٹو، اماں بھی ہوں گی۔ صبح کے اُجالے میں سب دُھلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ گیلے، دُھلے کپڑے سے پانی کی مہک آتی ہے۔ دُھلی ہوئی خوشبو، پیڑوں، سڑکوں، ہوا، مکان اور آکاش سے آ رہی تھی۔ وہ گھر آ گئی۔ بس میں اماں کو سامنے اچھی جگہ مل گئی تھی۔ چھوٹو، کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا۔ اماں کے ساتھ گھر جانے کی خوشی میں وہ بڑے بھائی، بھابی کے پاؤں چھونا بھول گیا تھا۔ رگھوور پرساد نے اماں کے پاؤں چھوئے۔ یہ دیکھ چھوٹو کو رگھوور پرساد کے پاؤں چھونے کی یاد آئی۔ اماں نے رگھوور کو مُٹھی میں دبا پانچ روپے کا نوٹ دیا۔

''رستے میں گرم جلیبی بن رہی تھی لوٹتے وقت ضرور لے لینا'' چھوٹو کو رگھوور پرساد نے ایک روپے کا سکّہ دیا۔ چھوٹو نے اماں کے پاس رکھ دیا۔ اماں نے کہا ''بڑا ہو گیا ہے اپنے پاس رکھ۔ پھر جھولے کے اندر نیچے سکّے کو ڈال دیا۔

''اچھی جگہ مل گئی تھی؟'' سونسی نے پوچھا۔

''ہاں کھڑکی کے پاس چھوٹو بیٹھ گیا۔ اماں نے پانچ روپے دئے تھے کہا تھا جلیبی لے لینا۔ جلیبی کا پوڑا پکڑاتے ہوئے رگھوور پرساد نے کہا۔ سونسی نہا چکی تھی۔ ایک گرم جلیبی اُس نے کھائی۔ رگھوور پرساد بھی ایک جلیبی کھائے۔ سونسی باورچی خانے کے کام میں لگ گئی۔ اتنے میں رگھوور پرساد کو دروازے کے پاس آہٹ ہوئی انہوں نے دروازہ کھولا تو دروازے کے پاس ٹائر کے گملوں کی تھوڑی آڑ میں سر جھکائے لڑکے کا دوا بیٹھا تھا۔ صبح صبح آ گیا تھا۔

''اندر آ جاؤ'' دھیرے سے رگھوور پرساد نے کہا۔

''ہو مہاراج'' کہہ کر جھکتے ہوئے وہ اندر آیا۔ رگھوور پرساد نے دروازہ اڑکا دیا۔

''ڈنڈا کہاں ہے؟ گھر چھوڑ آئے ہونا''

''یہاں ہے''

''کہاں؟''

دروازے پر رکھا ہے۔ سونسی دروازہ کھول کر ڈنڈا اندر لے آئی اور ایک کونے میں زمین پر ڈال دی۔ سونسی نے کھٹیا کی آڑ بنائی۔ لڑکے کے دوا کو اُس نے آڑ میں بٹھا دیا۔

''تم یہیں رہو۔ تمہارے لڑکے کو بلاتے ہیں'' سونسی نے کہا۔

''میں بُلا لاتا ہوں'' رگھوور پرساد نے کہا۔ وہ سیدھے گولر کے پیڑ کے نیچے گئے۔ پیڑ پر لڑکا تھا۔

''گھر نہیں گیا''

''نہیں''

''چل کچھ کھالے''

''روٹی ہے''

''روٹی ہے کہ نہیں یہ نہیں معلوم، پر جلیبی ہے'' جلیبی کا نام سن کر وہ دھپ سے پیڑ کودے جیسا نہیں کودا، گر گئے جیسے کودا۔ جلیبی ٹھیک نشانے پر اُسے لگی گولی تھی۔ روٹی نہ ہونے سے اُس کا من ڈانواں ڈول تھا۔ رات بھر کے بعد اپنے گھر بھی جانا چاہتا تھا۔ وہ اپنے ددا کو کیسے دیکھ نہیں پایا معلوم نہیں۔

''گر جاتا تو''

''کیسے گرتا'' رگھوور پرساد اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے کہ بھاگ نہیں جائے۔

''چل'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''سونسی؟'' رگھوور پرساد نے آواز دی۔ دروازہ بس اُڑکا یا ہوا تھا۔

اندر ہشیار کرنے کے لئے انہوں نے آواز دی تھی۔ سونسی نے دروازہ کھولا۔ لڑکے سے کہا ''اندر آجا'' رات بھر کا جاگا ہوا لگ رہا تھا۔ بالوں میں پھر بھی بہت تیل تھا، کنپٹی پر میل کے ساتھ جمع دکھائی دے رہا تھا۔

''نہا دھو کر کنگھی کر لیا کر۔ تیل کم لگایا کر'' سونسی نے کہا۔

کھٹیا کی آڑ میں اُس کا باپ چُپ چاپ بیٹھا سب سُن رہا تھا۔ اپنے لڑکے کو وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ کئی دنوں سے اپنے لڑکے کو اچھے سے دیکھ نہیں پایا تھا۔ کھٹیا سے جھانکنے کی خواہش ہو رہی تھی۔

''بیڑی پیا تھا؟'' سونسی نے کہا

''نہیں''

''رات کو پئے تھا؟''

''رات کو بھی نہیں پیا۔ جلیبی دونا'' دھیرے سے اُس نے کہا۔

''روٹی بھی ہے کھائے گا؟''

''جلیبی کھاؤں گا'' اُس نے جھجھک کر کہا۔

''اچھا دونوں کھالینا۔ سن! تیرا ددا بھی یہیں ہے۔ بھاگنا مت۔ وہ نہیں مارے گا اُس کے ساتھ گھر چلے جانا۔ کھٹیا کی آڑ میں ہے۔ سمجھ گیا''

ددا کے نام سے وہ چونک گیا۔ کہاں ہے کی نگاہ سے اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''نہیں ہے'' اُس نے کہا۔

''کہانا کھٹیا کے پیچھے ہے'' سونسی نے کہا۔

''ددا کھٹیا کے پیچھے سے جھانکا وہ بہت پیار سے اپنے لڑکے کو دیکھ رہا تھا۔

''جا چلے جا'' رگھوور پرساد لڑکے کو کھٹیا تک لے گئے۔ وہ اپنے بیٹے کو جھانک رہا تھا، ''آجا'' اُس نے کہا۔ پھر ہاتھ پکڑ کر کھٹیا کی آڑ میں اپنے پاس میں بٹھایا۔ اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس کے ہاتھوں میں تیل لگ گیا تھا۔ ہاتھ کے تیل کو اُس نے اپنے پاؤں میں رگڑ کر پونچھا پھر دونوں ہاتھ سے بال کے تیل کو پونچھ کر کبھی اپنے ہاتھ پر کبھی لڑکے کے ہاتھ پر چپڑ دیتا سر سے گمچھا نکال کر لڑکے کے مُنہ کو پونچھا۔

''ماں کنگھی ہوگی؟'' جھانک کر اُس نے سونسی سے پوچھا۔

''ہے'' سونسی نے کہا۔ رگھوور پرساد نے اپنی ایک چھوٹی کنگھی پونچھ پانچھ کر اُسے پکڑا دی۔ جب وہ کھٹیا کی آڑ میں اپنے لڑکے کی کنگھی کر رہا تھا تب سونسی نے آواز دی، ''آجا روٹی کھالے'' لڑکا جانے کو ہوا تو ددا نے روک جلدی جلدی اُس کی کنگھی کی۔

دو تھالی میں نکالا ہوا تھا۔ تھالی میں دو روٹی اور تھوڑا بھات تھا۔ دو جلیبی تھی۔ جلیبی دونوں میں تھی۔ رات کی بچی روٹی تھی۔ اماں نے کہا بھی تھا کہ کھانا زیادہ بن گیا ہے۔ باسی بچے گا۔ لڑکے کا ددا تامل کر رہا تھا۔ کھٹیا کی آڑ سے باہر نہیں آرہا تھ سونسی نے لڑکے سے کہا ''ددا کو بُلا لے''

''چل ددا کھالے'' لڑکے نے کہا۔ اُس کا ددا آیا۔ دونوں کھانے لگے۔ ددا نے اپنے حصے کی ایک جلیبی لڑکے کے دونے میں ڈال دی۔ لڑکے نے دو جلیبی بچالی تھی۔ رگھوور

پرساد کھٹیا کے پاس بیٹھے بیٹھے دونوں کو کھاتے دیکھ رہے تھے۔ سونسی نے اور روٹی دی۔ کھا پی کر جلیبی کا دونا لے کر لڑکا گھر جانے کے لئے نکل گیا۔ لڑکے نے پیڑ کے کھوکھلے سے پلاسٹک کی تھیلی میں رکھی ماچس اور بیڑی کا بنڈل اُوپر سے ڈالا۔ ''اے لے ددا'' لڑکے نے کہا۔ ڈال میں گٹھری بندھی تھی۔ اُس نے گٹھری نکالی۔ گٹھری کی آڑ میں ایک گلہری بیٹھی تھی جو چونک کر پیڑ کی ڈالیوں کی گلیوں میں بھاگ گئی۔ اُوپر سے اُس نے گٹھری چھوڑی تو ددا نے اُسے ہوا میں جھونک لیا۔ پیڑ کے کھوکھلے میں ایک خاکی پینٹ تھی، جو رات کے پانی سے گیلی ہوگئی تھی۔ اُسے لے کر وہ نیچے اُترا۔ پیڑ سے اپنی گرہستی اُس نے سمیٹ لی تھی کھوکھلے میں ایک اٹھنی تھی۔ گھر سے نکل کر وہ یہاں رہتا تھا۔ اب وہ اپنے گھر جارہا ہے۔ رستے میں اُس نے اٹھنی ددا کو دے دی۔ لڑکے نے گٹھری کو سر پر پہن لیا تھا۔ اُس وقت وہ بہت خوش تھا۔ اُس وقت نہ تو ایسی دھوپ تھی اور نہ پانی گر رہا تھا۔ ددا سے اُس نے جلیبی کا اپنا دونا مانگ لیا۔

گھر کا دروازہ بند تھا۔ ''دائی'' لڑکے نے کہا

''کاہے رے؟'' دائی نے کہا

''دروازہ کھول دائی''

''ددا کے آنے کا بیرا (وقت) ہے رے'' دائی نے کہا

دائی نے دروازہ کھولا۔ دائی نے دونوں کو دیکھا۔ آج کے دن جیسا نہیں دیکھا۔ بہت پہلے کا کوئی دن، یا آنے والا کوئی دن'' روز روز کا دن نہیں۔ لڑکے نے دائی کو دونا پکڑایا۔ ''دائی جلیبی لے لے'' دائی نے کہا۔ ''اندر چل'' پھر دائی نے لڑکے کے ددا کی طرف دیکھا کہ ایک دن ایسا ہی ہونا تھا۔ ایک دن آج کا دن ہو جائے گا۔ اُسے معلوم نہیں تھا لڑکے کو چپٹا کر وہ اندر لے گئی۔

کالج جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ سادھو نہیں آیا تھا۔ رگھوور پرساد ٹمپو سے کالج جانے

کے لئے نکلے۔ انہوں نے گولر کے پیڑ کو دیکھا کہ لڑکا وہاں نہیں ہوگا اور لڑکا وہاں اُن کو نظر آیا۔ اب کیوں آ گیا؟ بیڑی کی عادت چھٹی نہیں۔

''یہاں کیوں آ گئے؟ بیڑی پی رہے ہو؟ دادا کے ساتھ گھر گئے تھے نا؟''

''گھر سے آ گیا۔ بیڑی نہیں پی رہا ہوں'' بھولے پن سے لڑکے نے کہا۔

''نیچے اُترو'' لڑکا اُترا۔ رگھوور پرساد نے کہا، ''جیب دکھاؤ؟'' اُنہوں نے جیب کی تلاشی لی۔ جیب میں کچھ نہیں تھا۔ جیب کی تلاشی لے لی تھی۔ پیڑ کی تلاشی نہیں لی تھی۔ وہ بھول گئے کہ کالج جانا ہے۔ موتی ڈالیوں والا پیڑ چڑھنے میں آسان تھا۔ وہ چڑھ گئے۔ نیچے جھانک کر دیکھا کہ لڑکا بھاگ تو نہیں گیا۔ لڑکا کھڑا تھا۔ پیڑ کا ایک کھوکھلا رگھوور پرساد کو دکھائی دیا کہ یہی ہوگا۔ وہ لانبے تو تھے۔ پیڑ کے کھوکھلے کے اندر ہاتھ ڈال کر انہوں نے ٹٹولا۔ کھوکھلا گیلا تھا۔ گیلی بیڑی کا اور ایک گیلے کاغذ کا ٹکڑا بھی تھا اور کچھ نہیں تھا۔ یہ سب کرنے میں اُنہیں مزہ آ رہا تھا۔ وہ ایک کھیل کی طرح یہ کھیل رہے تھے۔ ایک ڈالی پر بیٹھ کر اُنہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک چڑیا کا گھونسلا تھا۔ گھونسلے میں وہ اپنی کوئی چیز رکھ دینا چاہتے تھے۔ کیا رکھیں، اُنہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ٹمپو میں جانے کے لئے کچھ ریزگاری تھی۔ ایک چونی ڈال دیں؟ چڑیا چونی دیکھ کر کیا سوچے گی۔ غصہ ہو کر اپنا گھونسلا ہی نہیں چھوڑ دے۔ اُن سے رہا نہیں گیا۔ گولر کی ایک پتی اُنہوں نے توڑی اور گھونسلے کے اندر دھیرے سے رکھ دی۔ اُس میں چڑیا نہیں تھی۔ انڈے بچے بھی نہیں تھے۔ پیڑ کے کھوکھلے میں اُنہوں نے ایک چونی ڈال دی۔ دوبارا چونی انہوں نے ٹٹولی تو اُنہیں نہیں ملی۔ وہ نیچے اُتر آئے۔ رگھوور پرساد نے بیڑی کا ٹکڑا لڑکے کو دِکھایا اور کہا ''یہ کھوکھلے میں تھا'' لڑکے نے کہا کہ پہلے کی بیڑی ہے رگھوور پرساد نے ہوشیاری سے گیلے کاغذ کی تہہ کو کھولا کہ پھٹ نہ جائے۔ شری کرشن کی تصویر تھی۔ کرشن جی گائے کے پاس کھڑے تھے۔ تصویر کو لڑکے نے لے لیا۔ رگھوور پرساد کچھ کہتے کہ لڑکا پیڑ پر چڑھ گیا۔ لڑکے نے چلا کر کہا، ''ہاتھی آ رہا ہے''

رگھوور پرساد نے لڑکے سے کہا، ''کھوکھلے میں، میں نے ایک چونی ڈال دی ہے ڈھونڈ کر لے لینا'' ڈھونڈ کر لے لینا اس لئے کہا تھا کہ رگھوور پرساد نے ڈھونڈا تھا اور اُنہیں نہیں ملی تھی۔ ''ہے'' لڑکے نے چلا کر کہا۔

رگھوور پرساد نے ہاتھی کو دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر وہیں رُک گئے کہ ہاتھی اُن کی طرف آرہا ہے۔ ہاتھی اس طرح آرہا تھا جیسے بیمار تھا۔ سادھو کے بیمار ہونے کی وجہ سے ہاتھی احتیاط سے چل رہا ہو اس لئے بیمار لگا۔

لڑکا پیڑ سے اُتر کر یہ بتانے چلا گیا کہ رگھوور پرساد ہاتھی سے گئے۔ لوٹ کر وہ پھر پیڑ پر بیٹھ گیا۔ وہ پیڑ پر چھپنے کے لئے نہیں بیٹھا تھا۔ کشادہ دل تھا ایک بند پیڑ سے باہر نکل کر کشادہ اور پھیلے پیڑ پر۔ ہوا سے ڈالیاں جھوم رہی تھیں۔ وہ بھی جھوم رہا تھا۔ اُسے دور ددا گائے چراتے ہوئے دکھائی دیا تو وہ پھر پیڑ سے اُترا اور اپنے ددا کے پاس چلا گیا۔

''سنو!'' رات کو رگھوور پرساد نے سونسی سے کہا۔

''کیا ہے؟''

''سادھو ہاتھی کو بٹھانے کے لئے بیٹھ بولتا ہے اور کھڑا ہونے کے لئے مَل''

''ہاں مجھکو معلوم ہے چلنے کے لئے ہی ملی بولتا ہے''

''چلنے کے لئے کچھ اور بولتا ہوگا''

''سادھو نے ملی کہا تھا''

''تو کیا کھڑے ہونے کے لئے کچھ اور بولتا ہوگا؟''

''ملی ٹھیک ہے۔ بیٹھا ہوا ہاتھی ملی کہنے سے کھڑا ہو جائے گا پھر ملی کہنے سے کھڑا ہوا ہاتھی چلنے لگے گا''

''میں دھیان دوں گا''

''کل تم سادھو سے پوچھ کر ملی کہنا۔ ہاتھی تمہارا کہنا ماننے لگے تو ہم کو آگے دقت

نہیں ہوگی۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ صرف سادھو کی بات مانے۔"

"بول کر دیکھنا۔ کہنا مان لے تو اچھا ہے۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ ہاتھی میرا کہنا مانے گا۔ میں اُسے کھڑے ہونے کے لئے کہوں راہ چلتا کوئی آدمی تب شرارت سے اُسے بیٹھنے کے لئے کہہ دے تب تو وہ بیٹھ جائے گا۔ کوئی دوسرا کھڑا ہونے کے لئے کہہ دے تو بھی کھڑا ہو جائے گا۔ ہاتھی اس طرح اُٹھ بیٹھ کرتا رہے گا کتنی مشکل ہوگی۔"

پھر بھی تم کوشش کرنا۔ ہم لوگ اتنی آسانی سے کہاں جان پائے کہ ملی کہنے سے ہاتھی چلتا ہے۔ سادھو صاف نہیں بولتا تھا۔ کئی بار تو بُد بُداتا تھا۔

سادھو کمزور اور دُبلا ہو گیا تھا۔ وہ ہاتھی سے آنا جانا کر رہا تھا۔ اُسے اپنی طاقت سے ہاتھی کی طاقت پر بھروسہ تھا۔ اُسے یقین تھا کہ کچھ نہیں ہوگا۔ کالج جاتے وقت سادھو ٹمپو اسٹینڈ پر رُکا۔ ہاتھی سے اُتر کر وہ پان کی دُکان پر چلا گیا۔ ہاتھی پر بیٹھے رگھوور پرساد نے سوچا کہ یہ موقع ہے، وہ ہاتھی کو بیٹھ بول دیں تو ہاتھی بیٹھ جائے گا ہاتھی کے بیٹھ جانے سے اُنہیں خطرہ نہیں تھا ہاتھی کی گدی پر بیٹھے ہوئے اُنہوں نے اپنے کو تیار کیا کہ جب ہاتھی بیٹھے تو وہ گریں نہیں۔ اُنہیں یقین تھا کہ بیٹھ کہنے سے وہ بیٹھ جائے گا اور بیٹھ بیٹھنے سے ملتا جلتا بھی تھا۔ بیٹھ کا مطلب حملہ کرنا تو ہوگا نہیں۔ آگے جھک کر کہ ہاتھی کے کان کے پاس کہہ سکیں اور آس پاس کھڑے لوگ نہ سنیں اُنہوں نے دھیرے سے بیٹھ کہا۔ زور سے دوبارا کہا۔ ہاتھی نے سنا نہیں۔ اگر سنا ہوتا تو اس نے رگھوور پرساد کا کہنا نہیں مانا۔ رگھوور پرساد آگے کھسک کر ہاتھی کی گردن پر آگئے، جہاں سادھو بیٹھتا تھا۔ جھک کر انہوں نے ہاتھی کے کان میں بیٹھ کہا۔ ہاتھی نہیں بیٹھا۔ وہ نا امید ہو گئے۔ سادھو کے آنے کے پہلے پیچھے کھسک کر گدی پر آگئے۔

انہوں نے سونسی سے کہا ''سادھو جس طرح بیٹھ کہتا ہے اُسی طرح انہوں نے کہا تھا۔ ان کا تلفظ ٹھیک تھا ہاتھی نے ان کا کہنا نہیں مانا۔'' سادھو سے وہ یہ سب سیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اگر سیکھ لیتے تو یہ طے تھا کہ سادھو ہاتھی اُن کے سپرد کر لمبے عرصے کے لئے بنارس چلا جاتا۔

''اب کی بار سادھو جب تمبا کو کھانے اُترے تب ملی کہہ کر دیکھنا کہ ہاتھی چلتا ہے یا نہیں'' سونسی نے کہا۔ ''چلنے لگے گا تو روکنے کے لئے اُسے کیا کہوں گا'' روکنے کے لئے سادھو کیا کہتا ہے، مجھے نہیں معلوم۔''

''تم بیٹھ بول دینا۔ بیٹھ جائے گا تو رُک جائے گا'' سونسی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلتے چلتے بیٹھے گا تو گر جائے گا۔''

''رُک کر بیٹھے گا۔ ہم چلتے چلتے رک کر بیٹھتے ہیں ویسے ہی۔''

''ہاتھی جتنا سمجھدار ہے اتنا ہی فرماں بردار بھی ہے۔ وہ حکم برداری کی سمجھداری کرتا ہے۔ رُکے گا نہیں چلتے چلتے بیٹھ جائے گا۔''

''سنو ہاتھی جب بیٹھا ہوتا ہے تو ملی کہہ کر اُسے کھڑا کرتے ہیں۔ اُسی طرح اگر ہاتھی چل رہا ہو تو ملی کہہ کر اُسے کھڑا نہیں کر سکتے؟''

''ہاں یہ ہوسکتا ہے تو کیا ملی کے تین مطلب ہوں گے ملی یعنی اُٹھ کر کھڑا ہونا، ملی یعنی چلنے لگنا اور ملی یعنی رُک جانا۔''

''مجھے بھی لگتا ہے کہ ملی کے تین مطلب ہوں گے اگر نہ بھی ہوئے تو تمہارے کہنے سے جب ہاتھی چل پڑے گا تو سادھو دوڑے گا اور چلا کر رُکنے کا حکم دے گا اس طرح ہاتھی رُک جائیگا۔''

''سادھو بیمار ہے وہ دوڑ نہیں سکے گا''

''ہاں میں بھول گئی تھی''

''سادھو کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اُس کو بغیر بتائے ہم ہاتھی کو حکم دے رہیں تو سادھو کو بُرا لگے گا میں تو چاہتا ہوں کہ کسی وجہ سے ہاتھی ہماری ذمہ داری ہو جائے تو ہم پورا کرسکیں۔'' کالج سے لوٹتے وقت سادھو ٹمپو اسٹینڈ میں ایک دن رُکا۔ رگھوور پرساد کی خواہش ہوئی کہ اب کی بار ہاتھی سے چلنے کے لئے ملی کہیں۔ سادھو تمبا کو لینے گیا تو وہ ہاتھی کی گردن پر کھسک گئے۔ ملی اُنہوں نے کہا کئی بار کہا۔ پھر نا اُمید ہو گئے۔

پڑوسی ابھی تک نہیں آئے تھے۔ رگھوور پرساد نے پاخانے کا تالا نکال لیا تھا۔ تالا لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مکان مالک کو اُنہوں نے بتایا ''پاخانے کا تالا میں نے نکال لیا ہے''

''ٹھیک ہے'' مکان مالک نے کہا۔

''پاخانے کا کرایہ تو نہیں دینا ہوگا''

''کیوں دینا ہوگا؟''

''پڑوسی اتنے دنوں سے نہیں آئے، کب آئیں گے؟''

''معلوم نہیں'' مکان مالک نے کہا۔

آٹھ روپے مہینہ کی بچت ہو جانے سے سونسی خوش تھی۔ پاخانے کے تالے اور چابی کو رگھوور پرساد نے صابون سے دھو کر دھوپ میں باہر رکھ دیا تھا کہ زنگ نہ کھائے۔

''تالا چابی پتاجی کو دے دیں گے۔ پہلے یاد آتی تو اماں کے ہاتھ سے بھجوا دیتے۔ ہر بار تالا دینا بھول جاتے ہیں'' رگھوور پرساد نے کہا سونسی گرہستی میں رم گئی تھی۔ رگھوور پرساد پڑھائی کر رہے تھے۔ سونسی برتن مانجھ رہی تھی۔ رگھوور پرساد نے اُسے کہتے ہوئے سنا، ''ابھی جری کی بھانجی بنالیتی ہوں شام کو ڈنٹھل کاٹ کر بنالوں گی'' تھوڑی دیر بعد اُس کا من بدل گیا۔ ''ابھی ڈنٹھل بنالوں گی'' تب رگھوور پرساد نے سونسی سے پوچھا

''تم کیا کہہ رہی تھی؟''

''کچھ تو نہیں'' سونسی نے کہا

''سونسی! ابھی تم جری کی ڈنٹھل بنا رہی ہو نا''

''ہاں'' اُس نے کہا

''تم کو کیسے معلوم؟''

''معلوم ہے''

''تھوڑی دیر بعد رگھوور پرساد نے سنا۔ دیکھو جھاڑو لگ گئی پر پونچھا لگانا بھول گئی۔''

''تم جھاڑو لگالی ہو اور پونچھا لگانا بھول گئی۔ اب تو تم پونچھا لگاؤ گی تو تم دوبارا نہاؤ گی یہی سوچ رہی تھی نا۔ ایسا کرو تم پونچھا مت لگاؤ''

''ہاں میں تو یہی سوچ رہی تھی، پر تم کو کیسے پتہ چلا؟''

''ایسے ہی'' جادوگر کی طرح رگھوور پرساد نے کہا۔

''اب میں جو سوچوں گی تو مجھ کو بتا دو گے؟''

''ہاں بتا دوں گا۔ پر ابھی نہیں جب بتانا ہو گا تب''

''چوڑی والی نکلے گی تو اس سے آج چوڑی لوں گی۔'' سونسی نے کام کرتے کرتے کہا۔ رگھوور پرساد کو لگا کہ اُن سے کہا گیا ''کیا بولی؟'' رگھوور پرساد نے پوچھا۔

''کچھ تو نہیں؟ مشغول سونسی نے کہا۔

''سنو! آج دوپہر کو چوڑی والی سے تم چوڑی خرید لینا۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''میں یہی سوچ رہی تھی'' ایک بچی کی طرح حیرت زدہ وہ کھڑی تھی۔

''تم کو کہتی ہوں تو تم لاتے نہیں'' اُس نے کہا۔

''تمہارا ایک آنا دو آنا والا چوڑی کا ناپ مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ تم ساتھ رہو گی

تب لیں گے۔"

کچھ دیر بعد کام کرتے کرتے سونسی نے کہا، "میں آج چوڑی لے لوں گی"

رگھوور پرساد نے اسے سنا وہ سمجھ گئے کہ سونسی نے اُن سے نہیں کہا تھا، اپنے سے کہا تھا۔

"چوڑی والے سے آج چوڑی لے لوگی تو ٹھیک رہے گا" رگھوور پرساد نے سونسی کے من کی بات کہی۔

"تم میرے من کی بات مت سنو۔ من کی بات پر دھیان دو گے تو اپنی پڑھائی نہیں کر پاؤ گے۔" سونسی آٹا گوندرہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ رگھوور پرساد پڑھ رہے تھے اس لئے وہ رگھوور پرساد سے بات نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ رگھوور پرساد سے پوچھے کہ بجلی کے کھمبے کے نیچے لڑکوں کو پڑھاتے پڑھاتے بہت تھک جاتے ہوں گے۔ آج سڑک کی روشنی چلی جائے تو؟ دیر رات تک لڑکوں کو پڑھاتے ہیں اس لئے بستر پر لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے۔ رگھوور پرساد ٹھنڈی پر ہاتھ دھرے سونسی کو آٹا گوندتے ہوئے اور سوچتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے بھی سوچا کہ آج رات لڑکوں کو چھٹی دے دیں گے۔ انہوں نے سونسی سے کہنا شروع کیا "میں آج کی رات....." اس کے آگے کا جو کہنا چاہتے تھے وہ سونسی کے منہ سے نکلا "..........لڑکوں کو چھٹی دے دوں گا۔

اس کے آگے کا رگھوور پرساد نے کہا جو سونسی کہنا چاہتی تھی، "آج رات.........." رگھوور پرساد پورا کہہ پاتے کہ سونسی نے جلدی سے کہہ دیا "جاگیں گے" "یہی کہنا چاہتے تھے نا"

"ہاں یہی کہہ رہا تھا پر کچھ اور بھی کہتا"

اس کے بعد سونسی نے چپکے سے سوچا، چوڑی ابھی نہیں خریدنے بعد میں خرید لیں گے۔ اُس نے چپکے سے سوچا تھا اس لئے رگھوور پرساد نے نہیں سنا۔ کلینڈر جو ہوا میں پھڑ پھڑا

رہا تھا اس سے اگلے مہینے کی تاریخ دکھا جاتی تھی۔ آنے والے دن نظر آجاتے تھے۔ حال کا عیش اتنا تھا کہ مستقبل آگے متوقع سارستے میں پڑا رہتا۔ جب تک وہاں پہنچوں تو لگتا خود بے چارا رستے سے ہٹ کر اور آگے چلا گیا۔

رگھوور پرساد نے کتاب بند کردی۔ ایسے اُٹھے کہ خواب میں اُٹھے ہوں۔ سونسی کو رگھوور پرساد کے خواب میں جانے کی آہٹ ہوئی ہو یا گمان ہوا ہو وہ آٹے کا ہاتھ دھو چکی تھی۔ باورچی خانے کے کپڑے سے اُس نے ہاتھ پونچھ لیا تھا اور وہ بھی خواب میں چلی گئی۔ دو قدم رگھوور پرساد کی طرف خود چلی تو دو قدم رگھوور پرساد کے سہارے چلی اس کا من ہوا رگھوور پرساد اُسے لے کر چلیں۔

''سنو تم چوڑی والے سے ضرور چوڑی خرید لینا'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''کتنا بھی سنبھالو، ٹوٹ جاتی ہے'' اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ہوسکتا ہے چوڑیوں کا رواج ایک عاشق سے بنا ہو کہ محبوبہ کو کچھ کام نہ کرنا پڑے اور چوڑیاں ٹوٹ جانے سے بچیں۔

''جاتے جاتے پیڑ والے لڑکے سے کہہ دینا کہ دوپہر کو چوڑی والا نکلے تو روک لے۔ میں اندر رہتی ہوں پتہ نہیں چلتا۔''

''پیڑ پر لڑکا ہوگا تو کہہ دوں گا''

رگھوور پرساد نے دیکھا کہ لڑکا پیڑ پر تھا۔

''کیا کر رہے ہو؟'' رگھوور پرساد نے پوچھا۔

''کچھ نہیں''

''دوپہر کو چوڑی والی نکلے گی تو اُسے روک لینا اور سونسی کو بتا دینا''

''ہو روک دوں گا''

''چونی نکالے تھے؟'' ''ہو، نکالا تھا''

''کھو کھلے میں رکھنے کے لئے ایک سلیٹ پٹی اور قلم لا دوں؟ تم اوپر بیٹھے بیٹھے پڑھنا نیچے بیٹھے سونسی تم کو پڑھا دے گی۔

تمہارے ساتھ پیڑ کی گلہری اور کوا بھی پڑھ لے گا۔

''میں نہیں پڑھوں گا'' لڑکے نے کہا

''بیڑی پئے تھے؟'' ''نہیں پیا تھا'' رگھوور پرساد چلے گئے۔

پتا جی کی چٹھی آئی۔ سونسی کو گاؤں بلایا تھا۔ دو دن گاؤں میں رہ کر پھر وہ میکے چلی جائے گی۔ پتا جی کا کہنا تھا کہ رگھوور پرساد اُسے میکے تک چھوڑ آئیں۔ سونسی بہت خوش تھی۔

''رات کو رگھوور پرساد نے سونسی کا ہاتھ دیکھ کر پوچھا ''چوڑی والی نہیں آئی؟''

''ہاں نہیں آئی۔ خالی ہاتھ دیکھ کر اماں غصہ ہوں گی۔ کل پہن لوں گی''

''ابھی اتنی جلدی نہیں جائیں گے۔ امتحان سر پر ہے''

''ایسا کرو اس اتوار کو گاؤں چھوڑ دو پھر دوبارا آ کر میکے چھوڑ دینا''

''بار بار آنے جانے سے بہت پیسے خرچ ہوں گے''

''اچھا گاؤں چھوڑ کر آ جانا۔ وہاں سے کوئی لے جائے گا''

''تم مجھکو چٹھی لکھو گی؟''

''ہاں لکھوں گی۔ پہلے کبھی نہیں لکھی کیا لکھوں گی؟''

''راضی خوشی''

''میں تم کو کیا کہہ کر لکھوں گی؟''

''جو اچھا لگے''

''اماں، پتا جی کو کیا کہتی تھیں، معلوم ہے؟''

''نہیں''

''مالک''

''تم مجھ کو مالک مت لکھنا''

''میری سہیلی اپنے شوہر کو شری مان جی لکھتی تھی''

''نہیں، شری مان جی مت لکھنا''

''تم پہلے لکھنا''

''تم پہلے لکھنا''

دونوں چُپ ہو گئے۔ سونسی سوچ رہی تھی کہ رگھوور پرساد اگر دونوں ہاتھ سے چٹھی لکھیں گے تو پہچان جائے گی کہ بائیں ہاتھ سے اتنا لکھا ہے اور داہنے سے اتنا۔ وہ بائیں اور داہنے ہاتھ کی تحریر کو پڑھتے ہوئے جیسے رگھوور پرساد کو گلے لگاتے پڑھ رہی ہوگی۔

''چٹھی کا کوئی ٹھکانہ ہے۔ پانچ چھ دن میں چٹھی پہنچتی ہے'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''جب بھی وقت ملے گا میں کسوٹی کے پتھر پر جا کر لیٹ جاؤں گا اور آکاش کو دیکھتا رہوں گا۔''

''میں بھی کھڑکی سے تمہارے دیکھے ہوئے آکاش کو دیکھ لوں گی۔'' رگھوور پرساد کا آکاش دیکھنا رگھوور پرساد کا چٹھی لکھنا ہوگا۔ چاند سونسی کے لئے لکھا ہوا القاب ہوگا۔ تاروں کی تحریر ہوگی جسے فی الفور سونسی پڑھ لے گی۔ رگھوور پرساد کسوٹی کے پتھر پر لیٹ کر ایک بڑا آکاش دیکھیں گے۔ بڑا آکاش، لمبی چٹھی ہوگی۔ سونسی کھڑکی سے چھوٹا آکاش دیکھے گی تو چھوٹی چٹھی ہوگی۔ آکاش ایک دوسرے کو لکھی چٹھی ہوگی۔

کچھ ایک دن سے سادھو نہیں آرہا تھا۔ رگھوور پرساد ٹمپو سے آنا جانا کر رہے تھے۔ کالج سے وہ جلدی لوٹے تھے۔ گھر نہیں گئے۔ سیدھے خیرا گڑھ باڑا چلے گئے۔ خیرا گڑھ باڑا اُجاڑ جگہ تھی۔ ایک ہزار مکان تھا۔ اس کے دالان میں گھٹنے پر سر رکھے سادھو بیٹھا تھا۔ مکان کے آس پاس چھپر کے بنگلوری کھپڑے ٹوٹے بکھرے پڑے تھے۔ کھڑکی دروازے کے پلّوں کو اُکھاڑ کر چُرا لیا گیا تھا۔ مکان کے چاروں طرف اِدھر اُدھر گھنی جھاڑیاں تھیں۔

پہلے ان جھاڑیوں کا ترتیب وار گھیرا ہوگا۔

رگھوور پرساد کو دیکھ سادھو خوش ہوا۔ اُٹھ کر اس نے رگھوور پرساد کو بوڑے پر بیٹھایا۔

''طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟'' رگھوور پرساد نے پوچھا۔

''اب ٹھیک ہے۔ وید کی دوائی سے فائدہ ہوا ان کا لڑکا دوائی دے جاتا ہے۔ میں اچھا ہوں۔ کہیں بھی جا سکتا ہوں۔ ہاتھی کے پاؤں میں بھی گھاؤ ہو گیا تھا۔ وہ بھی ٹھیک ہے۔ گھاؤ کو میں نے لوہے کی چھڑ سے داغ دیا تھا''

رگھوور پرساد ہاتھی کے پاس گئے تو سادھو بھی آ گیا۔ پاؤں کے ناخن کے پاس گھاؤ تھا۔ کیسے لگا ہوگا۔ رگھوور پرساد نے سوچا۔

''زنجیر سے کیسے باندھتے ہو؟'' رگھوور پرساد نے سب سمجھنے کے لئے پوچھا تھا۔

''زنجیر میں اکوڑا ہے پھانس دیتا ہوں۔'' سادھو نے کہا۔

''میں جاتا ہوں''

''ہاتھی سے چھوڑ دیتا ہوں۔ اب ٹھیک ہے، ہاتھی اس پاؤں پر زور کم دیتا ہے۔''

''میں چلا جاتا ہوں''

رگھوور پرساد ہاتھی کے اور پاس گئے۔ وہ اسے تھپتھپانا چاہتے تھے۔ پر نہیں تھپتھپایا کہا۔

''زنجیر سے بندھا ہونے سے بے فکری ہوتی ہے''

''ہاں زنجیر بندھا ہونے سے بے فکری ہوتی ہے'' سادھو نے کہا۔

رات نہیں تھی۔ کمرے میں تھوڑا اندھیرا ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی۔ کھڑکی سے باہر ابھی اُجالا تھا۔ کھڑکی کی چوکھٹ پر گوریا کا ایک جوڑا آ کر بیٹھ گیا تھا۔ کچھ اور گوریا لائن سے چوکھٹ پر بیٹھ گئی۔ دونوں، کھڑکی سے اس پار جانے کو تھے، رُک گئے۔ کچھ چڑیوں کا

منہ کمرے کی طرف تھا۔ کچھ کا باہر تھا۔ کھڑکی سے جانے کو کرتے تو چڑیا اُڑ جاتی۔

''تھوڑی دیر رُک جاتے ہیں'' سونسی نے، رگھوور پرساد سے کہا۔

''ہاں رُک جاتے ہیں۔''

''کمرے کی روشنی جلا دوں؟''

''شاید دن کا تھوڑا اُجالا کمرے میں ابھی تک ہے۔ جب تک رہتا ہے تب تک روشنی نہیں جلاتے۔''

''اب جلا دوں؟'' تھوڑی دیر بعد سونسی نے پوچھا۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے دونوں چُپ چاپ سٹ کر کھڑے تھے۔ کہ ان کے ہلنے ڈولنے سے چڑیا نہ اُڑ جائے۔ آکاش میں ابھی دن کا اُجالا تھا۔ کمرے سے دن کا پورا اُجالا سچ مُچ چلا گیا ہے اس کا انداز رگھوور پرساد نہیں کر پا رہے تھے۔

''شاید دن کا اُجالا چلا گیا''

''ہاں مجھے بھی لگتا ہے'' سونسی نے کھٹکا دبایا تو چڑیا فُرّ سے اُڑ گئی جیسے روشنی نے اُڑا دیا ہو۔ جن چڑیوں کا منہ اندر کی طرف تھا پہلے وہ کمرے کے اندر اُڑ آئی پھر کھڑکی سے باہر چلی گئی۔

کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے رگھوور پرساد نے دروازہ کھولا۔ ویدکا لڑکا تھا جو سادھو کا ساتھی آدمی تھا۔

''سادھو بنارس چلا گیا ہے'' اس نے کہا۔

''کب؟''

''دوپہر کو''

''اور ہاتھی؟''

''وہیں بندھا ہوا ہے''

''ساد ھو کو اُٹھا لے گئے''

''اور ہاتھی کو؟'' ہاتھی کو بھی اُٹھا لے جاتے رگھوور پر ساد کہنا چاہتے ہوں گے۔

''ہاتھی چھوڑ گئے۔ آپ کو بتانا چاہئے اس لئے بتانے آ گیا۔ میں سادھو کو دوائی دینے گیا تھا۔ اب دوائی بے کار ہو گئی'' وہ چلا گیا۔

رگھوور پر ساد اور سونسی دروازہ کھولے کھڑے رہے۔ پتہ نہیں پیڑ پر لڑکا بیٹھا ہے یا نہیں۔

''میں ہاتھی کو دیکھ آؤں؟'' کچھ دیر بعد رگھوور پر ساد نے کہا۔

''ابھی رات کو، کل صبح چلے جانا''

''ابھی دیکھ لیتا ہوں''

''میں بھی چلوں؟''

''تم کیا کرو گی جا کر، یہیں رہو۔''

''ہاتھی ہمارے گھر کے سامنے چھوڑ جاتا'' پتنی نے کہا۔

''اُسے اچانک جانا پڑا ہو گا۔ ہاتھی اس نے چھوڑا نہیں، چھوٹ گیا۔ نہیں تو گھر کے سامنے چھوڑ جاتا۔ جا رہا ہوں۔''

''پیڑ پر لڑکے کو دیکھ لینا۔ جاگ رہا ہو تو ساتھ لے جانا۔ ہاتھی بھوکا ہو گا تو پیڑ کی ڈالی کاٹ دے گا۔ ہنسیا دوں؟''

''نہیں پہلے دیکھ تو لوں۔ اگر ہو گا تو ہنسیا لے جائے گا۔''

پیڑ پر لڑکا نہیں تھا۔ پیڑ کے نیچے جا کر انہوں نے آواز دی۔ ایک پرندہ پھڑ پھڑا کر ان کی آواز سے اُڑ کر بھاگ گیا شاید اُلو تھا۔ اُلو نہ بھی ہو، اُلو کے شکار کا یہ وقت ہے۔ جس پرندے کے گھونسلے میں انہوں نے ایک پتی رکھی تھی، کیا وہ اُلو کا گھونسلا تھا۔ اُس گھونسلے میں چونّی ڈالتے ڈالتے رہ گئے تھے۔ اب کی بار چونّی ڈال دیں گے۔ دیکھیں گے

کتنے دنوں تک وہاں چونی رکھی ہے جیسے گلک میں جمع کرتے ہیں۔ضرورت پڑنے پر بھی کی سواری کے گھونسلے سے اپنی چونی لے آئیں گے۔

وہیں سے انہوں نے سونسی سے کہا، ''نہیں ہے۔'' انہوں نے دھیرے سے چلایا تھا پھر رات کے سناٹے میں ''نہیں ہے'' دور تک چلا گیا۔سونسی سے بھی بہت آگے گیا۔سونسی تو یہ جان گئی کہ پیڑ پر لڑکا نہیں ہے۔ایک آدمی جو اپنے گھر کے سامنے بیٹھا تھا، ''نہیں'' کو اُس نے بھی سُنا۔سُن کر وہ فطری طور پر بول پڑا تھا ''کون نہیں ہے؟''

رگھو ور پرساد خیر اگڈھ باڑا کی طرف چل پڑے تھے۔سونسی گھر کے اندر چلے گئی تھی۔ ''کون نہیں ہے؟'' یہ رگھوور پرساد نے سُنا ہے کہ شاید اُسے کہا گیا ہے۔اس لئے اُس نے پوچھا۔اُس آدمی کو کون نہیں ہے کا جواب نہیں ملا تھا۔اُسے تجسّس تھا کہ جو نہیں ہے اس کو وہ جان جاتا۔اُس آدمی کو نیند نہیں آرہی ہوگی۔رات کے سناٹے میں وہ اکیلا پن محسوس کر رہا ہوگا۔اُس سے رہا نہیں گیا۔اُس نے زور سے پوچھا ''کون نہیں ہے بھائی؟'' وہ نہیں جانتا تھا کہ کون نہیں ہے اور اُس نے کس کے لئے کہا تھا۔اُس نے سنا یا نہیں پر یہ تو تھا جس نے ''نہیں ہے'' کہا تھا اُسی سے پوچھا تھا۔اگر وہ جان جاتا تو کیا ہوتا۔وہ یہ جاننا چھوڑ سکتا تھا۔وہ اِدھر اُدھر دیکھتا لمبے سناٹے میں سکڑا بیٹھا ہوا تھا۔وہ اُٹھا اور دبے پاؤں گھر کے اندر چلا گیا تھا۔وہ جوان، ادھیڑ یا بوڑھا ہو سکتا تھا۔اس کی طبیعت ٹھیک بھی ہو سکتی تھی۔

رگھوور پرساد کو جگہ جگہ اس رات کے اندر، مکانوں، پیڑوں کے اِردگرد گھرے اندھیرے کے دھبّے نظر آئے تھے۔پیڑ کے نیچے جھونپڑی کے اوپر ایک بڑا گھرے اندھیرے کا دھبہ نظر آیا۔کھپرے کے چھپّر پر ہاتھی جیسا دھبہ تھا۔اندھیرے دھبّے کا بھار نہیں تھا،نہیں تو چھپر ٹوٹ جاتا اور جھونپڑی کھسک جاتی۔اچھا تھا کہ اُجالے کا بھی بھار نہیں تھا۔ اندھیرے کے بعد کچھ اُجالے میں جو جہاں دکھائی دے رہا تھا وہ اُجالے کے ذریعہ قائم کردہ دکھائی دیتا تھا۔اگر اُجالے میں ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی نظر آئی تو وہ بھی اجالے کے ذریعہ

قائم کردہ ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی دکھائی دیتی۔اُجالے میں غیر متحرک کی طرح۔

خیرا گڑھ باڑے میں اور اندھیرا لگ رہا تھا۔بہت زیادہ اندھیرے کی طرح نظر آتے کھنڈر، پیڑ، جھاڑی اور ہاتھی کو رگھوور پرساد دیکھ رہے تھے۔وہ ہاتھی کی طرف بڑھے۔ ہاتھی رگھوور پرساد کی آہٹ کو پہچان گیا ہوگا۔زنجیر سے بندھا تھا۔آس پاس برگد کی ڈالی بکھری تھی۔رگھوور پرساد ہاتھی کے سامنے تھے۔ہاتھی رگھوور پرساد کے پاس بڑھنا چاہتا تھا۔زنجیر پیچھے کے پاؤں میں تھی۔رگھوور پرساد پیچھے گئے۔ہاتھی کے زنجیر والے پاؤں کے پاس وہ ہمت کر پھنسے ہوئے اُکوڑے کو نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ہاتھی کا پاؤں تنا ہوا تھا، اسلئے اکوڑا اکڑا تھا۔نکل نہیں پا رہا تھا۔سامنے کے پاؤں میں زنجیر بندھی تو کھولنے میں ڈر لگتا کہ سونڈ سے پکڑ نہ لے۔پاؤں تھوڑا ڈھیلا ہوا۔ہاتھی پیچھے گھومنا چاہتا ہوگا۔رگھوور پرساد نے زور لگا کر اکوڑے کو نکال دیا۔وہ پیچھے ہٹ گئے۔ہاتھی اب بندھا ہوا نہیں تھا۔رگھوور پرساد پیچھے اور ہٹے۔وہ ہاتھی کے سامنے آئے۔پھر لوٹ پڑے کہ ہاتھی ان کے پیچھے آجائے گا۔

اُس ایک ہاتھی کو کھول دینے کی اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ اندھیرے میں ادھر اُدھر اُن کے آگے پیچھے اندھیرے کا آزاد ہاتھیوں کا جلوس نکلا ہوا لگ رہا تھا۔تب بھی وہ پیچھے مُڑ کر دیکھ لیتے تھے کہ ہاتھی اُن کے پیچھے آرہا ہے کہ نہیں۔تھوڑی دیر تک تو ان کو لگا کہ ہاتھی اُن کے پیچھے آرہا ہے۔وہ تیزی سے گھر کی طرف بڑھ گئے۔سونسی نے فوراً دروازہ کھول دیا تھا۔اندر آکر انہوں نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے ہاتھی کو کھول دیا ہے، وہ خوش تھے۔

’’کیوں کھول دیا؟‘‘

’’بندھا تھا، اس لئے۔کب تک بندھا رہتا‘‘

’’وہاں جا کر اس کی دیکھ بھال کر لیتے۔‘‘

''وہاں جا کر دیکھ بھال کرتے نہیں بنتا۔ ہو سکتا ہے ہاتھی یہاں آجائے۔ یہاں دیکھ بھال کر سکیں گے۔''

سونسی دروازہ کھول کر کچھ دیر کھڑی رہی۔ ہاتھی نہیں تھا۔ آتا ہوا بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ سڑک کے روشنی کے اُجالے میں وہ دور سے نظر آسکتا تھا، اگر سڑک سے آتا

''ہاتھی نہیں آرہا ہے'' سونسی نے کہا۔ رگھوور پرساد بھی دیکھنے لگے۔ کچھ دیر بعد دونوں اندر آگئے۔

''آنے کا من ہوگا تو آجائے گا'' دونوں رات بھر سوئے نہیں۔ بیچ بیچ میں اُٹھ کر کبھی سونسی کبھی رگھوور پرساد دروازہ کھول کر دیکھ لیتے۔ ہاتھی گھر نہیں آیا تھا۔

صبح ہوتے ہی رگھوور پرساد خیرا گڈھ باڑا بھی گئے۔ وہاں آس پاس ہاتھی نہیں تھا۔ سڑک کے کنارے چائے کی دکان تھی۔ دکان ابھی کھلی نہیں تھی۔ دکاندار وہیں رہتا تھا۔ وہ اُٹھ گیا تھا۔ اُس سے پوچھا۔ دکاندار نے بھی ہاتھی کو نہیں دیکھا تھا۔ دور کھیت میں کسان تھا اُس سے پوچھنے، دور جانا پڑتا۔ آس پاس کوئی نہیں نظر آرہا تھا۔ زنجیر پیڑ کے نیچے پڑی تھی۔ سادھو کا ایک بھی سامان برآمدے پر چھوٹا نہیں تھا۔ زنجیر بھاری تھی۔ کچھ دیر بعد ایک رکشا مل گیا۔ زنجیر رکشے میں رکھ وہ گھر گئے۔

رگھوور پرساد اور سونسی شام کے وقت شاید دور تک یوں ہی اِدھر اُدھر گھومتے کہ ہاتھی نظر آجائے۔ پڑوسیوں کے نہ ہونے سے اب سونسی کو خالی پن معلوم ہونے لگا۔ رگھوور پرساد کے آنے کے وقت وہ سوچی کہ رگھوور پرساد شاید ہاتھی پر بیٹھے ہوئے آتے دکھائی دیں پر رگھوور پرساد دھیرے دھیرے پیدل آتے ہوئے دکھائی دئے۔ پِتا کی چٹھی پھر آئی تھی کہ بہو کو پہنچا جاؤ۔ یہ بھی لکھا تھا کہ رگھوور پرساد کو چھٹی نہ مل رہی ہو تو بہو کو بس میں بٹھا دو اکیلی بھی آئے گی۔ سونسی اکیلے جانے کو تیار تھی۔ سونسی نے خوشی خوشی تیاری کی ایک چھوٹی ٹین کی پیٹی اور ایک جھولا اتنا سامان تھا۔ سونسی اکیلی جا رہی تھی۔

رگھوور پرساد رکشا بلا لائے۔ رگھوور پرساد نے سونسی کے خرچ کے لئے بیس روپیہ دیا۔ اماں کو دینے کے لئے پچاس روپیہ دیا۔ رکشے میں بیٹھنے کے پہلے سونسی نے رگھوور پرساد کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا، ''غصہ ہو؟''

''نہیں تو۔'' رگھوور پرساد نے کہا۔ سونسی سونے کا کڑا پہنے تھی۔ چوڑیوں سے ہاتھ بھرا تھا۔ پاؤں کی انگلیوں میں انگوٹھی تھی۔

بس چھوٹنے کو تھی۔ رکشا میں بیٹھے رگھوور پرساد نے ہاتھ کے اشارے سے ڈرائیور کو رکنے کے لئے کہا۔ سونسی کو چڑھا کر وہ جیسے ہی اُترے، بس روانہ ہوگئی۔ اُترتے وقت سونسی نے بیتابی سے کہا تھا، ''تم لینے آؤ گے؟''

''نہیں آپاؤں گا۔ چھوٹو کے ساتھ آجانا'' رگھوور پرساد نے کہا۔ بس اِس طرح روانہ ہوئی جیسے سونسی کو چھین کر لے گئی۔ لوٹتے وقت گھر جانے کے پہلے وہ گولر کے پیڑ کی طرف چلے گئے۔ پیڑ پر لڑکا نہیں تھا۔ گھر کے اندر جانے کا من نہیں ہو رہا تھا۔ بیٹھ جانے کی خواہش ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جب گھر گئے تو کھٹیا کے پاس پر ڈھلی بنیان، چڈی ٹنگی انہیں نظر آئی۔ سونسی نے نہا کر بدل لینے کو کہا تھا۔ وہ تالاب نہیں گئے۔ بالٹی میں پانی بھرا تھا۔ وہیں نہانے لگے۔ نہا دھو کر جب کنگھی کر رہے تھے تب کھڑکی سے آتی ہون کی خوشبو تھی۔ کھانے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ بھوک بھی انہیں نہیں لگ رہی تھی۔ تب بھی وہ کھانے کی تیاری کرنے لگے پوری ترکاری تھی۔ تھالی کٹوری سونسی الگ نکال کر رکھ گئی تھی۔ آج کا دن تھا کالج جانے کے لئے وہ پہلے ہی نکل گئے۔ رات بھر اندھیرے کا اتنا ساتھ تھا کہ دن کا اُجالا انہیں بہت اُجالا لگ رہا تھا۔ انہیں لگا ایک سورج سے اتنا اُجالا نہیں ہوسکتا۔ دو سورج ہوں گے۔ سورج کے ڈوبنے کے بعد جتنا اندھیرا ہوتا ہے وہ ایک سورج کے ڈوبنے کا نہیں ہوسکتا تھا۔ کم سے کم دو سورج ڈوبتے ہوں گے۔ وہ ٹمپو کے لئے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے آگئے۔ تاڑ کے پیڑوں کی پتیوں کی طرف ان کی نگاہ گئی تھی۔ اس پر نگاہ پڑنے پر تاڑ کے چاروں پیڑوں کو

انہوں نے ایک ساتھ پیڑ جیسا دیکھا پیڑوں کو الگ وہ نہیں دیکھے۔ ہاتھی آتا ہوا دکھائی دے سکتا تھا۔ ہاتھی پر سادھو بھی بیٹھا ہوا دکھائی دے سکتا تھا۔ لیکن یہ سب ہو سکنے کے پہلے بیچ میں خالی ٹمپو آ گیا تھا اور وہ بیٹھ گئے تھے۔

کالج میں صدر شعبہ بھی پہلے آ گئے تھے۔ رگھوور پرساد صدر شعبہ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ کام میں مصروف صدر شعبہ نے اُن کی طرف دھیان نہیں دیا۔ رگھوور پرساد سے کلاس میں تختے پر بائیں ہاتھ سے لکھتے نہیں بن رہا تھا۔ چوک بار بار ٹوٹ جاتی تھی۔ وہ داہنے ہاتھ سے لکھ کر پڑھاتے رہے۔

رات کو رگھوور پرساد کی نیند کھلی۔ کچھ دیر بستر پر پڑے رہے پھر اُٹھے۔ دروازہ کھول کر باہر آئے۔ سڑک کے کنارے، نیم کے پیڑ کے نیچے کھڑے رہے۔ سڑک کی روشنی کا اُجالا اُن تک نہیں پہنچ رہا تھا۔ ان کا من ہوا رات کے سناٹے میں بولیں ''نہیں ہے۔'' اِس وقت اپنے گھر سے باہر دور ہی آدمی بھی دیر سے بیٹھا ہوگا۔ جس نے پہلے رگھوور پرساد کے ''نہیں ہے'' کو سُنا تھا۔ تب اس نے کہا تھا ''کون نہیں ہے بھائی؟'' رات کا ویسا ہی ماحول تھا۔ گولر کے پیڑ سے ایک پرندہ یوں ہی پھر اُڑا تھا۔ اب کی بار رگھوور پرساد کو دیکھ کر اُڑ گیا ہو۔ پیڑ پر لڑکا نہیں ہوگا۔ نہیں ہے جیسا ماحول گہرایا ہوا تھا۔ گھر کے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کو دور سے لگا ہوگا کہ دور دروازہ کھول کر کوئی باہر آیا ہے۔ اُس سے رہا نہیں گیا۔ اُس نے سوچا پوچھا جائے ''کون نہیں ہے؟''

اُس نے زور سے کہا ہوگا۔ ''کون نہیں ہے؟'' رگھوور پرساد نے سنا ہوگا جواب میں ان کے مُنھ سے نکلا ''سونسی نہیں ہے۔'' مغموم دل سے نکلا ہوا کہ سونسی نہیں ہے۔ جو بھی ہو اس نے سنا۔ وہ آدمی ٹھنڈی سانس لے کر سر ہلا کر تھوڑی دیر بیٹھا رہا ہوگا۔ قرار یافتہ سا کہ اُس کو جواب مل گیا۔ وہ گھر کے اندر چلا گیا ہوگا۔ اُس رات اُسے نیند نہیں آئی ہوگی وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کون نہیں ہے۔ اب معلوم ہو گیا۔ وہ سونسی کو نہیں جانتا تھا۔ جو بھی ہو پھر بھی وہ رات

کو سو سکے گا۔

رگھوور پرساد کا کھڑکی سے کود کر اُس طرف جانے کا من نہیں ہو رہا تھا۔ بوڑھی اماں کو ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ سونسی نہیں ہے۔ رات کو سونسی کا جانا طے ہوا تھا اور وہ صبح چلی گئی تھی۔ کمرے کے اندر کونے میں ہاتھی کو موٹی لمبی زنجیر پڑی تھی۔ ہاتھی بھی نہیں آ رہا تھا۔ سونسی کیا ہاتھی پر بیٹھ کر آ سکتی تھی۔

دروازہ کھول کر وہ آکاش کو دیکھ لیتے تھے، سونسی کی چٹھی ہے۔ سونسی بھی دیکھ لیتی ہوگی کہ رگھوور پرساد کی چٹھی ہے کبھی آکاش میں بہت تارے ہوتے۔ کبھی اِکّے دُکّے دکھائی دیتے۔ اِکّے دکّے تاروں کا آکاش لکھنے کا وقت نہیں ملا جیسا یا تھوڑی لکھی جا رہی چٹھی جیسا تھا۔

کالج جاتے وقت وہ گولر کے پیڑ کے پاس سے ہوتے ہوئے نکلے۔ انہوں نے سر اُٹھا کر پیڑ کو جھانک لیا کہ لڑکا نہیں ہے۔ کوئی پرندہ بھی نہیں تھا۔ پیڑوں، لوگوں کے بیچ صرف وہی ہیں اور کوئی نہیں جیسی حیثیت سے وہ سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ لوگ نہیں ہے جیسے لوگ ان کے پاس سے آ جا رہے تھے۔ ٹمپو نہیں ہے جیسے ایک دو خالی ٹمپو گزر گئے۔ ٹمپو رگھوور پرساد کے لئے بھی رُکنے رُکنے کو ہوا تھا۔ ایک ٹمپو میں وہ بیٹھ گئے اور انہیں معلوم نہیں ہوا کہ وہ ٹمپو میں بیٹھ گئے۔ کالج وہ آتے تھے اور انہیں معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کالج آ جاتے ہیں۔ لڑکو کو وہ پہلے جیسا اچھا پڑھا دیتے تھے اور اُن کو پتہ نہیں چلتا تھا۔ سب کام پہلے جیسا چل رہا تھا جیسے کچھ بھی نہیں چل رہا تھا۔

سونسی کے بخیریت پہنچنے کی چٹھی آ گئی تھی۔ چھوٹو نے چٹھی لکھی تھی۔ شاید اماں نے لکھوائی ہو یا سونسی نے۔ سونسی لکھ دیتی! رات کو آٹھ بجے بھات بنا، کھا کر وہ کھڑکی سے کودے۔ بوڑھی اماں کی جھونپڑی کی اُور سے چولھے کے دھوئیں کی مہک آ رہی تھی۔ کچھ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ آس پاس کہیں بارش ہوئی ہوگی۔ آکاش میں بجلی چُپ چاپ چمک

جاتی تھی، کڑ کنے کی آواز نہیں آتی تھی، اتنا سناٹا تھا۔ بجلی کے چمکنے سے اندھیرے میں جو دِکھا جاتا تھا وہ شعوری طور پر دیکھنے کے قریب جیسا تھا۔ پھر اندھیرے میں اُسی وقت نہیں دِکھا جیسا ہو جاتا تھا۔ شاید انہوں نے اپنے لئے ہی کہا ہوا تھا کہ سونسی نہیں ہے۔ اس کے جواب میں سر ہلا کر انہوں نے دھیرے سے کہا "ہاں سونسی نہیں ہے"

انہیں معلوم تھا کہ انہیں پگڈنڈی پر چلنا تھا۔ پر پگڈنڈی کو معلوم تھا اس لئے وہ رگھوور پرساد کے چلنے کے راستے پر تھی۔ رگھوور پرساد کو ٹیلے پر آنا تھا۔ یہ رگھوور پرساد کو نہیں معلوم تھا، ٹیلے کو معلوم تھا۔ اسلئے جہاں رگھوور پرساد آئے تھے وہ ٹیلے پر تھا۔ تالاب رگھوور پرساد کی دید میں تھا۔ تالاب میں چاند تاروں کی پرچھائیں پڑی کہ رگھوور پرساد کی دید میں ہو۔ جگنو رگھوور پرساد کے سامنے سے ہو کر گئے۔ کنول کے پھول رگھوور پرساد کو دیکھنے کے لئے چاند کے اُجالے میں تھے۔ رگھوور پرساد ایک کسی بھی چٹان پر لیٹ گئے۔ چٹان ٹھنڈی تھی۔ چٹان چکنی تھی اس لئے گڑ نہیں رہی تھی۔ رگھوور پرساد کی نیند صبح کھلی۔ وہ کتھری اُوڑھے ہوئے تھے۔ بوڑھی اماں رات کو نکلی ہو گی۔ رگھوور پرساد کو سویا دیکھ کر گھر سے کتھری لائی ہو گی۔ صبح ہو جانے کے بعد بادلوں سے سورج دیر سے نکلا تھا۔ اور پرندے دیر سے چہچہائے تھے اس لئے رگھوور پرساد دیر تک سوئے۔ اِدھر اُدھر کی جگہ ابھی ابھی گوبر سے لیپی گئی تھی۔ نقش و نگار اور رنگوں سے آراستہ۔ یہاں کی سب جگہ سونسی کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ صبح اُٹھ کر رگھوور پرساد کو لگا دیر ہو گئی۔ وہ مُنھ ہاتھ دھونے اور مسواک کرنے لگے۔ اس سے فراغت پائی تو بوڑھی اماں چائے لے کر آ گئی۔ رگھوور پرساد نے اس طرح چائے لی کہ بوڑھی اماں نے تب پیار سے رگھوور پرساد کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ چائے پی کر رگھوور پرساد نے بوڑھی اماں کو سونسی کب آئے گی کی طرح دیکھا۔ دو ایک دن میں آ جائے گی کی طرح جواب میں بوڑھی اماں نے رگھوور پرساد کی طرف دیکھا۔ بوڑھی اماں نے کہا، "بھات کھا کر جانا" رگھوور پرساد نے "ہاں" کہا۔

کالج کے برامدے میں ایک سائیکل دو چار دن سے لاوارث پڑی تھی۔ شعبۂ ریاضیات کے دروازے کے سامنے ہی برآمدے سے ٹکی تھی۔ صدر شعبہ کا دھیان ایک دن گیا تھا۔ سائیکل سے آنے کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھول گئے ہوں گے۔

''آپ کی ہے؟'' برآمدے کی سائیکل کو دِکھاتے ہوئے صدر شعبہ نے رگھوور پرساد سے پوچھا۔ رگھوور پرساد نے سر ہلا کر نہیں کہا۔

''ایسا تو نہیں دو ایک دن پہلے سائیکل لائے ہوں اور بھول گئے؟'' صدر شعبہ نے پھر پوچھا۔

''نہیں سر! میں تو روز ٹمپو سے آتا ہوں''

''چپراسی سے پوچھتے ہیں'' چپراسی کو بلا کر انہوں نے پوچھا۔

''یہ کس کی سائیکل ہے؟ دو دن سے پڑی ہے۔''

''چار دن سے تو میں دیکھ رہا ہوں مہاراج'' چپراسی نے کہا۔

''تو بتانا نہیں تھا'' صدر شعبہ نے اِدھر اُدھر اور لائن میں کھڑی کچھ سائیکلوں کو دیکھا کہ ان میں بھی ایکادھ بھولی ہوئی سائیکل ہو۔

''رگھوور پرساد! یاد کرو کیا چار دن پہلے تم سائیکل سے آئے تھے؟''

''نہیں''

''یاد کر لئے؟''

یاد ہے''

''اس سائیکل کا تالا کھلا ہے'' رگھوور پرساد نے پھر کہا۔

''ایسے میں اس کی چوری ہو سکتی ہے''

''چوری کی سائیکل کی چوری!''

''سائیکل میں تالا لگا کر یہاں بھول جاتا'' صدر شعبہ نے کہا۔

"پتہ نہیں کس کی سائیکل ہے" رگھوور پرساد بڑبڑائے۔

"کسی کی بھی ہو۔ اب چوری نہیں جانی چاہئے رگھوور پرساد تم سائیکل میں تالا لگاؤ اور چابی اپنے پاس رکھو۔"

"نہیں"

"میں سائیکل رکھنے کو تھوڑے ہی کہہ رہا ہوں۔ چابی رکھنے کو کہہ رہا ہوں۔"

رگھوور پرساد کو بار بار لگ رہا تھا کہ صدر شعبہ ان سے سائیکل رکھنے کو کہہ رہے ہیں تاکہ وہ سائیکل سے آنا جانا کرتے رہیں۔ اسلئے انہوں نے کہا۔ "میں دوسرے کی بھولی ہوئی سائیکل نہیں چلاؤں گا"

"رگھوور پرساد! بھولی ہوئی سائیکل چلاتے چلاتے یاد آجائے گی کہ تمہاری سائیکل ہے۔ تب تم یاد کی ہوئی سائیکل چلاتے رہنا"

چپراسی دیکھ رہا تھا کہ گائے، بھینسوں کا جھنڈ جہاں سائیکل کھڑی ہے وہاں پہنچ رہا ہے۔ بھینس کے دھکے سے ایک بھی سائیکل گرے گی تو سب سائیکلیں گر جائیں گی۔ چپراسی سوچ رہا تھا کہ صدر شعبہ کو بتا دے گا کہ گائے گورو سے سائیکل گر جائے گی۔ وہ انہیں ہنکانے بھی جا سکتا تھا پر جان بوجھ کر نہیں گیا۔ اُسے لگ رہا تھا کہ گائے بھینس سائیکل بچا کر چرتی رہیں۔ ایسا ہوا بھی۔ غلط تو برآمدے کے آخر میں بیٹھی ہوئی گائے تھی۔ برآمدے پر بیٹھی ہوئی گائے کوئی گائے بھول گیا جیسی بیٹھی تھی۔ جس کی گائے ہے اسے یاد آجائے گی تب ہنکا کر لے جائے گا۔ یاد کیا ہوا جو دنیا میں ہے اس سے زیادہ بھولا ہوا دنیا میں تھا۔

آج کا دن تھا۔ کالج جانے کے لئے رگھوور پرساد کھڑے ہوئے تاڑ کے پیڑوں کو انہوں نے دیکھا، پر انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے تاڑ کے پیڑوں کو دیکھا ہے۔ ہاتھی کے آنے کی سمت سے انہونے اُسی طرح ایک سادھو کو سائیکل پر آتے دیکھا۔ وہ ہاتھی والے سادھو جیسا نظر آیا کہ ہاتھی کے چلے جانے کے بعد اب سائیکل پر آرہا ہو۔ داڑھی

ہونے کی وجہ سے چہرا مشابہ تھا۔ ناک نقشہ جس میں فرق ہوتا تھا وہ ایک جیسی داڑھی میں چھپے ہوتے۔ نزدیک آنے پر معلوم ہوا کہ دوسرا سادھو ہے۔ سادھو نے سائیکل کھڑی کی۔ رگھوور پرساد کی طرف اُس نے مسکرا کر دیکھا۔ وہ تمبا کو کھانے رُکا تھا۔ اس کے مسکرانے سے رگھوور پرساد کا من کھٹکا تھا کہ سادھو اسے سائیکل پر بیٹھنے کے لئے نہ کہہ دے۔ ہاتھی تو تب بھی ٹھیک تھا، سائیکل پر ڈبل سواری کالج جانے میں محنت لگتی۔ ہوا مخالف سمت کی تھی۔ سادھو جب گیا تب ایسا نہیں لگا کہ ایک سائیکل کی جگہ سائیکل کے جانے سے نکل آتی ہے۔ جب وہ تھا تب بھی آس پاس بہت سائیکلوں کی جگہ تھی۔ ٹمپو کچھ دیر سے آیا تھا۔ رگھوور پرساد ٹمپو سے سائیکل والے سادھو سے بہت آگے نکل گئے تھے۔

کالج پہنچ کر انہوں نے دھیان دیا کہ برآمدے والی سائیکل وہاں نہیں تھی۔ رگھوور پرساد نے چپراسی سے پوچھا۔ چپراسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ اُسے رہا نہیں گیا۔ انہوں نے صدر شعبہ نے پوچھا ''سائیکل دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ کیا آپ نے اُسے محفوظ رکھوا دی ہے''

''نہیں تو؟ وہاں نہیں ہے کیا؟''

''نہیں'' سنجیدہ ہو کر رگھوور پرساد نے کہا۔

''تب تو چوری چلی گئی۔ سائیکل میں تالا لگا کر رکھ دینا تھا۔ میں بھول گیا۔''

''میں بھی بھول گیا''

''اب کیا کریں؟''

''جس کی سائیکل تھی وہی لے گیا ہو۔ اگر تالا لگا دیتے وہ اپنی سائیکل نہیں لے پاتا۔''

''ہو سکتا ہے''

رگھوور پرساد سوچ رہے تھے کہ سائیکل سادھو کی ہوگی جسے انہوں نے آج سائیکل

پر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ چار دن کے لئے اپنی سائیکل چھوڑ کر چلا گیا اور کل اُٹھا لے گیا

''میں نے آج ایک سادھو کو سائیکل چلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہاتھی والا نہیں، دوسرا سادھو۔ شاید وہ سائیکل والا سادھو ہو۔ کالج کی طرف جا رہا تھا۔''

''اچھا'' صدر شعبہ نے کہا۔

''تمبا کو کھانے پان کی دُکان میں رُکا تھا''

''آپ سے سائیکل پر بیٹھنے کے لئے تو نہیں کہا؟''

''نہیں وہ ہاتھی والا سادھو کا بھائی لگ رہا تھا۔ سائیکل پر بیٹھ کر ہاتھی کو ڈھونڈنے آیا ہو''

''آپ سے سائیکل پر بیٹھنے کو کہتا تو کیا آپ بیٹھ جاتے؟''

''نہیں۔ یہ زیادتی ہوتی۔ ڈبل سواری میں محنت لگتی ہے۔ اگر وقت کم ہوتا تو شاید بیٹھ جاتا۔ آدھی دور میں بھی ڈبل چلاتا''

''اس کے کیریر میں برگد کی ڈال تو نہیں لدی تھی''

''کیوں کی نگاہ سے رگھوور نے صدر شعبہ کی طرف دیکھا۔

''سادھو کی سائیکل برگد کی ڈال کھاتی ہو''

''کالج کے آگے تالاب میں جہاں سادھو ہاتھی نہلاتا تھا وہاں سائیکل والا سادھو سائیکل نہلانے جا رہا ہوگا''

''رگھوور پرساد سائیکل کو نہلانے کے بدلے ''دھونے'' بھی کہہ سکتے تھے۔ شاید اسی کے جواب میں صدر شعبہ نے کہا

''نہلانے جا رہا ہوگا نہیں، نہلانے لے جا رہا ہوگا''

''جی'' رگھوور پرساد کچھ سمجھے نہیں۔

''رگھوور پرساد! دیکھنا، آج کل میں تمہارے گھر کے سامنے کوئی اپنی سائیکل

لاوارث چھوڑ کر چلا جائے گا"

"کیوں"

"ایسے ہی۔ اُسے ریل گاڑی سے الہ آباد یا کاشی جانا ہو تب کیا کرے گا؟"

"سائیکل میں وہ تالا لگا کر وہ اپنے گھر میں نہیں رکھ لے گا"

"گھر کہاں، ڈیرہ ہوگا۔ پیڑ کے نیچے۔ کھنڈر کے برآمدے میں۔ وہاں سے سائیکل چوری چلی جائے گی"

"سائیکل سے پریشانی نہیں ہوگی گھر کے باہر چاہے ایک یا دو سائیکل چھوڑ دے"

"سائیکل دھوپ پانی کھاتے باہر کھڑی رہے گی۔ تم کو یہ اچھا نہیں لگے گا اور تم اسے گھر کے اندر رکھ لوگے"

"نہیں میں پولس میں رپورٹ لکھا دوں گا، گھر کے اندر نہیں رکھوں گا"

"رگھوور پرساد سوچ رہے تھے کہ سائیکل والا سادھو اور ہاتھی والا سادھو دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے۔ وہ کسی سائیکل سے کالج گئے تو رستے میں اچانک سائیکل والا سادھو اُن کے ساتھ ہو جائے گا اور کالج تک ان کے ساتھ رہے گا۔ لوٹتے وقت بھی یہی ہو سکتا ہے۔ روز روز نہ ہو۔ ٹمپو پر آنا جانا ٹھیک ہے پر جانے کے نام پر غیر یقین صورت میں کھڑے رہنا اچھا نہیں لگتا۔ آج کے دن بھی سونسی کی یاد آ رہی تھی۔ آتے جاتے لوگوں، پیڑوں، مکانوں، سڑک آوازوں کو دیکھتے سنتے تھے پر سونسی کی یاد آتی تھی۔ سڑک پر کسی سے بات کرتے تو یاد آتی۔ آکاش میں انہیں ایک جگہ کالے بادل کا چھوٹا ٹکڑا دکھائی دیا جو دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔ انہیں کسوٹی والی چٹان کی یاد آئی۔ کالے بادل پر انہیں چاندی اور سنہلی آفتابی کرنوں کے سے نشان نظر آئے اس یاد آنے میں کچھ کمی بیشی ہو سکتی تھی پر دن کی سڑک پر چلتے ہوئے انہیں رات کی پگڈنڈی پر جانے کی یاد آ رہی تھی۔ پگڈنڈی میں

گوبر لیپی تھی اور آگے کچھ دیر ہوئے سونسی کے جانے کا گمان ہوا تھا کہ وہ سونسی کے پیچھے پیچھے تھے۔ اس میں بھی کچھ کمی بیشی ہو سکتی تھی۔ گھر کے سامنے آ کر وہ تھوڑی دیر ٹھٹھک کر کھڑے ہوئے۔ وہ پیدل نہیں، ہاتھی پر بیٹھ کر آنے کو یاد کر رہے تھے۔ ساتھ میں سونسی تھی کہ ہاتھی نیچے بیٹھے تو وہ اُتریں پھر سونسی اُترے۔ ہاتھی بیٹھ نہیں رہا تھا اور وہ رُکے رہے۔ یاد آنے میں کسی شے، منظر، وقت وغیرہ کا بہت اہم مقام نہیں بن پا رہا تھا۔ خالی کمرے کے اندر گھسے ہی تھے کہ پڑوس نے پکارا رگھوور پرساد! وہ باہر آئے۔

''آج جلدی چھٹی ہو گئی؟'' پڑوس نے پوچھا۔

''ہاں'' انہوں نے کہا۔

''چائے پیو گے؟''

''نہیں'' کہہ کر وہ اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر چارپائی پر لیٹے رہے۔ فرش پر ہاتھی کی موٹی زنجیر بکھری، پھینکی تھی۔ اُٹھ کر انہوں نے اُسے سمیٹا۔ باہر آئے۔ تب دوسری پڑوسن اپنے دروازے کے سامنے کھڑی تھی جیسے رگھوور پرساد کا راستہ دیکھ رہی تھی۔

''بہو کب آئے گی؟'' اس نے پوچھا

''آج کل میں آ جائے گی''

''اس کی چٹھی آئی تھی؟''

''چھوٹو کی آئی تھی''

''کھانا کھائے تھے؟''

''کل کا رکھا تھا''

''شام کو گھر آ کر کھا لینا''

''بعد میں کھا لوں گا''

کہہ کر اندر چلے گئے۔ کھٹیا پر لیٹے اور سو گئے۔

سونسی کی بس شام کو آئی۔ راستے میں خراب ہوگئی تھی۔ تین گھنٹے بننے میں لگے۔ بس، آم کے اونچے پیڑ کے پاس رُکی تھی۔ بس کے رُکتے ہی پیڑ سے ایک بندر بس کی چھت پر کود گیا تھا۔ سامان اُتارنے کے لئے قلی جب بس میں چڑھنے لگا تب اس نے بندر دیکھا۔ ایک جھکی آم کی ڈال پر کود کر بندر بھاگ گئے۔ بس کے اوپر سامان لدا تھا۔ بوروں میں بھٹے، گوبھی، مرچ بھری تھی۔ سونسی نے رستے بھر جگہ جگہ بندروں کے جھنڈ دیکھے تھے۔ ایک بار چلتی بس کے سامنے سے دو بندروں نے ایک کے پیچھے ایک سڑک پار کی تھی۔

بس اسٹینڈ ایک چھوٹا خالی میدان تھا۔ جس کے چاروں طرف زیادہ تر آم کے پیڑ تھے۔ پیڑوں میں طوطے بیٹھے ہوئے تھے۔ جھنڈ کے جھنڈ طوطے آتے اور جھنڈ کے جھنڈ اُڑ جاتے تھے۔ دو ایک طوطے رہ جاتے تھے۔ پیڑ کے نیچے ایک ٹوکری میں تازہ جام لے کر جام والی بیٹھی تھی۔ ایک طوطا جام کی ٹوکری میں آکر بیٹھ گیا تھا اور جام کو کترنے لگا تھا۔ کترا ہوا جام اندر سے لال دکھائی دیتا تھا۔ تبھی طوطا اچانک اُڑ گیا۔ جام والی نے بھگایا نہیں تھا۔ بلکہ طوطا چونک کر اُڑ نہ جائے۔ اس لئے ہل ڈول بھی نہیں رہی تھی اور مورت کی طرح بیٹھی تھی۔ جب طوطا اُڑ گیا تو جام والی طوطے کے ادھ کھائے ہوئے جام کو کھانے لگی۔ سونسی بس سے اُتر پچھوری اوڑھے کھڑی تھی کہ ایک رکشے والا رکشا لے کر آیا۔

''بھیا بس سے سائیکل اُتروا دینا'' رکشے والے سے اس نے کہا۔ بس کے اوپر چڑھے قلی نے رکشے والے کو سائیکل پکڑائی۔ رکشے والے سے سائیکل گرتے گرتے بچی تھی۔ تب سونسی نے بھی سائیکل سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ سونسی پیٹی، جھولا لیکر رکشے میں بیٹھ گئی تھی۔ تب رکشے والے نے سائیکل رکھی۔ سائیکل پکڑے سونسی بیٹھی تھی۔ رکشا کے چلتے ہی طوطے کا ایک جھنڈ رکشے کے اوپر سے اُڑا تھا۔ طوطے کا جھنڈ سونسی کے گھر کی طرف اُڑا تھا۔ سونسی نے دور سے گھر کو دیکھا تو اس نے گہری سانس لی۔ سانس لینے سے اسے کسی پھول کی خوشبو آئی تھی۔ گھر پہنچتے پہنچتے اور شام ہوگئی تھی۔ آتے جاتے کہیں راستے میں رگھوور

پرساد کو دیکھ لیتی ایسا وہ کہہ رہی تھی۔ رکشے والے کو وہ راستہ بتاتے جا رہی تھی۔

گھر کا دروازہ بند تھا۔ سائیکل نیچے اُتار کر ہینڈل میں جھولا ٹنگا کر رکشا والا چلا گیا۔ پیٹی کو سونسی نے اُتارا تھا۔ پیٹی لیکر وہ دروازے کے پاس آئی تو ایک کے بعد ایک پڑوس کے دونوں دروازے کھُل گئے۔ سونسی بہت خوش تھی۔

''بڑی دیر لگا دی'' مسکرا کر پڑوسن نے کہا۔

''بڑی جلدی آ گئی'' دوسری پڑوسن نے ہنستے ہوئے کہا۔ سونسی نے دونوں کے پاؤں چھوئے اور چُپ چاپ کھڑی رہی۔ وہ صحت مند اور زیادہ خوش نظر آ رہی تھی۔ کمرے کے اندر رگھوور پرساد کی آواز نہیں تھی، کھڑکی سے اس طرف چلے گئے ہوں گے۔ کھڑکی سے کود کر دوڑتے ہوئے رگھوور پرساد کے پاس جانے کو بے قرار سی خاموش کھڑی تھی۔

''اندر جاؤ نا'' ایک پڑوسن نے کہا۔ اندر جانے کے لئے اسے تین قدم چلنا پڑتا، دوسری پڑوسن کو دیا آ گئی۔ اس نے کہا ''اچھا جا'' اور اپنا دروازہ دھیرے سے بند کر لیا۔ دوسری نے بھی دروازہ بند کر لیا۔ سونسی ڈھیر ساری چوڑی اور چھُن چھُن والی پاؤں پٹی پہنی تھی۔ دبے پاؤں وہ تین قدم چلی۔ دروازہ کھُلا تھا۔ رگھوور پرساد کھٹیا پر لیٹے لیٹے سو گئے تھے۔ اس نے دھیرے سے پیٹی کو اندر رکھا، دروازہ بند کیا۔ سائیکل باہر ہی رہ گئی تھی۔ اس میں تالا نہیں تھا۔ سائیکل میں پچھوری اور جھولا لٹکا رہ گیا تھا۔

وہ رگھوور پرساد کے پاس گئی۔ دھیرے سے وہ لیٹ گئی۔ رگھوور پرساد کی پیٹھ جہاں ننگی تھی وہاں اُس نے اپنا ہاتھ چھوایا اور بنا ہلے ڈولے کئی دنوں کی تھکی اسے نیند آ گئی۔

آدھی رات کو رگھوور پرساد کو سوتے میں معلوم ہوا کہ سونسی آ گئی ہے۔ اور ان کے پاس سوئی ہے۔ انہوں نے بہت گہری نیند میں اور بھی گہری نیند میں سوئی۔ سونسی سے کہا ''منہہ ادھر کر لو'' سونسی کروٹ لے کر رگھوور پرساد کی طرف گھوم گئی۔ سوئے ہوئے رگھوور پرساد نے سوئی سونسی کو چوما تو سونسی ہوا میں تیرنے لگی۔ رگھوور پرساد کو ہوا میں تیرنا نہیں آتا تھا۔ وہ

ڈوب گئے۔ ہَوا میں ڈوبتے ہوئے وہ گہری گہری سانس لے رہے تھے۔ پانی میں تو ڈوبے نہیں تھے۔ جس میں سانس روکنا پڑتا۔ سونسی نے نیند میں ہی چوڑیوں کو ہاتھ کے اوپر کھسکا کر کس لیا تھا کہ بجے نہیں۔

ہَوا کے کنارے جب سونسی لگی تو وہاں ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا رکھا ہوا تھا۔ اُس میں رات رانی کی خوشبو بھری تھی۔ جیسے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کی پوٹلی میں رکھی ہو۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کے چاروں طرف خوشبو کا جنگل تھا۔ اس خوشبو کا لمس جنگلی اور کھردرا تھا جیسے خراش آ گئی۔

سونسی ہوئی سونسی سے رگھوور پرساد نیند میں بڑبڑائے، ''رات رانی''۔ اِسے سونسی نے پانی سُنا۔ اس کی اٹھنے کی خواہش نہیں ہو رہی تھی۔ وہ شاید سپنے میں تھی۔ اسلئے سپنے میں اٹھنے لگی ہو کہ رگھوور پرساد کو پانی پینا ہے۔ جس شکل میں سونسی لیٹی ہوئی تھی اس نے اسی طرح کی سٹی شکل میں رگھوور پرساد تھے اور سونسی کی شکل رگھوور پرساد کی شکل سے بندھی ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ لٹکا کر ٹٹولا کہ رگھوور پرساد نے پانی کا لوٹا رکھا ہو۔ پانی کا لوٹا نہیں تھا۔ تبھی اس نے زمین پر پڑے ہوئے ایک کپڑے کے پہناوے کو ٹٹولا تو اس کا پولکا تھا۔ وہ پولکا اُٹھا کر پہننا چاہتی تھی پر سو گئی اور لٹکے ہاتھ سے پولکا دھیرے دھیرے چھوٹ گیا۔

''چلو اُٹھو'' رگھوور پرساد نے کہا۔ سونسی نے سُنا۔ ''مت اُٹھو'' رگھوور پرساد اُٹھنا چاہتے تھے سونسی کو اپنے سے کھونے کا من بھی نہیں ہو رہا تھا تب سونسی نے کہا۔

''تم مجھ سے غصہ ہو؟''

''میں آج کالج نہیں جاؤں گا''

''کالج جلدی جاؤں گا'' سونسی نے سُنا۔

''کیوں؟'' سونسی نے پوچھا۔

''ایسے ہی'' رگھوور پرساد نے کہا۔

''سنو میں پتا کی سائیکل لے کر آئی ہوں''

''کہاں ہے؟'' بے صبری سے انہوں نے پوچھا۔

وہ جلدی سے اُٹھے تھے۔ کھٹکا جلا کر دیکھا، کمرے میں سائیکل نہیں تھی۔

''باہر تو نہیں رہ گئی۔ تالا بھی نہیں لگائی۔ چوری چلی گئی''

ہڑبڑا کر سونسی اُٹھی۔ چٹکنی کھول کر باہر آئی، ''ہے'' اس نے گہری سانس لیکر کہا۔ سائیکل میں پچھوڑی اور جھولا اُسی طرح ٹنگے تھے۔ رگھوور پرساد سائیکل اندر لے کر آئے۔ بجلی کی روشنی میں انہوں نے سائیکل کو اچھی طرح سے دیکھا تھا۔ کمرے کی روشنی بجھا کر دونوں لیٹ گئے۔ تب سونسی نے بتانا شروع کیا کہ پتا جی نے سائیکل ٹھیک کرائی تھی۔ چھوٹو نے کالے رنگ سے پینٹ کیا تھا۔ پتا جی اس لئے نہیں آئے تھے آنے جانے میں اور خرچ ہوتا سائیکل میں خرچ ہو چکا تھا۔ چھوٹو کا امتحان تھا نہیں تو وہی آجاتا۔ دونوں بات کرتے ہوئے کھڑکی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کھڑکی کے پاس، کھڑکی سے آتے ہوئے اُجالے اور جاتے ہوئے اندھیرے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا کہ ہاتھی کا سونڈ سوالیہ نشان کی صورت میں اُٹھا ہوا ہے۔ سونسی کا سر رگھوور پرساد کے بازو پر تھا وہ بولی۔ ''ہاتھ اُٹھا لو، دُکھ رہا ہوگا'' رگھوور پرساد نے سونسی کو اُٹھنے نہیں دیا کہا، ''نہیں دُکھ رہا ہے۔''

صبح قریب آٹھ بجے صدر شعبہ اسکوٹر سے رگھوور پرساد کے گھر کے سامنے سے گذرے انہوں نے ایک سائیکل رگھوور پرساد کے گھر کے سامنے دیکھی۔ انہوں نے سونچا رگھوور پرساد کے گھر کے سامنے کوئی سائیکل لاوارث چھوڑ کر تو نہیں چلا گیا، وہ جلدی میں تھے نہیں تو رُکتے گھر کے سامنے کا نیم کا پیڑ رگھوور پرساد کے گھر کے سامنے اس طرح تھا کہ اُسے کسی نے چھوڑا نہیں تھا۔ صدر شعبہ نے نیم کے پیڑ کی طرف دھیان نہ دیا ہو۔

❀❀❀
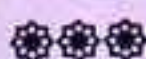
پیش لفظ

ونود کمار شکل کی ابتدائی کہانیوں نے ہی باشعور قاریوں کو آگاہ کر دیا تھا اور اس کے بعد ''نوکر کی قمیص'' نے گزشتہ کچھ برسوں میں اپنا مقام منوا ہی لیا۔ ''کھلے گا تو دیکھیں گے'' نے یہ تاکید کی کہ ونود کمار شکل شاعر نے نثر کو معیار ثابت کرنے کے لئے ہی ماجرائی ادب میں مداخلت نہیں کی تھی۔ لیکن جہاں ان کا یہ تیسرا ناول ''دیوار میں ایک کھڑکی رہتی تھی'' یہ صاف کر دیتا ہے کہ اب ہندی ماجرائی ادب کا کوئی بھی جائزہ انہیں حساب میں لئے بغیر کم وقیع اور غیر معتبر رہے گا، وہی اس سے گزرنا یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ ان کے پچھلے دونوں ناولوں سے الگ تو ہے ہی، کئی جگہ اگر ان سے افضل نہیں ہے تو ان کی تکمیل کے لئے لازمی ہے۔ بلکہ فی الحال ہم ان تینوں کو ایک آزاد ماجرائی تثلیث مان سکتے ہیں جو کبھی بھی مربع اور مخمس وغیرہ میں بدل سکتے ہیں۔ جب ان کے زیادہ تر ہم عصر اور کچھ کم درجے کے کہانی کار بھی ڈھیلے پڑ گئے اور متاع رفتہ سی ہو گئے لگتے ہیں ایسے وقت میں ونود کمار شکل کی شاعری سے الگ انشائیاتی اوصاف کا یہ دھماکہ ذاتی سطح پر تابناک اور ہندی ناول کے لئے شباب آور اور نئی جہتوں کا پیغامبر ہے۔

ناول کے دائرے میں متوسط درجے کا ایک قصباتی نوشادی شدہ جوڑا ہے۔ رگھوور پرساد قصبے سے لگے ہوئے ایک کالج میں علم ریاضی کے لکچرار ہیں۔ جن کی زندگی میں کوئی ریاضی نہیں ہے اور نئی شریک حیات سونسی صرف گرہستی سنبھالتی ہے۔ دونوں کے آبائی

کنبے ہیں۔ رگھوور پرساد کا خاندان کہانی میں زیادہ موجود ہے۔ کالج جانے کے دو وسائل ہیں۔ ٹمپو یا سائیکل۔ لیکن اپنے ہاتھی کے ساتھ ایک سادھو ایک انوکھا باضابطہ متبادل پیدا کرتا ہے جو آدمی اور آدمی، انسان اور حیوان کے درمیان ایک ناقابلِ اظہار رشتے میں بدل جاتا ہے۔ دیوار میں جو کھڑکی ہے اسے پھاند کر صرف رگھوور پرساد اور سونسی ندی، تالاب، چٹان، طوطوں، بندروں، نیلکنٹھوں، پیڑوں پہاڑیوں کے ایک نغمہ بار خواب آفریں عالم میں خود کو داخل کر سکتے ہیں۔ جس میں کپڑے دھونا، نہانا اور سو جانا اور محبت کر پانا بھی ممکن ہے۔ جس میں ایک چائے والی بوڑھیا ہے جو بےخبر نیند کے متوالوں کو چادر بھی اُڑھاتی ہے۔ اور سونسی کو طلائی قیمتی کڑے بھی دے سکتی ہے۔ لیکن کھڑکی کے پیچھے کی یہ دنیا بھلے صدر شعبہ کو کبھی دکھائی تک نہیں دیتی۔ پرنسپل، چپراسیوں اور چوری ہوئی سائیکلوں تک ہی فکر مند ہیں، جب رگھوور پرساد کے ماتا، پتا اور بہت چھوٹے بھائی کے لئے اپنے قصبے سے اپنے مددگار کماؤ بیٹے، بھائی کے اس قصبے تک کے سفر اور ایک آدھ بار ہاتھی پر سواری ہی اس کمرے کے سامنے والا جہان ہے۔

ونود کمار شکل کے اس ناول میں کوئی بڑا حادثہ، کوئی سخت آویزش، کوئی عصری حقیقت، کوئی مقصد یا پیغام نہیں ہے کیوں کہ اس میں وہ زندگی جو اس دیش کی وہ زندگی ہے، جسے کسی دوسرے مناسب الفاظ کی کمی کی وجہ سے زیریں وسطی درجہ کہا جاتا ہے، اتنی خالص صورت میں موجود ہے کہ انہیں کسی تائید دیگراں کی ضرورت نہیں ہے لیکن اہم کرداروں کے وجود کی سادگی، صداقت اور بیچارگی، ان کے رہنے، آنے جانے، زندگی گزارنے کے محدود گوشوارے ہیں جن سے اپنے آپ اس بے وجود دنیا کا احساس ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس دیش کے کثیر تعداد لوگوں کی زندگی ویسی ہے جیسی کہ ہے۔ ونود کمار شکل اس زندگی کی بہت گہرائی میں بیٹھ کر ازدواجی، کنبہ جاتی، آس پاس، کام کرنے کی جگہ، غیر متعلقوں کے ساتھ شفقت بھرے رشتے کے ذریعہ ایک ایسی فضابندی کرتے ہیں کہ اس کے آگے ساری

عدم موجودگی، انسان دشمن طاقتیں، بدشکل ہی نہیں کھوکھلی بھی لگنے لگتی ہیں۔ ایک خوش گوار حیرت یہ ہے کہ اس ناول میں پانی، چٹان، پیار، جنگل، پتھر، حیوانات، پرندے، طلوع و غروب آفتاب چاند، ہوا، رنگ، خوشبو، آواز کے ساتھ فطرت کی وہ فراوانی ہے جتنی فنیشور ناتھ رینو کی کہانی کے بعد کبھی نہیں رہی ہے۔ اور جو یہ سمجھتے تھے کہ ونود کمار شکل میں انسان دوستی جتنی بھی ہو، مرد عورت کی محبت سے وہ اجتناب برتتے ہیں یا کیوں کہ وہ ان کے بوتے سے باہر ہیں ان کے لئے تو یہ ناول ایک صدمہ ثابت ہوگا۔ نمود و نمائش سے بچتے ہوئے اس میں انہوں نے وہ پر معنی تصویر کشی کی ہے جو انسانی رشتے کو خوش منظری سے زرخیز بنا دیتی ہے، وہ چسپاں کئے ہوئے نہیں معلوم ہوتے بلکہ عین فطری ہیں۔ ان کے بغیر یہ ناول، نامکمل، غیر معتبر اور بے اثر ہوتا بلکہ حیرت ہے کہ ان کی شاعری میں ایسی پکریت نہیں ہے۔

زبان پر تو ونود کمار شکل کی تو اپنے ڈھنگ کی قدرت ہے۔ پریم چند اور جے نندر کے بعد اتنی سادہ روزمرہ زبان میں شاید ہی کسی اور میں اظہار کی ایسی صلاحیت ہو لیکن اِس ناول میں انہوں نے مکالمے کے کئی طرز اور اسلوب ایجاد کئے ہیں۔ ایک وہ جس میں رگھوور پرساد لوگوں سے بولتے ہیں، دوسری وہ جس میں وہ خود بولتے ہیں تیسری وہ جس میں رگھوور پرساد اور سونسی اپنی خلوت میں بولتے ہیں اور چوتھی وہ جس میں رگھوور پرساد اور پریوار آپس میں بات کرتے ہیں، جس میں ہلکی سی علاقائیت ملی ہوتی ہے اور پانچویں وہ جس میں صدر شعبہ اور پرنسپل بولتے ہیں۔ سب سے ٹھیٹھ وہی ہے۔ ایک اور حیرت میں ڈالنے والی زبان وہ ہے جس میں بولنے والے اور سننے والے باری باری کہتے کچھ ہیں اور سنتے کچھ ہیں اور یہ ایک اور ہی مفہوم بالادستی کو جنم دیتی ہے۔

ونود کمار شکل میں راویت، اجتہاد اور ٹھوس پن نغمگیت، شعریت اور نثریت کا بے مثالی امتزاج ہے۔ ناول کی جس ہندوستانی صورت کو لے کر جو مزاحی بحث چلتی ہے اس سے دور رینو کے بعد اور ان سے الگ ہندی میں ونود کمار شکل نے اسے ایک انوٹھے امکان تک

بڑھایا ہے۔ زیریں متوسط درجہ ہندوستانی زندگی میں ایک ایسا جادو ہے جو کہیں کسی دوسری جگہ نہیں ہے حالانکہ اس کی اساس، انسانی اقدار سب جگہ وہی ہیں اور اُس کا حقیقت پسندانہ رویّہ ونود کمار شکل کے یہاں ہے اور اُس میں ایک یقین محکم ہے۔ ستیہ جیت رائے کی کام یاب فلمیں ہی اُن کے قریب آپاتی ہیں۔ دل کو چھو لینے والی کیفیات اور مزاح کا نرالا توازن ہے۔ ہندی کے کچھ ناول آپ کو مضطرب تو کرتے ہیں لیکن زندگی کے تضادات کو لیکر چارلی چیپلین اور باسٹر کیٹن کی آمیزشوں میں آپ کو ہنسا بھی سکیں، یہ مادہ پریم چند اور رینو کے بعد صرف ونود کمار شکل میں ہے اور ان دونوں سے کہیں زیادہ ہے۔

سب سے بڑی بات شاید یہ ہے کہ اُن کے کرداروں اور واقعوں میں ہم اپنے کو، اپنے کنبے کو، آشناؤں کو اپنے آس پاس کو بار بار دیکھتے اور پہچانتے ہیں اور اپنے پر روتے، ہنستے اور سوچتے ہیں۔ ہندوستانی زیریں متوسط درجے کو لے کر جتنی گہری نگاہ، سمجھ اور ہمدردی ونود کمار شکل کے پاس ہے اُتنی کسی اور ناول نگار میں دکھائی نہیں دیتی۔ میرے من میں اِسے لے کر ذرا بھی شبہہ نہیں ہے کہ فنیشور ناتھ رینو کے بعد وہ آزاد ہندوستانی ہندی ادب کے سب سے بڑے ناول نگار ہیں۔ ہندوستانی کہانی نویسی میں بھی ان جیسی صلاحیتیں کم ہی ہیں اور جب کوئی غیر ملکی متجسس پوچھتا ہے تو میں بلاشبہہ کہتا ہوں کہ فی الوقت ہندی ناول نگاروں میں سے میں ونود کمار شکل کو عالمی ماجرائی ادب میں فاضل مانتا ہوں۔ یوں بھی نظم اور ناول جیسی دو لگ بھگ مختلف الحیثیت اضاف میں ایک ساتھ ایسی بے مثالیت کا حامل دوسرا ذہین اور دیدہ ور بھارت یا اس سے باہر کم سے کم میری (محدود) واقفیت اور سمجھ میں تو نہیں ہی ہے۔

❀❀❀

شری ونود کمار شکل، راج نند گاؤں (مدھیہ پردیش) میں جنوری ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ شری شکل کا پہلا شعری مجموعہ 'لگ بھگ جے ہند' پہچان سیریز کے تحت ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اُن کا دوسرا شعری مجموعہ 'وہ آدمی چلا گیا نیا گرم کوٹ پہن کر وچار کی طرح' سمبھاونا پرکاشن نے ۱۹۸۱ء میں اور وہیں سے اُن کا پہلا ناول 'نوکر کی قمیص' ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۸۸ء اُن کی کہانیوں کا مجموعہ 'پیڑ پر کمرا' شائع ہوا۔ ۱۹۹۲ء میں شعری مجموعہ 'سب کچھ ہونا بچا رہے گا' شائع ہوا۔ اُن کی کچھ تخلیقات کا مراٹھی، اردو، ملیالم، انگریزی اور جرمن زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

انہیں مدھیہ پردیش حکومت کی جانب [illegible] فیلوشپ ۷۶-۱۹۷۵ء [illegible] شعری مجموعہ کیلئے، مدھیہ پردیش کلا پریشد کا رجا پرسکار ۱۹۸۱ء میں 'نوکر کی قمیص' کیلئے مدھیہ پردیش ساہتیہ پریشد کا ویر سنگھ دیو پرسکار ۸۰-۱۹۷۹ء میں، سرجن بھارتی سمان اُڑیسہ کی سرجن مالا سنستھا کے ذریعہ ۱۹۹۲ء میں، رگھوبیر سہائے اسمرتی پرسکار اور بھوانی پرساد مشر پرسکار 'سب کچھ ہونا بچا رہے گا' شعری مجموعے کو ۱۹۹۲ء میں اور شکھر سمان مدھیہ پردیش حکومت سے ۱۹۹۵ء میں حاصل ہوا۔

شری ونود کمار شکل رائے پور، مدھیہ پردیش میں اقامت گزیں ہیں۔ جون ۱۹۹۴ء سے جون ۱۹۹۶ء تک نرالا سرجن پیٹھ بھوپال میں "مہمان ادیب" رہے۔ یہاں رہتے ہوئے 'کھلے گا تو دیکھیں گے' 'دیوار میں ایک کھڑکی رہتی تھی' ناول پورا کیا اور نظمیں بھی۔

میتھل شرن گپت سمان ۹۵-۱۹۹۴ء میں حاصل ہوا۔

دسمبر ۱۹۹۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

Deewar Mein Ek Khirki Rahti Thi   Rs. 150
ISBN : 81-260-2066-0